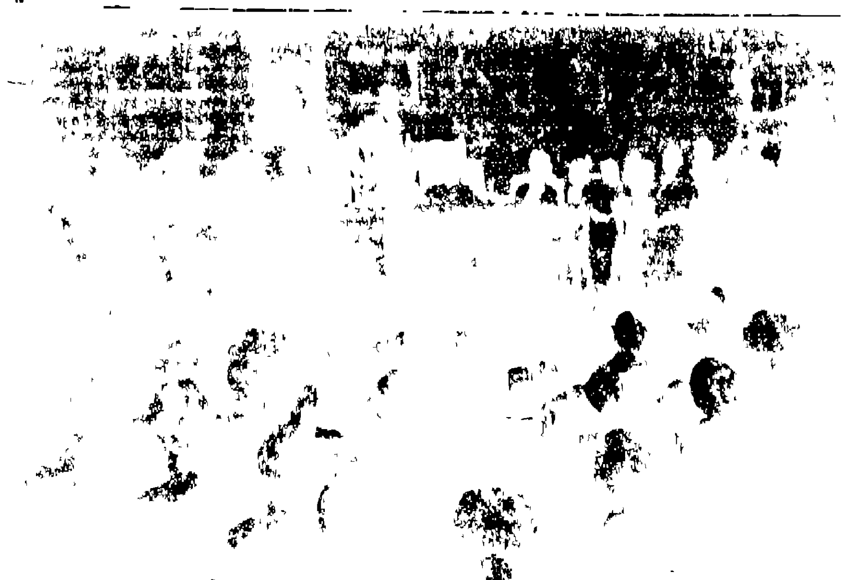


OFFICE
YUCHF BUILDING

OFFICE
1.WATERLOO



[illegible]





یہ دونوں حضرات وائسرائے کی
اگزیکٹو کونسل کے
ممبر نامزد ہوئے
ہیں—

مسٹر ایم ایس اینے۔

سر اکبر حیدری۔

ہندوستان کا بہترین باتصویر اُردو ہفتہ وار

جلد ۱۳ — مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۴۱ء — نمبر ۵

فی پرچہ ایک آنہ

قیمت:- سالانہ چار روپے — چندہ ممالک غیر سالانہ آٹھ روپے

CALCUTTA OFFICE
1 WATERLOO ST
P.O. BOX 2081

BOMBAY OFFICE
YUSUF BUILDING
CHURCHGATE ST

وزیر ہند کی تازہ سخن فہمی

حکومت کی ڈکشنری میں نمائندگی کی نئی تعریف

ہندوستان میں ڈیموکریسی کا نفاذ موزوں نہیں

وزیر ہند نے پارلیمنٹ میں معاملات ہند کے متعلق جو تازہ تقریر کی ہے۔ وہ ہر حیثیت سے مایوس کن ہے۔ اول سے شروع سے آخر تک پڑھ جانے کے بعد یہی معلوم ہوتا ہے کہ یا تو حکومت ہندوستانیوں کی مسلسل چیخ پکار کے باوجود ان کے جذبات سے اب تک آشنا نہیں ہوئی۔ یا وہ سمجھتی تو سب کچھ ہے۔ لیکن تجاہل عارفانہ سے کام لے رہی ہے۔

مسٹر ایمرے کی اس طویل تقریر کے حسب ذیل دو حصے خاص طور پر قابل غور ہیں:۔

(۱) وائسرائے کی جدید ایگزیکٹیو کونسل اور ڈیفنس آف انڈیا کونسل کی نمائندہ حیثیت۔

(۲) ہندوستان میں ڈیموکریسی کے اصول پر معیاری پارٹی کی حکومت کے نقائص۔

پہلے حصہ میں مسٹر ایمرے جدید ایگزیکٹیو کونسل کے لئے وائسرائے کے "حسن انتخاب" کی داد دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایگزیکٹیو کونسل اور ڈیفنس آف انڈیا کونسل کو ہندوستان کی قومی زندگی کے تمام عناصر کی مکمل نمائندگی حاصل ہے" ہمیں اپنی کوتاہی فہم کا اعتراف کرنا چاہئے کہ وزیر ہند کی زبان سے نکلا ہوا یہ جملہ بار بار پڑھنے کے باوجود ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ دُنیا اب تک نمائندہ جماعت کے معنی یہی سمجھتی تھی کہ کوئی وہ جماعت جس میں کسی قوم کے منتخب افراد شامل ہوں۔ لیکن آج مسٹر ایمرے کے بیان سے ظاہر ہوا کہ حکومت کی ڈکشنری میں لفظ نمائندگی کی تعریف عام مروجہ تعریف سے بالکل مختلف ہے اور ایسے ادارہ کو بھی نمائندہ کہا جاسکتا ہے۔ جس میں کسی قومی جماعت کا کوئی نمائندہ شریک نہ ہو۔ ہندوستان کی سب سے بڑی نمائندہ قومی جماعت انڈین نیشنل کانگرس ہے۔ جن لوگوں نے قوم پرستی کے بجائے فرقہ پرستی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ ان کی دو بڑی جماعتیں ہندو مہاسبھا اور مسلم لیگ ہیں۔ خیال کیجئے کہ وائسرائے کی ڈیفنس کونسل میں نہ تو کانگرس کا کوئی نمائندہ شامل ہے نہ ہندو مہاسبھا کا اور نہ مسلم لیگ کا۔ مسلم لیگ کے جن تین چار آدمیوں کو حکومت نے توڑ لیا ہے۔ ان کے فعل پر مسلم لیگ اظہار ملامت کر رہی ہے۔ اور ان کے اخراج کا سوال اس کے سامنے پیش ہے۔ اس ایک بڑی قومی جماعت کانگرس اور دو بڑی فرقہ وارانہ جماعتوں کا ذکر ہی کیا ہے ہندوستان میں جو چھوٹی چھوٹی بے شمار جماعتیں قائم ہیں ان کا بھی کوئی نمائندہ اس ڈیفنس کونسل میں نہیں۔ پھر بھی ہمارے وزیر ہند صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ڈیفنس کونسل کو ہندوستان کی قومی زندگی کے تمام عناصر کی مکمل نمائندگی حاصل ہے! حق و صداقت کو چھپانے کی اس سے زیادہ افسوسناک مثال اور کیا ہوسکتی ہے؟

برطانیہ اس وقت ڈیموکریسی کی سب سے بڑی علمبردار ہونے کی مدعی ہے۔ لیکن دنیا حیرت و استعجاب کے ساتھ سنے گی۔ کہ جس ڈیموکریسی کی حفاظت کے نام پر وہ اپنی تاریخ کی خوفناک ترین جنگ میں جان کی بازی لگا رہی ہے اسی ڈیموکریسی کے نفاذ کو وہ ہندوستان میں غیر موزوں سمجھتی ہے وزیر ہند یہ "انکشاف جدیدہ" فرماتے ہوئے کہ کم از کم مرکزی حکومت کے لئے ہندوستان میں پارلیمنٹری سسٹم مناسب نہیں ہے کہتے ہیں کہ:۔

"انگلستان کا نظام حکومت دنیا میں جمہوری طرز حکومت کی سب سے زیادہ لچکدار اور موثر قسم ہے۔ یہ نظام ڈیموکریسی کے بہترین اصول کے مطابق پارٹی سسٹم پر قائم ہے۔ لیکن انگلستان میں قومی مفاد کا خیال جماعتی وفاداری کے احساس پر غالب ہے۔ فیصلے بیشک اکثریت کی رائے سے ہوتے ہیں لیکن اس بات کا ہمیشہ امکان رہتا ہے کہ جو جماعت آج اقلیت میں ہے کل اکثریت میں تبدیل ہوسکتی ہے۔ ہندوستان میں صورت حال بالکل برعکس ہے وہاں پارٹی کے مفاد کا خیال اور پارٹی کا ڈسپلن تمام امور پر غالب رہتا ہے۔ حکومت کی پالیسی ارکان حکومت کے ہاتھ میں نہیں۔ بلکہ پارلیمنٹ کے باہر پارٹی کی مجلس عاملہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور چونکہ ہندوستان کی اکثریت ہر حال میں اکثریت رہے گی۔ اور وہ کسی وقت بھی اقلیتوں کو اُبھرنے کا موقع نہیں دے سکتی۔ اس لئے ہندوستان میں پارلیمنٹری سسٹم رائج کرنے کے معنی یہ ہونگے کہ اقلیتوں کو ایک دوامی اکثریت کے رحم و کرم پر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا جائے۔"

مسٹر ایمرے ہندوستان میں پارلیمنٹری سسٹم کے نفاذ کو کانگرس راج یا ہندو راج کا خطاب دیتے ہوئے مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کو اسی کا ردعمل قرار دیتے ہیں۔

اگر مسٹر ایمرے کی تقریر غور سے پڑھی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے قالب میں مسٹر جناح کی روح بول رہی ہے۔ یہ طرز استدلال بالکل وہی ہے۔ جو ہم مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے سنتے رہتے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ جب ڈیموکریسی کے اصولوں کو تمام دُنیا کے لئے نعمت بتایا جاتا ہے۔ تو وہ ہندوستان کے لئے غیر موزوں کس طرح ہیں۔ اور جب دنیا کی ہر قوم کو جو اکثریت میں ہو پارلیمنٹری سسٹم کے مطابق حکمرانی کا حق حاصل ہے۔ تو پھر غریب ہندوؤں نے کیا جرم کیا ہے جو انہیں اپنی اکثریت سے فائدہ اُٹھانے کے قدرتی حق سے محروم کر دیا جائے۔ کیا مصر، ٹرکی اور عراق وغیرہ کے لئے پارلیمنٹری نظام حکومت کو اس لئے غیر موزوں کہا جاسکتا ہے کہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت اور عیسائیوں یا یہودیوں کی اقلیت ہے؟ اگر نہیں تو ہندوستان میں مذہبی اختلافات کو بہانہ بنا کر پارلیمنٹری نظام حکومت کو غیر موزوں قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟

ہمیں اس صاف بیانی کے لئے معذور سمجھا جائے۔ کہ جن فرقہ وارانہ اختلافات کی بنا پر ہندوستان میں ڈیموکریسی کے نفاذ کو غیر موزوں بتایا جا رہا ہے۔ وہ درحقیقت ہندوستان کی محکومی کا نتیجہ ہیں۔ باوجودیکہ انگلستان میں بالغوں کے حق رائے دہی کی بنا پر مشترکہ انتخاب کا طریقہ رائج ہے لیکن اس نے محض اپنی مصلحتوں کی بنا پر مذہبی عقائد کے اعتبار پر جداگانہ انتخابات کا طریقہ ہندوستان کے لئے تصنیف کیا۔ جب سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہوگئی۔ صرف یہی نہیں بلکہ کانگرس جب بالغوں کے حق رائے دہی کی بنا پر ہندوستان کے لئے مشترکہ انتخاب کا وہی طریقہ طلب کرتی ہے جو انگلستان میں رائج ہے اور جس نے انگلستان میں قومیت کی بنیادوں کو مستحکم بنا دیا ہے۔ تو ہندوستان کے خداوندان قسمت اس سے انکار صاف کرتے ہیں اور پھر کہا جاتا ہے کہ مذہبی اختلافات کی بنا پر ہندوستان پارلیمنٹری نظام حکومت کے قابل نہیں۔

مسلمانوں کیلئے ہندی کی تعلیم

معاصر آئینہ میں مسٹر ذاکر حسین فاروقی بی۔اے کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ جس میں وہ اُردو اور ہندی کے موجودہ افسوسناک قضیہ کا بہترین حل یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ہندو بیشتر زبان اُردو کی تعلیم حاصل کریں۔ اور مسلمان ہندی زبان کی۔

جہاں تک واقعات کا تعلق ہے ہندوؤں میں زبان اُردو کے بہترین ادیب کثیر تعداد میں ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ باوجودیکہ کچھ عرصہ سے محض سیاسی اختلافات کی بنا پر مسلمانوں کو چڑانے کے لئے ہندوؤں نے اُردو کی مخالفت زیادہ شروع کر دی ہے۔ لیکن اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندوؤں کے دلوں میں اس وقت بھی اُردو کی مخالفت کے وہ قومی جذبات نہیں پائے جاتے ہیں۔ جو مسلمانوں کے دلوں میں ہندی کے خلاف موجود ہیں۔ ایسی حالت میں جبکہ ہندوؤں میں زبان اُردو کے بہترین انشاپرداز آج بھی ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ اور ان کے سیکڑوں اخبارات زبان اُردو میں نکل رہے ہیں۔ ہزاروں مسلمانوں میں شاید ایک آدھ شخص ایسا نکلے گا جو زبان ہندی کے حروف تہجی سے بھی واقف ہو۔ حالانکہ یہ اس قدر سہل زبان ہے کہ چند روز میں آجاتی ہے۔ زبان ہندی پر کافی قدرت رکھنے والے چند مسلمان اگر دستیاب ہوسکتے ہیں تو صرف سی پی میں۔ اس کے علاوہ ہمیں پتہ نہیں۔ کہ نصف صدی کے اندر کسی مسلمان نے ہندی میں کوئی کتاب لکھی ہو یا زبان ہندی میں کوئی اخبار جاری کیا ہو۔

زبان اُردو ہی نہیں بلکہ فارسی اور عربی زبانوں کے سیکڑوں عالم بھی ہندوؤں میں موجود ہیں۔ لیکن آٹھ نو کروڑ مسلمانان ہند میں ڈاکٹر سید علی بلگرامی مرحوم کی وفات کے بعد ایک مسلمان بھی ایسا نہیں جس نے سنسکرت کو سیکھنا ضروری سمجھا ہو۔ زبان ہندی کے خلاف مسلمانوں کا یہ سخت تعصب بہت افسوسناک اور قدرتی طور پر زبان اُردو کے خلاف ہندوؤں کے جذبات کو بھڑکانے والا ہے ایسی حالت میں جبکہ مسلمان اُردو فارسی کے علاوہ انگریزی لاطینی۔ فرنچ جرمن وغیرہ غیر ملکی زبانیں کثرت سے سیکھتے ہیں۔ اور ان کے اچھے جاننے والے مسلمانوں میں تعداد کثیر موجود ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ زبان ہندی کی تحصیل وہ اپنے لئے منزلہ کفر کیوں سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہندی ان کے وطن ہندوستان کی وہ قدیم شیریں زبان ہے جس سے خود زبان اُردو کا ڈھانچہ تیار ہوا۔

نواب چھتاری حیدرآباد کی مسند وزارت پر

اعلیحضرت نظام نے نواب چھتاری کو حیدرآباد کی ایگزیکٹیو کونسل کا پریزیڈنٹ مقرر کیا ہے۔

رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری کے وائسرائے کی نئی کونسل میں انفارمیشن ممبر ہو جانے پر حیدرآباد میں ان کی جانشینی کے سوال پر قیاس آرائیاں شروع ہوگئی تھیں، باشندگان حیدرآباد کے علاوہ برطانوی ہند کے فرقہ پرست مسلمان بھی اپنے مفید مطلب امیدواروں کے نام بڑھا چڑھا کر پیش

کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے تو نواب بہادر یار جنگ جیسے کٹر فرقہ پرست لیڈر تک کا نام حیدرآباد کی صدارت عظمیٰ کے لئے پیش کیا تھا۔ لیکن ہم نے اسی وقت ان ناآشنائے حقیقت دوستوں کو صاف الفاظ میں بتا دیا تھا۔ کہ حیدرآباد میں وزیراعظم مقرر کرنا اعلیٰحضرت کے بس کی بات نہیں۔ بلکہ اس معاملہ میں پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کی رائے ضروری ہے اور حکومت ہند کسی ایسے ہی شخص کے ہاتھ میں حیدرآباد جیسی منظم ریاست کی زمام حکومت دیکھنا گوارا کرے گی جس پر اسے پورا اعتماد ہو۔ چنانچہ ہماری پیشین گوئی پوری ہوئی اور حکومت کے پرانے جاں نثار نواب سر احمد سعید خاں والئے چھتاری حیدرآباد کے صدراعظم مقرر کئے گئے۔ نواب صاحب کی وفاداری حکومت کی نگاہ میں اس قدر مسلّم ہے کہ وہ ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ یو۔پی کی گورنری تک کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ اور نفاذ اصلاحات کے بعد کانگرس کے عہدے قبول نہ کرنے پر انہی نے یو۔پی کی پہلی وزارت مرتب کی تھی۔

جہاں تک پبلک کے جذبات کا تعلق ہے ہمیں اندیشہ ہے کہ نواب چھتاری کے تقرر سے حیدرآباد کے باشندوں کو بھی مایوسی ہوئی۔ فرقہ پرست ہندوؤں کو بھی اور مسلمانوں کو بھی۔ حیدرآباد والوں کو اس لئے کہ وہ اعلیٰحضرت نظام سے مسلسل اور پرزور مطالبہ کر رہے تھے۔ کہ حیدرآباد کی صدارت عظمیٰ پر حیدرآباد ہی کے کسی شخص کو متعین کیا جائے۔ اور ہمارے خیال میں ان کا یہ مطالبہ صحیح بھی تھا ہندو اس لئے مایوس ہوئے۔ کہ حیدرآباد میں ہندوؤں کی ۸۰ فیصدی آبادی کے باوجود قلمدان وزارت ایک مسلمان کے سپرد کیا گیا۔ اور مسلمان اس لئے ناراض ہوئے کہ نواب چھتاری مسلم لیگ کے "غدار" ہیں۔ انہوں نے مسلم لیگ کے ممبر رہتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر ڈیفنس کونسل کی ممبری قبول کر لی اور جب مسٹر محمد علی جناح نے ان کے خلاف تادیبی کارروائی کا ارادہ ظاہر کیا تو نواب چھتاری نے مسلم لیگ کی ممبری ہی کو ٹھکرا دیا۔

بہرحال جبکہ انتخاب عمل میں آ چکا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ نواب چھتاری کا وجود حکومت حیدرآباد کے لئے مفید ثابت ہو اور وہ فرقہ پرستی کی سطح سے بالاتر رہ کر اپنے گرانبار فرائض انجام دیں۔

حکومت بہاولپور اور مظلوم کسان

تازہ اطلاعات سے ہمیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ نواب بہاولپور نے بارش نہ ہونے کی وجہ سے خرابیٔ فصل کا اندیشہ محسوس کرتے ہوئے اپنی ریاست کے پریشاں حال کسانوں کو مالیہ اور آبیانہ کا ایک لاکھ اکسٹھ ہزار روپیہ معاف کر دیا ہے۔ بہاولپور کچھ زیادہ متمول ریاست نہیں ہے اگر اس کے مجموعی مالیہ کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ معافی کی یہ شرح ساڑھے تین فیصدی کے قریب ہے۔ اس طرح ہمارے دل پر حکومت بہاولپور کی کسان نوازی کا اور بھی گہرا نقش مرتسم ہوتا ہے۔

ایسی حالت میں جبکہ ہندوستان کے ہر حصہ سے اس قسم کی اطلاعات موصول ہو رہی ہیں کہ بارش نہ ہونے سے کسان سخت پریشان ہو رہے ہیں ہم حکومت بہاولپور کو رعایا پروری کے اس مظاہرہ پر تہ دل سے مبارکباد دیتے ہوئے دوسرے والیان ریاست کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ بھی نواب بہاولپور کے نقش قدم پر چل کر اپنے کسانوں کے مالیانہ وغیرہ میں تخفیف کا اعلان کر دیں۔

پنجاب میں نہنگ سکھوں کی گرفتاری اور "انقلاب"

حال میں لاہور کے پانچ چھ نہنگ سکھ قانون اسلحہ کے ماتحت گرفتار کر کے عدالت میں پیش کئے گئے۔ جہاں انہیں چھ چھ ماہ قید کی سزائیں دی گئیں۔ بظاہر یہ بہت معمولی خبر ہے۔ ہندوستان میں اس قسم کی گرفتاریاں آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔ جن میں ہندو، مسلمانوں یا سکھوں کی کوئی تخصیص نہیں۔ لیکن فرقہ وارانہ ذہنیت کی انتہا ملاحظہ ہو کہ حکومت پنجاب کے بوٹ چاٹنے والا "انقلاب" اس چھوٹی سی بات کو بھی سکھ مسلم سوال سمجھتے ہوئے امید ظاہر کرتا ہے کہ یہ سلسلہ زیادہ شدت کے ساتھ جاری کیا جائے گا۔

اس فرقہ پرست کے الفاظ ہیں:۔

"حکومت نہنگوں کو غیر مسلح کر کے امن عامہ کی بہت بڑی خدمت انجام دے گی۔ کیونکہ اس سے فساد و اشتعال کا ایک بہت بڑا عنصر غائب ہو جائے گا"

جہاں تک کسی قانون شکن کی گرفتاری کا تعلق ہے۔ خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان یا سکھ اس پر کسی کو بھی اعتراض نہیں۔ لیکن نہنگ سکھوں کو جو درویشوں کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہوئے اور جنہیں سکھوں اور ہندوؤں میں بہت عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ فساد و اشتعال کا بہت بڑا عنصر قرار دے دینا یا حکومت کو مشورہ دینا کہ وہ نہنگوں کو محض مسلح ہونے کی وجہ سے گرفتار کرنا شروع کرے۔ اخلاقی پستی کا وہ بدترین مظاہرہ ہے جس کی مذمت کے لئے ہمیں الفاظ نہیں ملتے۔ اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک اخبار "انقلاب" یا زیادہ سے زیادہ اس کے دو چار ہم مذاق ناشروں کی بیہودگیوں اور اشتعال انگیزیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندو اور سکھ اخبارات حکومت کو مشورہ دینا شروع کر دیں۔ کہ تمام مسلمان اخبار نویس (جن میں اکثریت شریف انسانوں کی ہے) چونکہ غیر مسلموں کے خلاف مسلمانوں کے مذہبی جذبات بھڑکا کر فرقہ وارانہ جنگ برپا کراتے اور حکومت کے قدموں پر ناک رگڑ کر اپنی شکم پری کرتے ہیں۔ اس لئے تمام اسلامی اخبارات بند کر دیئے جائیں۔ اور تمام مسلمان اخبار نویسوں کو قید کر دیا جائے۔ تاکہ فساد و اشتعال کا بہت بڑا عنصر غائب ہو جائے۔

ہم اپنے معاصر "انقلاب" سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ ہندو اور سکھ اخبارات کے اس احمقانہ طرز استدلال کو پسند کرے گا؟ اگر نہیں تو محض اپنے جذبات تعصب کو تسکین دینے کے لئے تمام نہنگ سکھوں کو جن میں اکثریت خدا پرستی کی زندگی بسر کرتی ہے۔ فساد و اشتعال کا بہت بڑا عنصر سمجھ کر حکومت کو ان کے خلاف زیادہ سختی کا مشورہ دینا کیا ہندوؤں اور سکھوں کے جذبات کو بھڑکانا نہیں ہے؟

دہلی میں کرایہ ایکٹ کے نفاذ کی ضرورت

دہلی میں مکانات کے کرایہ کی گرانی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے اور ہندوستان میں بہت کم شہر ایسے ہوں گے۔ جو اس افسوسناک خصوصیت میں دہلی کا مقابلہ کر سکیں۔ یہاں تنگ و تاریک گلیوں تک میں کرایہ کی شرح ناقابل برداشت حد تک بڑھی ہوئی ہے۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ ہر کرایہ دار کے اٹھنے اور نئے کرایہ دار کے آباد ہونے پر کرایہ میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہی ہو جاتا ہے۔ جس طبقہ کو عرف عام میں سفید پوش یا مڈل کلاس کہا جاتا ہے اس کی حالت ناقابل بیان ہے۔ تنخواہیں محدود۔ بازار گراں ہوا۔ مکان کا کرایہ۔ کھانا۔ کپڑا۔ بچوں کی تعلیم۔ دواؤں کی قیمت غرضیکہ ان غریبوں کو اپنی عزت اور سفید پوشی قائم رکھنے کے لئے نجانے کیسی کیسی مصیبتیں اور روحانی صدمے جھیلنا پڑتے ہیں۔ اگر بنظر غور سے دیکھا جائے تو یہ طبقہ جو نہ چوری کر سکتا ہے اور نہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا سکتا ہے۔ سب سے زیادہ قابل امداد ہے لیکن افسوس ہے کہ دہلی میونسپل کمیٹی میں ڈبل ہاؤس ٹیکس کی تجویز نے اسی طبقہ کے مصائب میں سب سے زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔ کیونکہ دہلی میں کرایہ مکانات کی موجودہ شرح کو دیکھتے ہوئے شہر کے اندر دس روپیہ ماہوار سے کم کے مکان میں کوئی شریف گھرانہ زندگی گزار نہیں سکتا۔ اور اسے بالعموم دس روپے سے زیادہ کرایہ ہی کے مکانات تلاش کرنا پڑتے ہیں۔

دہلی کے مکانداروں نے غریبوں کا خون چوسنے والی جو سو فیصدی ساہوکارانہ ذہنیت اختیار کر رکھی ہے اس کا علاج اور غریبوں کو ان کے پنجہ ستم سے نجات دلانے کا واحد طریقہ یہ ہے۔ کہ دہلی میں کرایہ ایکٹ کا جلد از جلد نفاذ کر دیا جائے جس کی رو سے مکانات کے کرایہ کی شرح متعین ہو اور کوئی بیہودہ صفت مکاندار کرایہ میں اضافہ نہ کر سکے۔

ہندوستان کے اسیران سیاسی کی رہائی

تازہ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہندوستان کے موجودہ سیاسی تعطل کو دور کرنے کے لئے سرسپرو یہ کوشش کر رہے ہیں۔ کہ حکومت کانگرس کے تمام قیدیوں کو رہا کر دے۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے بعض عمائد ملک سے تبادلہ خیالات شروع بھی کر دیا ہے۔ اسی قسم کے خیالات خان بہادر اللہ بخش وزیراعظم سندھ نے ظاہر کئے ہیں۔ اور ان کی رائے میں نئی ڈیفنس کونسل کے ہندوستانی ممبروں کا فرض یہ ہونا چاہیئے۔ کہ وہ حکومت کو اسیران سیاسی کی رہائی کا مشورہ دیں۔

ہمارے خیال میں یہ کوششیں قابل قدر ہیں۔ جہاں تک واقعات کا تعلق ہے۔ روس پر جرمنی کے حملہ اور انڈوچائنا پر جاپانی قبضہ نے ہندوستانی مفکرین کے خیالات پر بہت اثرانداز کی ہے۔ اور اب اس قسم کی اطلاعیں اور بھی سونے پر سہاگہ کا کام دے رہی ہیں کہ جرمن ریشہ دوانیاں ایران کے راستہ روسی ترکستان اور ہندوستانی سرحد تک پہنچ چکی ہیں۔ علاوہ بریں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ کانگرس کا بہت بڑا حصہ کانگرس کی پرانی پالیسی سے مطمئن نہیں اور اسے ایسی نئی پالیسی کی تلاش ہے جو رجعت اور اندرونی آویزش نہیں۔ بلکہ ٹھوس حقائق پر مبنی ہو۔ لیکن کسی سابقہ پروگرام کو منسوخ یا نئے پروگرام کو مرتب کر سکتی ہے۔ کانگرس کی آل انڈیا کمیٹی۔ اور ایسی حالت میں جبکہ ورکنگ کمیٹی اور آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے تقریباً سبھی مشہور و ذمہ دار ارکان قید خانوں میں ہیں۔ ظاہر ہے کہ کانگرس جدید بین الاقوامی انقلابات کے پیش نظر کوئی نیا پروگرام ملک کے سامنے پیش نہیں کر سکتی۔

اگر حکومت تدبر کے اعتبار سے دیوالیہ نہیں ہو چکی ہے۔ تو اس کا فرض ہے۔ کہ کانگرس کے تمام قیدیوں کو رہا کر دے۔ تاکہ ہندوستانی محبان جیلوں سے باہر نکل کر موجودہ بین الاقوامی حالات پر غور اور ملک کے لئے کوئی پالیسی مرتب کر سکیں۔

دہلی میں قیمتوں پر کنٹرول کی ضرورت

بارش نہ ہونے کی وجہ سے دہلی میں سب سے پہلے تو غلہ کی گرانی شروع ہوئی۔ اور اب یہ حال ہے کہ کپڑا۔ گوشت۔ سبزی۔ لکڑی۔ کوئلہ۔ دیاسلائی۔ غرضیکہ انسانی زندگی کی ایسی کوئی ضروری چیز نہیں جس کی قیمتوں میں پچاس فیصدی تک اضافہ نہ ہوا ہو۔ موجودہ تکلیف دہ اقتصادی حالت میں یہ گرانی خاص کر غریب طبقہ کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہو رہی ہے۔

امساک باراں کی بنا پر گرانی کی خبریں ہندوستان کے دوسرے شہروں سے بھی آ رہی ہیں۔ مگر تازہ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بیشتر مقامی حکام نے اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے قیمتوں کا تعین کر کے نفع بازوں کی بے رحمانہ ذہنیت کا انسداد شروع کر دیا ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ ہندوستان کے پایہ تخت دہلی کے حکام اب تک خواب غفلت میں ہیں۔ اور غریبوں کی فریاد ان کے کانوں تک نہیں پہنچتی۔ یورپ میں جنگ کے شعلے بھڑکنے پر دہلی میں ضروری چیزوں کی قیمتیں ایک دم بڑھنا شروع ہو گئی تھیں۔ لیکن مقامی حکومت نے قیمتوں پر کنٹرول کرتے ہی اس نفع بازی کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اور پبلک کو ایک بڑی مصیبت سے نجات مل گئی تھی۔

ہم حیران ہیں۔ کہ دہلی کی گورنمنٹ اس موقع پر اب تک کیوں خاموش ہے۔ اور اس نے اب تک قیمتوں کا تعین کیوں نہیں کیا ہے۔ ضرورت ہے۔ کہ حکام دہلی غریبوں کو گرانی کے عذاب سے بچانے کے لئے جلد موثر قدم اٹھائیں اور اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیں

حیدرآباد میں گداگری کا انسداد

ہمیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ حکومت نظام نے ایک تازہ اعلان کے ذریعہ حیدرآباد میں گداگری کو جرم قرار دیا ہے۔ آئندہ کوئی شخص جو صحت مند اور کسب معاش کے قابل ہو۔ سڑکوں پر بھیک نہیں مانگ سکے گا۔ اور خلاف ورزی قانون کی صورت میں اسے قید سخت کی سزا دی جا سکے گی بوڑھوں اور اپاہجوں کے لئے محتاج خانے قائم کر دیئے گئے ہیں۔ جہاں یہ لوگ رہیں گے۔ اور ان کا بار کفالت حکومت برداشت کرے گی۔ ان محتاج خانوں میں صنعت اور دستکاری کا بھی انتظام کر دیا گیا ہے۔ تاکہ جو صحتمند اشخاص کسب معاش کی قوت رکھنے کے باوجود بیروزگاری کا شکار ہو کر گداگری کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں۔ انہیں خیاطی۔ نجاری۔ پارچہ بافی اور دری وغیرہ بننے کا کام سکھا کر اپنی روزی خود کمانے کے قابل بنایا جا سکے۔

گداگری ہندوستان کی پیشانی پر لعنت کا کریہہ ترین داغ ہے۔ اسے مٹانے کے لئے حکومت نظام نے جو قدم اٹھایا ہے۔ وہ یقیناً قابل ستائش اور نہ صرف ہندوستانی ریاستوں بلکہ برطانوی صوبوں کے لئے بھی قابل تقلید ہے۔

مسٹر جناح کو شوقِ جہاد نہیں

مسٹر محمد علی جناح اپنے ایک تازہ بیان میں کہتے ہیں:۔

"بدقسمتی سے مسلم لیگ کی تحریک کو ہندوؤں کے خلاف منسوب کیا جا رہا ہے۔ اور ہندوؤں کی نگاہ میں مسلم لیگ کی ہندو دشمنی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ ہندوستان کی تقسیم کو اس ملک کے تمام آئینی مسائل کا واحد حل سمجھتی ہے۔ میں اپنے ہندو دوستوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں میں ہندو انڈیا کے خلاف کوئی معاندانہ جذبہ نہیں ہے۔ وہ ہندو اکثریت کے کسی صوبہ کو بھی اپنے زیرنگیں کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ان کی دلی خواہش یہ ہے۔ کہ جن صوبوں میں ہندو آبادی زیادہ ہے ان کا نظم ونسق ہندوؤں ہی کے ہاتھ میں رہے۔ مسلمان صرف اسلامی اکثریت کے صوبوں کی زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں۔"

اگر مسٹر جناح اس سعی لاحاصل کے لئے اپنا شکریہ ضروری سمجھیں تو ہم ان کے ممنون ہیں۔ کہ انہیں بیسویں صدی کے محمود غزنوی بننے کی خواہش نہیں اور وہ دنیا کو بتا دینا چاہتے ہیں۔ کہ ہندوستان میں پاکستان قائم ہو جانے کے بعد مسلم لیگ کے غازیان کرام "ہندو انڈیا" کے خلاف اعلان جہاد نہیں فرمائیں گے۔ لیکن ہم انہیں یقین دلانا چاہتے ہیں کہ اس وقت سوال "ہندو انڈیا" پر مسلمانوں کی یورش یا "مسلم انڈیا" پر ہندوؤں کی یورش کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں ہندوستان کو متعدد آزاد ریاستوں میں تقسیم کر دینا کیا دانشمندی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ یہ زمانہ محدود قومیت کا نہیں بلکہ بین الاقوامیت کے فروغ کا ہے۔ رسل ورسائل کی آسانیوں نے دنیا کی وسعتوں کو سکیڑ دیا ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی قوموں اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے جداگانہ وجود کو چند روزہ مہمان سمجھا جا رہا ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ جمہوریت نوازی کے بڑے بڑے علمبردار یورپ میں ایک ہمہ گیر فیڈریشن کے خواب دیکھ رہے ہوں۔ خود انگلستان نے فرانس کی شکست سے چند روز پیشتر اس کے سامنے یہ تجویز پیش کی۔ کہ دونوں ممالک آپس میں مدغم ہو کر ایک متحدہ فیڈرل حکومت کی شکل اختیار کر لیں اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ متحدہ ریاستہائے امریکہ اور سلطنت برطانیہ کب ایک عظیم الشان فیڈریشن کی شکل اختیار کر لیں گی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ ہندوستان کو ہندو انڈیا، مسلم انڈیا اور سکھ انڈیا وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دینا کس طرح امن عامہ کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ ہندوستان کے سیاسی مسائل کا علاج اگر کچھ ہو سکتا ہے تو فرقہ وارانہ لائنوں پر اس کی تقسیم نہیں۔ بلکہ ایک فیڈرل حکومت کا قیام ہے جس میں ہر صوبہ اور ہر ریاست اپنی اندرونی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے شریک ہو اور ڈیفنس وغیرہ کے مشترکہ معاملات ایک مضبوط مرکز کے ہاتھ میں رہیں۔

سیاسی نظربندوں پر مقدمہ چلایا جائے

پنجاب کے تقریباً دو ہزار معزز شہریوں نے اپنے دستخطوں سے وائسرائے کے پاس میموریل بھیجا ہے۔ کہ جو نوجوانان پنجاب اس وقت دیولی کیمپ میں اپنی نظربندی کے ایام گزار رہے ہیں انہیں یا تو فوراً رہا کر دیا جائے یا ان پر کسی کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے تاکہ وہ اپنی صفائی پیش کر سکیں۔

ہم پورے جوش کے ساتھ اس میموریل کی تائید کرتے ہیں۔ سوال اس وقت محض پنجاب کے نظربندوں کا نہیں بلکہ ان تمام بدنصیب ہندوستانیوں کا ہے جو بلا یہ معلوم کئے ہوئے کہ آخر ان کا جرم کیا ہے ملک کے مختلف حصوں میں نظربندی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دنیا کے تمام متمدن ممالک میں انصاف کا ابتدائی اصول یہ ہے کہ جب تک کسی ملزم کا جرم ثابت نہ ہو جائے تو اسے بے قصور سمجھنا چاہئے اور ضرورت ہے۔ کہ اسے اپنے خلاف عائد کئے ہوئے الزامات کی صفائی پیش کرنے کے لئے پوری سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ یہ فخر ہندوستان کے غلام کدہ ہی کو حاصل ہے جہاں بیسویں صدی کے متمدن دور میں بھی لوگوں کو بغیر یہ بتائے ہوئے کہ آخر ان کا جرم کیا ہے۔ اور بغیر انہیں اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیتے ہوئے "تا حکم ثانی" قید کر دیا جاتا ہے۔

ایسی حالت میں جبکہ برطانیہ ڈیموکریسی کی حمایت کے نام پر اپنی تاریخ کی خوفناک جنگ میں مبتلا اور انصاف کے پرچم کو سربلند رکھنے کے دعوے پر اپنی جان کی بازی لگا رہی ہے اسے ہندوستانی نظربندوں کے سوال پر بھی ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے۔ ضرورت ہے کہ یا تو انہیں اب بغیر کسی تاخیر کے رہا کر دیا جائے۔ یا ان پر کسی کھلی عدالت میں مقدمہ چلا کر اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع دیا جائے۔

سر مرزا اسماعیل اور ذمہ دار مرکزی حکومت

میسور کے سابق دیوان سر مرزا محمد اسماعیل نے پونا کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:۔

"ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہونا چاہئے۔ کہ ہر قیمت پر ہندوستان کے مرکزی اتحاد کو قائم رکھیں ہندوستان کا درجہ اقوام عالم کی نگاہوں میں صرف اسی وقت بلند ہو سکتا ہے۔ جب تمام برطانوی صوبجات اور ریاستیں مشترکہ مفاد وطن کے لئے باہم شیر وشکر ہو جائیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مرکز میں ذمہ دار مرکزی حکومت کا قیام لازمی ہے۔ صوبجات اپنے اندرونی معاملات میں بیشک آزاد رہیں۔ لیکن ہندوستان جیسے وسیع ملک کا ڈیفنس۔ فنانس اور کسٹم ایک مضبوط مرکزی گورنمنٹ ہی کے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔"

اس تقریر میں سر مرزا اسماعیل نے اگرچہ پاکستان کا ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ پاکستانی نظریہ کی تمام وکمال تردید ہے۔ اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر جناح کی پاکستانی اسکیم قومی درد کا درماں ہرگز نہیں بن سکتی۔

سر مرزا اسماعیل نے قومی مفاد کی ترجمانی کرتے ہوئے جو خیالات ظاہر کئے ہیں بالکل وہی پوزیشن کانگرس اور خود بہت سے ذمہ دار اور آزاد خیال مسلمانوں کی ہے۔ اگر ہم یہ کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ کہ مسلم لیگ کے اسٹیج سے ہٹ کر سر سکندر حیات خاں بھی یہی خیال ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ مرکز میں مضبوط ومتحد حکومت کے قیام سے مسلمانوں کی گھبراہٹ بالکل بے معنی اور فرقہ پرست لیڈروں کی پیدا کردہ ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ صوبجات اپنے اندرونی معاملات میں بالکل آزاد ہوں اور صرف مشترکہ ڈیفنس۔ فنانس اور کسٹم وغیرہ مرکز کے ہاتھ میں ہو۔ ہم نہیں سمجھ سکتے۔ کہ اسلامی اکثریت کے صوبوں کی آزادی مرکزی حکومت کے ہاتھوں کس طرح خطرہ میں پڑ سکتی ہے اور ہندو راج کا ہوّا کس حد تک حق بجانب ثابت ہو سکتا ہے؟

مسٹر اینے کا انصاف اپنے ضمیر کے ساتھ

مسٹر اینے وائسرائے کی نئی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر منتخب ہو جانے کے بعد اپنی ایک تازہ تقریر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

"میں یہ تو بتانا نہیں چاہتا کہ میں نے ایگزیکٹو کونسل کی ممبری کیوں قبول کی ہے۔ لیکن اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جدید اختیارات سے کام لے کر سب کے ساتھ انصاف کروں گا۔"

ایسی حالت میں جبکہ انگلستان وغیرہ آزاد ممالک میں مدبرین ومشاہیر مسٹر لائیڈ جارج اور مسٹر جارج برنارڈ شا وغیرہ کی طرح عمر کے اعتبار سے پیران نود سالہ بن جانے کے قریب بھی صحت، دماغ اور جوش عمل کے اعتبار سے نوجوانوں کے کان کترتے ہیں۔ وہاں ہندوستانی لیڈر گرم آب وہوا۔ تفکرات قید وبند کے مصائب اور مالی پریشانیوں کی وجہ سے پچاس ساٹھ سال ہی کی عمر میں صرف یہی نہیں کہ بیکار ہو جاتے ہیں بلکہ اپنے دماغی افلاس کی وجہ سے ملک کے لئے عذاب بن جاتے ہیں۔ اس تلخ حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہماری مستقل رائے یہ ہے کہ ہندوستانی لیڈروں کو بوڑھا ہو جانے کے بعد قومی فنڈ سے پنشن دے کر سیاسیات سے سبکدوش کر دینا چاہئے۔ تاکہ وہ اپنے بڑھاپے کے مفاسد اثرات سے قوم کو گمراہ اور ہندوستان کو دوسروں کی نگاہ میں سرمایہ تضحیک نہ بنا سکیں۔

مسٹر اینے کا شمار بھی انہی "اوور ایج" یا زائد المیعاد لیڈروں میں ہے۔ جوانی میں آپ آزادی ہند کے مبلغ اول لوکمانیہ تلک کے دست راست تھے۔ بارہا قید ہوئے۔ اور تلک مرحوم کی وفات کے بعد ان کے حقیقی جانشین تسلیم کئے جاتے تھے۔ کانگرس میں آپ کو جو اثر واقتدار حاصل تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے۔ کہ قوم نے اپنی سب سے بڑی جو عزت کانگرس کی صدارت آپ کو تفویض کی۔ لیکن بڑھاپے کے جو تباہ کن اثرات شروع ہوئے۔ تو آپ نے کمیونل ایوارڈ کے سوال پر کانگرس کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے "کانگرس نیشنلسٹ پارٹی" کے نام سے ایک نئی جماعت قائم کی اور اس کے صدر بن بیٹھے۔ چند روز بعد فرقہ پرستی کا مراق زیادہ بڑھا تو مسلم لیگ کے مقابلہ پر ہندو مہاسبھا کو ناکافی سمجھتے ہوئے "آل انڈیا ہندو لیگ" کے نام سے ایک نئی جماعت بنا ڈالی اور ہندوؤں کے حقوق ومفاد کی حفاظت کے واحد اجارہ دار بن کر ملک میں ویدک دھرم اور ویدک کلچر کا ڈنکا بجانا شروع کیا۔ اب خبر تھی کہ آپ آل انڈیا ہندو لیگ کو بھی توڑ کر ایک نئی "نیشنل" لیگ بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن ایک مرتبہ پھر صاحب نے جو زور باندھا تو آپ مجوزہ نیشنل لیگ کے راستہ سے کترا کر حکومت کے ایوان عدل میں داخل ہو گئے۔ اور وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بن کر انتہا پسندی کے بعد قوم پرستی۔ قوم پرستی کے بعد اعتدال پسندی۔ اعتدال پسندی کے بعد فرقہ پرستی اور فرقہ پرستی کے بعد حکومت پرستی کی رجعت قہقری کا مظاہرہ فرما رہے ہیں۔

ہم حیران ہیں۔ کہ جو لوگ اپنے ضمیر کے ساتھ انصاف نہ کر سکتے ہوں وہ دوسروں کے ساتھ انصاف کیا خاک کریں گے۔

ایران جنگ کے دروازہ پر

روس اور برطانیہ نے ایران کو پُرزور الفاظ میں متنبہ کیا ہے کہ اس کے ملک میں جرمن جاسوس سیاحوں اور سوداگروں کے بھیس میں اب تک ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو چکے ہیں اور ان کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ برطانوی وزیر خارجہ مسٹر ایڈن نے پارلیمنٹ میں بھی نہ صرف ایران بلکہ دنیائے مشرق کے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہایت صفائی سے یہ حقیقت ظاہر کر دی ہے۔ موجودہ افسوسناک حالات میں جبکہ حکومت ایران اس نازی فتنہ کا سر کچلنے کے لئے تیار نہیں۔ بی۔بی۔سی کے یہ الفاظ بڑی حد تک صحیح ہیں کہ جنگ ایران کی سرحدوں تک بڑھ رہی ہے جرمنی کو یوکرین میں فتح ہو یا شکست۔ ہمیں اس وقت ایرانی آزادی کے لئے شدید خطرہ نظر آ رہا ہے۔ فتح کی صورت میں جرمنی قدرتی طور پر بغیر کسی مزید کوشش کے ایرانی حدود تک پہنچ جائیگا۔ اور اگر اسے یوکرین میں شکست ہو جائے تب بھی روسی محاذ جنگ پر شکست کا داغ اپنی پیشانی سے مٹانے کے لئے جرمنی کو سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ کہ ٹرکی کو اپنے دام میں پھانس کر یا کچل کر ایران تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ ایران میں ایک تو پٹرول کے عظیم الشان ذخائر ہیں۔ اور دوسرے وہ ایران میں بیٹھ کر برطانیہ کو ہندوستان کے متعلق مبتلائے تشویش کر سکتا ہے۔

ایسی حالت میں جبکہ ایران کو اس کے دو عظیم الشان ہمسایہ ممالک نے بروقت خطرہ سے متنبہ کر دیا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ گربہ کشتن روز اول کے اصول پر اپنے ملک میں ہونے والی نازی سرگرمیوں کو روکے ورنہ اس بات کی گارنٹی کیا ہے کہ ایسی قوتیں مزید اضافہ کے بعد بھی نازی ایجنٹ جو آج سوداگروں اور سیاحوں کے بھیس میں ہیں کل بولیویا کی طرح ایران میں بھی انقلاب حکومت کی کوشش نہ کریں گے۔

ویر بھارت کی ضمانت واپس کی جائے

ایران میں جرمن ریشہ دوانیوں کی اطلاعات کئی ماہ سے اخبارات میں آ رہی ہیں۔ تقریباً دو مہینے ہوئے لندن کے مشہور اخبار "ڈیلی ایکسپریس" نے صاف الفاظ میں لکھ دیا تھا۔ کہ ایران میں جرمن ایجنٹوں کی تعداد پچیس ہزار تک پہنچ چکی ہے۔ یہی خبر ہمارے معاصر "ویر بھارت" نے بالکل نیک نیتی کے ساتھ اپنے صفحات پر شائع کر دی اور اس سے نامعلوم مصلحتوں کی بنا پر تین ہزار روپیہ کی ضمانت طلب کر لی گئی۔ اب ایسی حالت میں جبکہ روس اور برطانیہ کی حکومتوں نے ایران کو باضابطہ طور پر جرمن خطرہ سے بروقت متنبہ کرتے ہوئے اسے صاف الفاظ میں بتایا ہے۔ کہ وہاں جرمن ایجنٹ ہزاروں کی تعداد میں داخل ہو چکے ہیں مسٹر ایڈن نے پارلیمنٹ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اور بی۔بی۔سی نے بالکل غیر مبہم الفاظ میں بتا دیا ہے کہ حکومت ایران کی سہل انگاری سے جنگ کے شعلے اس کی سرحد کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ ہمارے خیال میں تقاضائے انصاف یہی ہے۔ کہ معاصر "ویر بھارت" کی ضمانت اب بغیر کسی تاخیر کے واپس کر دی جائے۔

کیا آپ فوٹوگرافر ہیں؟

اچھوت طالبِ علم

ایک لڑکا سر بسر تصویرِ یاس
نہر پر بیٹھا تھا اک جھاڑی کے پاس

مدرسے سے پڑھ کے آیا تھا اُدھر
ملگجی بستہ دھرا تھا خاک پر

دو کتابیں ایک تختی اک دوات
ہائے اس مفلس کی تشنہ کائنات

سر سے پا تک حُزن میں ڈھالا ہوا
مفلسی کی گود کا پالا ہوا

کمسنی کے دوش پر حرماں کا بار
غنچۂ نورس خزاں کا شاہکار

فطرتِ آزاد اور زنجیرِ غم
موجِ رقصاں اور گردابِ الم

ٹوں کی لپٹیں اور انفاسِ شمیم
جوہرِ سیماب اور سوزِ جحیم

نرم پودا اور زمینِ سنگلاخ
تیشہہائے تیز اور کمزور شاخ

روئے شادی اور غم چھایا ہوا
عید کا چاند اور گہنایا ہوا

عیشِ مطلق جوگیانہ روپ میں
رُوحِ شبنم چلچلاتی دھوپ میں

دیکھکر اس کو پریشاں مضمحل
تلملا اٹھا مرے سینے میں دل

بڑھ کے پوچھا اس جگہ رکھا ہے کیا
آ رہی ہے رات جا بس گھر کو جا

میری پُرسش سے ہوا باطل سکوت
سہم کر کہنے لگا کمسن "اچھوت"

بھاگ کر آیا تھا پڑھنے گاؤں سے
اس لئے ڈرتا ہوں گھر جاتے ہوئے

میرا اٹھا کر دیکھ پائے گا اگر
چوس لے گا خون کچل ڈالے گا سر

حکم ہے اس کا کہ یہ طفلِ غلام
لکھنے پڑھنے کا کبھی لے گا جو نام

کشتِ سرتابی جلا دی جائے گی
وہم سے بالا سزا دی جائے گی

مُجز اجل ہوگا نہ کوئی بھی معین
پھونک کر گھر ضبط کر لوں گا زمین

اتنی جرأت ذرّۂ پامال کی
ہمسری کرتا ہے میرے لال کی

ہائے کیا سُنئے گا میری داستاں
پھُنک رہا ہے قلب اُٹھتا ہے دھواں

چاہتا ہوں چھوڑ دوں پڑھنا مگر
بس نہیں چلتا و فورِ شوق پر

گو سزا اس جُرم کی پاتا ہوں میں
چھپ چھپا کر مدرسے جاتا ہوں میں

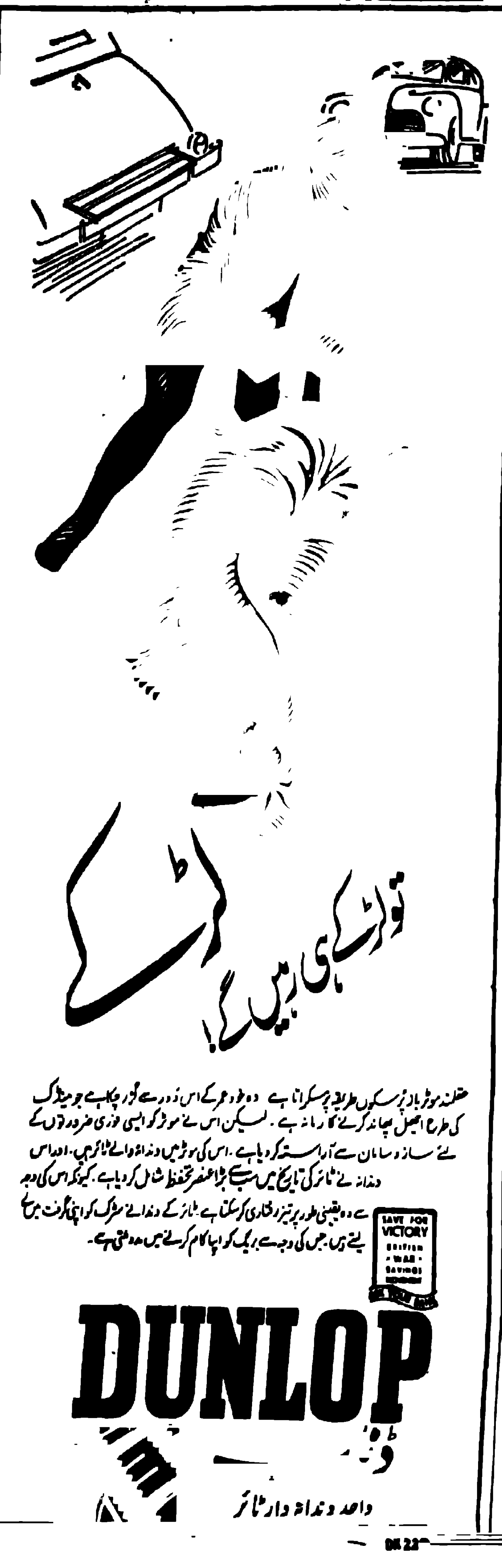
روکتی ہے بدظنی رستہ مرا
چھن چکا ہے بارہا بستہ مرا

میری اس طفلانہ ضد سے چند بار
میرے بڈھے باپ نے کھائی ہے مار

کہہ رہا تھا وہ یہ غمگیں داستاں
کوندتی تھیں میرے سر میں بجلیاں

آہ یہ ہندوستاں کا حال ہے
اپنی ہی ٹھوکر سے خود پامال ہے

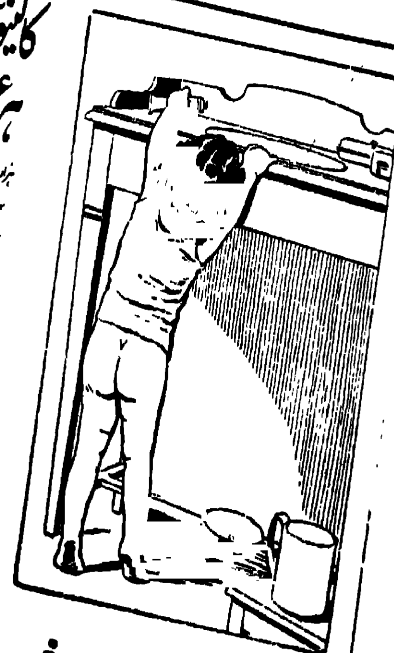
(جناب کیفی اعظمی)



DK 22

KOLYNOS کالینوس

ہر عمر میں محافظ ثابت ہوتا ہے





KOLYNOS
the economical
DENTAL CREAM





Daggett & Ramsdell Perfect Vanishing Cream

Daggett & Ramsdell Perfect Cold Cream.

ڈیگٹ اینڈ رامزڈل بیوٹی کریمز اور لوشن



Good Whisky–

JOHNNIE W.LKER

BORN 1820—
STILL GOING STRONG

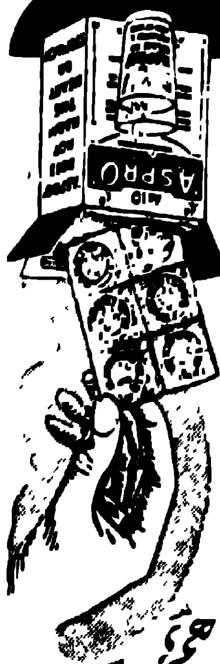
Sole Agents for India and Ceylon: CUTLER PALMER & CO
BOMBAY · CALCUTTA · COLOMBO · LAHORE · MADRAS

امپائر ہوٹل اجمیر

جب آپ اجمیر تشریف لائیں تو امپائر ہوٹل کو ضرور یاد رکھیں۔ جہاں آپ گھر کا سا آرام محسوس کریں گے۔ لذیذ کھانے اور آرام دہ سامان اس کا طرۂ امتیاز ہیں۔ ایک بار کا قیام آپ کو ہمیشہ اسی ہوٹل میں ٹھہرنے پر مجبور کریگا۔

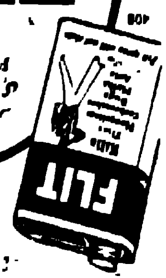
(منیجر)

BEWARE OF IMMITATION
BUY ADVERTISED GOODS.









FLIT



حکایت و افسانہ

کہانی

(از سید قاسم علی)

جگدیش اس وقت سٹیشن پر پہنچا جب گاڑی چھوٹنے والی تھی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جھٹ سے اسباب سیکنڈ کلاس کے ایک ڈبہ میں پھینکوا کر قلی کو پیسے دینے لگا۔ ابھی دروازے ہی پر کھڑا تھا کہ اندر سے آواز آئی۔ "یہ زنانہ ڈبہ ہے"

جگدیش نے گھوم کر دیکھا۔ ایک دوشیزہ برابر والی نشست پر بیٹھی کتاب بینی میں مصروف تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا: "واقعی جلدی میں مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اگلے سٹیشن پر دوسرے ڈبے میں چلا جاؤں گا۔ اس وقت مجبور ہوں"

وہ چپ رہی۔ جگدیش نے سامان درست کر کے ایک سگریٹ سلگایا۔ اور کھڑکی کی طرف منہ کر کے دھوئیں کا ایک بادل چھوڑ دیا۔ اس کے بعد وہ ڈبہ کا جائزہ لینے لگا۔ اس میں اس کے اور اس دوشیزہ کے سوائے اور کوئی نہ تھا۔ دوشیزہ کے ہاتھ میں جو کتاب تھی اس پر نظر پڑی۔ جگدیش حیران رہ گیا۔ یہ تو اسی کی لکھی ہوئی کہانیوں کا مجموعہ تھا "بہارستان" اس خیال سے وہ بہت خوش ہوا کہ اس کی چیز اب عورتوں کے ہاتھوں میں بھی پہنچ گئی ہے ——— اتنے میں کتاب ہاتھ سے رکھکر وہ دوشیزہ کچھ سوچنے لگی۔

جگدیش نے کہا: "اگر اجازت ہو تو یہ کتاب ذرا دیکھ لوں"

وہ بولی: "اگر آپ کو کہانیاں پڑھنے کا شوق ہو تو بخوشی دیکھئے۔"

"آپ کو کہانیاں بہت پسند ہیں کیا؟"

"جی ہاں۔ کہانیاں میری زندگی ہیں"

جگدیش نے کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہا "مصنف کوئی نیا آدمی معلوم ہوتا ہے"

"ٹھیک ہے" وہ لڑکی بولی: "لیکن کہنہ مشق لکھتا خوب ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس کا شمار مشاہیر افسانہ نگاروں میں ہونے لگے گا۔"

جگدیش نے نظر بھر کر اس دوشیزہ کی طرف دیکھا۔ اسے ایسا معلوم ہوا گویا چاند بادلوں سے نکل رہا ہے۔ وہ پھر کتاب دیکھنے لگا۔ ایک صفحہ پر اندر کی طرف کتاب کی مالکہ کا نام اور پتہ لکھا تھا۔ جگدیش نے اسے خوب اچھی طرح حفظ کر لیا۔ جب اگلا سٹیشن قریب آ گیا اور گاڑی کی رفتار سست ہو گئی تو اس نے دوشیزہ کا شکریہ ادا کیا۔ کتاب اسے واپس کر دی۔ اور باہر کی طرف جھانکنے لگا۔

"کون کہانی پڑھی آپ نے؟" دوشیزہ نے پوچھا

"جی ہاں۔ پہلی کہانی پڑھی ہے"

"بہت اچھی ہے!"

جگدیش نے لاپروائی سے جواب دیا: "جی ہاں۔ کچھ بری نہیں ہے۔"

"کچھ بری نہیں۔ اس کے کیا معنی! اس سے اچھی کہانی اور کیا ہو گی؟ ہمارے ملک میں بہت کم لوگ اچھی بری کہانی کو پرکھ سکتے ہیں"

"خیر۔ اب بحث کا موقعہ نہیں" جگدیش بولا۔

اب گاڑی رک چکی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا جگدیش کی آنکھوں میں مسکراہٹ تھی اور رجنی کی آنکھوں میں خفگی۔ جگدیش نے قلی کو سامان اٹھوایا۔ اور اس ڈبے سے اتر گیا۔

(۲)

جگدیش دولت مند تھا۔ اور اہل دول سر پر عشق کا بھوت آناً فاناً سوار ہو جاتا ہے۔ جب سے اس نے رجنی کو دیکھا اس وقت سے اپنے آپ کو بھول گیا تھا۔ دیوانہ سا بنا رہتا۔ ہر وقت یہی سوچتا رہتا کہ زندگی کی کہانی کیسے شروع کرے۔ یکایک ایک پلاٹ اس کے ذہن میں آ گیا۔

رائے بہادر رامچند۔ لاہور کے مشہور رئیس خاندان کے فرد تھے۔ رجنی ان ہی کی لڑکی تھی۔ بی۔ اے میں تعلیم پاتی تھی۔ ایک تو کالج کی طالبہ۔ دوسرے ماں باپ کی لاڈلی۔ اسکی آزادی پر کبھی کوئی پابندیاں عائد نہ کی گئی تھیں۔ کچھ دنوں سے ان کے پڑوس میں ایک نوجوان آکر ٹھہرا تھا۔ ملنسار اور ہنس مکھ۔ اس پر لطف یہ کہ تعلیم یافتہ بھی۔ رہنا سہنا بالکل رئیسانہ تھا۔ شکل و صورت بھی دل کش تھی۔

ایک نہایت خوب صورت چھوٹی سی تختی اس کی کوٹھی کے پھاٹک پر آویزاں تھی جس پر لکھا تھا "واسدیو ایم۔ اے"

واسدیو کو رائے بہادر کے کنبے سے لگاؤ سا ہو گیا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ ان لوگوں سے ایسا گھل مل گیا۔ جیسے گھر ہی کا آدمی ہو۔ ایک دن واسدیو اور رجنی اکیلے سینما دیکھ کر باہر نکلے۔ اندھیرا ہو رہا تھا۔ واسدیو نے کہا "رجنی! آج پیدل ہی گھر چلیں گے۔ دو میل کی سیر ہی سہی"

"کیوں؟"

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے"

رجنی نے منہ بنا کر کہا: "اندھیرا بہت ہو گیا ہے"

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کیا مجھ پر بھی بھروسہ نہیں؟"

رجنی نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا: "کیوں نہیں۔ چلو۔ جیسے تمہاری خوشی۔"

کچھ دور جا کر رجنی نے کہا: "کیا بات ہے؟ آپ خاموش کیوں ہو گئے؟"

"رجنی۔ کیا میں اتنا خوش نصیب ہو سکتا ہوں ——" کہتے کہتے واسدیو رک گیا۔

"کتنا ———؟"

"جتنا اس تصویر کا ہیرو تھا؟"

"صاف صاف کہئے۔ آپ کا مطلب کیا ہے؟"

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم مجھے قبول کرو گی۔ میں ہمیشہ تمہیں خوش رکھوں گا۔ میری قسمت کا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

"آپ اپنا اعتماد کھو رہے ہیں۔"

"رجنی۔ میری طرف دیکھو۔ میں تمہیں پیار کرتا ہوں۔ میرے جذبات محبت کی توہین نہ کرنا۔ ایشور کی قسم۔ تم مجھے بہت عزیز ہو"

"آپ سچ پوچھتے ہیں تو سنئے۔ مجھے بھی آپ سے لگاؤ ہے اگر یہی سوال آپ نے دو دن پیشتر کیا ہوتا تو میں فوراً ہاں کہہ دیتی۔ لیکن اب"

"ان دو دنوں میں مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہے کیا؟"

"کوئی نہیں۔ لیکن لدھیانہ سے ایک پیغام آیا ہے جس نے مجھے ——— وہ ایک مشہور ادیب ہیں اور مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مجھے علم و ادب سے کتنی دلچسپی ہے۔ دلچسپی نہیں عشق ہے۔ میں ادب اور ادیب ہی کو اپنی زندگی کا سرمایہ بنانا پسند کرتی ہوں"

"کیا میں اس خوش نصیب کا نام دریافت کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں؟"

"جگدیش۔ میں انہیں اپنے وقت کا بہترین افسانہ نگار سمجھتی ہوں۔"

"آپ انہیں پہلے سے جانتی ہیں؟"

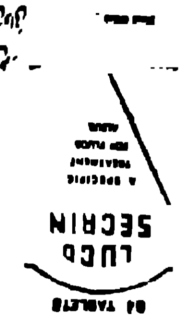
"جی نہیں"

"آپ جیسی پڑھی لکھی آزاد خیال لڑکی بغیر دیکھے سنے کس طرح شادی کر سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ شکل و صورت کے اچھے نہ ہوں۔ چال چلن بھی عام لوگوں کا سا ہو یا گھر میں جھاڑ دیپر کی ہو تو ———؟"

"لدھیانہ میں میرے چچا رہتے ہیں۔ ان سب باتوں کے متعلق اطمینان پہلے ہی کر چکی ہوں۔ کل ان ہی کے ہاں جا رہی ہوں۔ وہ بھی وہاں آ جائیں گے۔ کل ہونگی صرف اتنی چھٹی دیدیجئے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں لیکن بزرگوں کا حکم بھی کوئی چیز ہے۔"


PRODUCT




LUCO
SECRIN
20 TABLETS

"بڑا بہادر تھا وہ نوجوان" ۔ سنتری نے کہا۔

"پھر ایک دن جب خوب پانی برس رہا تھا اور وہ اپنے رفقاء میں بیداری کی روح پھونکنے میں مصروف تھا۔ انہیں اس سرزمین کا پیغام دے رہا تھا جہاں انسان انسان کی حفاظت کرتا ہے ۔ قوی ناتواں کو ستاتا نہیں۔ جہاں جور و استبداد کے بجائے آزادی اور امن کا صاف شفاف چشمہ بہتا ہے۔ عین اس وقت طاقت نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا ۔ زنجیریں بج اٹھیں ہتھکڑیوں سے ایک بھیانک موسیقی پیدا ہوئی ۔ اور اسی وقت نوجوان کو قیدی بنا لیا گیا۔"

"بہت بُرا ہوا ۔" سنتری نے کہا: "پھر ——— ؟"

"پھر کیا ——— ؟"

"گھنٹی بجی ۔ چلو چلو ۔ وقت ہو گیا ۔ سپاہی قیدی کو باہر نکالو۔"

کچھ سپاہی قیدی کو ایک طرف لے چلے ۔ قیدی نے آسمان کی طرف دیکھا ۔ سنتری نے پاس آکر آہستہ سے کہا: "کہانی ادھوری رہ گئی ۔ قیدی!"

"بتاتا ہوں چلو!" وہ بولا۔

پھانسی کا تختہ ۔ گلے میں رسی ۔ قیدی کا منہ ڈھانپ دیا گیا ۔ قیدی نے زور سے کہا۔

"پھر کیا ہوا ۔ سنتری! دیکھتے ہو اسے موت کی سزا ملی ۔"

سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے ۔ سنتری نے کانوں سے سنا اور آنکھوں سے دیکھا کہانی مکمل ہو چکی تھی ۔

تاریخ و تمدن

زلزلۂ نیپال!

چھ سات برس پہلے ایک زلزلہ آیا تھا ۔ اب اس کے مفصل کوائف ایک سیاح نے قلمبند کئے ہیں ۔ جن سے نیپال کے تاریخ و تمدن پر کچھ روشنی پڑتی ہے ۔ یہ سیاح لکھتا ہے:

پندرہ جنوری کو میں اپنے باغیچہ میں بیٹھا پھل کھا رہا تھا کہ ایک زبردست جھٹکا لگا ۔ آس پاس کے لوگ چلا اٹھے ۔ تھوڑی دیر میں چاروں طرف تاریکی پھیل گئی ۔ ایسا معلوم ہونے لگا کہ قیامت کا دن آ پہنچا ہے ۔ تین منٹ تک قیامت بپا ہوتی رہی ۔

اس وقت خوش قسمتی سے نو ہزار فوج چھاؤنی میں قواعد کر رہی تھی ۔ جب زلزلہ ختم ہوا تو تمام سپاہی زلزلہ رسیدوں کی امداد کے لئے بھیج دیئے گئے ۔ ان سپاہیوں کے علاوہ مجروحین کی امداد کا کوئی دیگر انتظام نہ تھا ۔

اس مصیبت کے وقت فوج نے قابل تعریف کام کیا تھوڑی دیر میں اس نے ایسے کئی اشخاص ملبے کے نیچے سے نکال لئے جو چند ہی منٹ میں موت کا شکار ہو جاتے ۔ اس کے بعد ان سپاہیوں نے اشیائے خوردنی تقسیم کرنے کا کام اپنے ہاتھ میں لیا کیونکہ سب کچھ زلزلے سے تباہ ہو گیا تھا ۔ سپاہیوں میں جنگ آزمائی کی جو طاقت ہوتی ہے اگر وہ خدمت خلق میں صرف ہو تو ہماری یہ دنیا بہشت بن جائے گی ۔ بہار میں ایسی کسی امداد کے فقدان کے باعث جو نقصان جان ہوا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے ۔

نیپال کا زلزلہ بھی خوفناک تھا ۔ بالخصوص کاٹھمنڈو اور اس کی نواحی بستیوں اور مشرقی نیپال میں تو بہت تباہی ہوئی ۔ کاٹھمنڈو میں بالتعداد آدمی مر گئے ۔ پاٹن میں اس سے بھی زیادہ ۔ بھات گاؤں کی حالت صد درجہ قابل رحم تھی ۔ وہاں کل گیارہ سو آدمی مارے گئے ۔ ان تینوں شہروں کے علاوہ کاٹھمنڈو گھاٹی میں کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی ہیں جن کی آبادی بہت گھنی ہے ان کی پچاس فیصدی آبادی ختم ہو گئی ۔ کاٹھمنڈو میں جہاں ستر فیصدی مکانات برباد ہوئے وہاں ان بستیوں کے ۹۹ فی صدی گھر مسمار ہو گئے ۔ کاٹھمنڈو میں پچیس ہزار گھروں پر زلزلہ کا اثر ہوا ۔ ساڑھے بارہ ہزار مکانات زمین میں دھنس گئے ۔ اکثر و بیشتر سرکاری عمارات کو نقصان پہنچا ۔ سکول کالج ہسپتال ۔ توپخانہ سب تباہ ہو گئے ۔ شاہی عمارتوں میں جنرل کرشن شمشیر جنگ ۔ جنرل رُدر شمشیر جنگ وغیرہ کے محل ۔ دربار گروہ گول بیٹھک وغیرہ مٹی میں مل گئیں۔

مشرقی نیپال کی بھی ایسی ہی حالت ہوئی ۔ وہاں تقریباً چار ہزار آدمی مارے گئے ۔ زلزلے کے روز ماگھ سنکرانتی کا تہوار تھا اس روز نیوار قوم کے لوگ مندروں میں جاکر کھانا کھاتے ہیں ۔ جس وقت زلزلہ آیا وہ کھانا کھا رہے تھے ۔ مندران کے اوپر گرے اور وہ بیچارے سب ملبے کے نیچے دب گئے ۔ لیکن ترائی میں زیادہ نقصان نہ ہوا ۔ وہاں صرف ۱۰۴ موتیں ہوئیں ۔ اور مکان بھی بہت کم گرے ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں جھونپڑیاں بہت زیادہ تھیں ۔

زلزلہ کے وقت نیپال کے مہاراجہ یدھ شمشیر جنگ بہادر وزیر اعظم نیپال کی مغربی مادیس کے جنگلوں میں شکار کھیل رہے تھے ۔ زلزلہ کی خبر ان تک پہنچانے کی سعی کی گئی ۔ پہلے روز تو نیپال گورنمنٹ کا تار و ٹیلیفون تار ٹوٹ جانے کے باعث کام نہ دے سکا ۔ دوسرے روز جب یہ سلسلہ درست ہوا تو معلوم ہوا کہ رکسول تک اس طرف کا تار خراب ہے ۔ اس وقت نیپال میں ہوائی جہاز یا ریڈیو کے ذریعہ خبریں پہنچانے کا کوئی ذریعہ نہ تھا ۔ چنانچہ مہاراجہ کو پندرہ روز سے پیشتر زلزلہ کی خبر نہ پہنچ سکی ۔

ان کی غیر حاضری میں اس مشکل صورت حالات کی ذمہ داری ان کے بیٹوں اور بھتیجوں پر تھی ۔ جن میں موجودہ وزیر اعظم رانا پدم شمشیر جنگ بھی شامل تھے ۔ انہوں نے لوگوں کو تسلی دی اور ان کی رہنمائی اور سرپرستی میں مارواڑی اور نیپالی رضاکاروں کے گروہ منظم کئے گئے ۔ زلزلے کے بعد جیسا ہر طرف خوف و ہراس پھیل رہا تھا ۔ مارواڑیوں نے اپنی طرف سے چاول کی سستی دکانیں کھولیں ملبے کے نیچے سے لاشوں کو نکالنا ۔ قحط زدوں کو خوراک اور کپڑے بہم پہنچانا ۔ مجروحین کو ہسپتال پہنچانا اور دور افتادہ علاقوں میں پنچ کرا دیات تقسیم کرنا ان رضاکاروں کا کام تھا ۔ سکول اور کالج کے لڑکوں کا ایک گروہ بھی کام کرنے لگا ۔ ان لوگوں کی رہنمائی جنرل برہم شمشیر جنگ کر رہے تھے ۔ اس وقت وہ محکمہ تعلیم کے وزیر تھے ۔ انہوں نے یونیورسٹی کو خط لکھ کر امتحانات میں شامل ہونے والے قحط زدہ طلبا کی کافی امداد کی ۔ اس دن وہ دن بھر گھوڑے پر سوار مختلف مقامات پر گھومتے رہے ۔ نیپال میں خدمت خلق کا اتنا شاندار کام اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا ۔ وزیر اعظم کی واپسی پر ایک "دفتر زلزلہ" قائم کیا گیا ۔

بیرونی امداد شکریہ کے ساتھ نامنظور کر دی گئی ۔ رضاکاروں کے گروہ بھی توڑ دیئے گئے ۔ کیونکہ وزیر اعظم کی خواہش تھی کہ حکومت خود ہی یہ تمام کام انجام دے ۔

قحط زدوں کی امداد کے لئے پونے گیارہ لاکھ روپیہ فراہم ہوا جس میں تین چوتھائی سے بھی زیادہ رانا خاندان نے اپنے پاس سے دیا ۔

نیپال میں سارے کام حکومت کرتی ہے ۔ وہاں کوئی غیر سرکاری جماعتیں یا انسٹی ٹیوشن موجود نہیں ۔

اس زلزلہ میں بہت سے پرانے تاریخی مندر اور دربار تباہ ہو گئے ۔ اور یہ ایک ایسا نقصان تھا جس کی تلافی کبھی نہ ہو سکے گی ۔ ان یادگاروں میں سے راجہ پرتاپ مل (۱۶۴۹ء) کا مینار اور ان کا بُت ۔ اور راجہ مہندر مل (۱۵۶۰ء) کا مندر کاٹھمنڈو میں تھے ۔

پاٹن کا "مہابودھ دیول" جو ۱۵۵۲ء میں تعمیر ہوا تھا اور جس کی شکل بدھ گیا کے مندر جیسی تھی ۔ بالکل تباہ ہو گیا بھات گاؤں کا شاہی محل (۱۶۹۶ء) اور سترہویں صدی کے کرشن دیول اور شو مندر بھی محفوظ نہ رہ سکے ۔

یہ امر موجب اطمینان ہے کہ پشوپتی ناتھ کے مندر کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ یہ مندر کاٹھمنڈو سے دو میل مشرق کی طرف واقع ہے جہاں ہر سال ہزاروں یاتری آتے ہیں۔ یہ مندر ایک بہت پرانا ہے۔ اور ہندوستان بھر سے یاتری یہاں پہنچتے ہیں۔ اس وقت مسافروں کو پروانہ راہداری حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ مندر باگمتی ندی کے کنارے واقع ہے۔ یہ وہی ندی ہے جو مظفرپور وغیرہ اضلاع کو سیراب کرتی ہے۔ اس مندر کا احاطہ ایک چوتھائی مربع میل ہے۔ پشوپتی کے مندر سے چند گھنٹے فاصلہ پر جانب مغرب دیوپٹن ہے۔ اشوک اعظم جب نیپال آئے تو اسی جگہ ٹھہرے تھے۔ اور اسی مقام پر انہوں نے اپنی بیٹی چارومتی کا بیاہ نیپال کے راجپوت کیا تھا۔

کاٹھمنڈو کی تعمیر بہت تیزی سے ہوئی۔ چھ برس پہلے جہاں مٹی۔ لکڑی اور پتھروں کے ڈھیر دکھائی دیتے تھے وہاں اب لمبی چوڑی سڑکیں بل کھاتی ہوئی گزرتی ہیں ان سڑکوں پر مکان بھی کلکتہ کی وضع کے بنائے گئے ہیں کاٹھمنڈو دو ہزار برس پرانا شہر ہے۔ ہندوستان میں اتنے پرانے شہر بہت کم ہیں۔

کاٹھمنڈو کے اتنے برس تک قائم رہنے کی وجہ ہزارہ قوم کی قدامت پسندی ہے جو ان لوگوں کو اپنے شہر اور تہذیب سے جدا نہیں ہونے دیتی۔

کاٹھمنڈو سے پاٹن صرف دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس لئے اسے دارالخلافہ کا ایک محلہ کہہ سکتے ہیں پاٹن کا چوک بہت خوبصورت ہے جس کے چاروں طرف دربار ہال اور کرشن مندر ہیں ان مندروں کو زلزلے سے نقصان نہیں پہنچا۔ پاٹن کی چوڑی سڑکیں اور اونچی عمارتیں اگرچہ بہت قدیم ہیں تاہم جدید وضع کی عمارات سے ملتی جلتی ہیں۔ پاٹن کے چاروں طرف اشوک مینار ہیں۔ اشوک اپنی آخری عمر میں نیپال گئے تھے۔

کاٹھمنڈو سے بھات گاؤں آٹھ میل جانب مشرق ہے یہاں موٹر جاتی ہے۔ رشی دتاتریہ کے مندر کی زیارت کیلئے ہزاروں ناظرین بھات گاؤں جاتے ہیں نیوار قوم کے نیاٹ پول نامی دیوتا کا [illegible] بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

نیپال میں مذہبی خیالات کا زور ہے۔ مغربی تہذیب کا اثر بہت کم ہے اور انگریزی تعلیم پا کر بھی لوگ اپنی پرانی تہذیب کو نہیں بھول سکے۔

کیا ہندوستان کا کسان خوشحال ہے؟

وقتاً فوقتاً ہمارے حکمراں یہ کہتے رہتے ہیں کہ ہندوستان شاہراہ ترقی پر گامزن ہے۔ سنٹرل اسمبلی کے ایک اجلاس میں ۔ جیمز گرگ نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ حکومت انگریزی کی بدولت کسان کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا ہے اور لوگ قحط کا نام بھول چکے ہیں۔ موجودہ وائسرائے لارڈ لنلتھگو کے زیر نگرانی جو زرعی کمیشن ہندوستان آیا تھا اس نے بھی اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ ہندوستان کی زرعی ترقی کے لئے موجودہ حکومت نے جس قدر کام کیا ہے اتنا اس کے کسی پیشرو نے نہیں کیا تھا۔ آبپاشی کے بہتر انتظامات اور آمدورفت کے آسان ذرائع کی بدولت لفظ قحط کے معانی بدل چکے ہیں اور زرعی پیداوار میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ آبپاشی سے جس قدر فائدہ پنجاب کو ہوا ہے اتنا کسی دوسرے صوبہ کو نہیں۔ اس صوبہ میں نہروں کا جال بچھا ہوا ہے۔ رقبہ بہت ایک ہے اور اس کا پنجاب کی اقتصادی زندگی پر گہرا اثر پڑا ہے۔ پنجاب میں زیادہ تر زمین کو پانی نہروں ہی سے ملتا ہے سارے برطانوی ہند میں ۲۷-۱۹۲۲ء۔ پانچ سالوں میں دو کروڑ چھپن لاکھ ایکڑ زمین میں آبپاشی ہوئی۔ اس رقبہ میں ایک کروڑ چار لاکھ ایکڑ زمین پنجاب کی تھی۔ نتیجہ کے طور پر نہری آبپاشی سے ہندوستان کی کل پیداوار کی مالیت میں ایک ارب پچاس کروڑ اور پنجاب میں ۵۷ کروڑ روپیہ کا اضافہ ہوا۔ چنانچہ نہری زمین پنجاب ہی میں بڑھ رہی ہے۔ ۱۹۰۶ء میں اس کا رقبہ ساٹھ لاکھ ایکڑ تھا جو ۲۷-۱۹۲۶ء میں پنجاب کی کل زیر کاشت زمین تین کروڑ ایکڑ تھی۔ نہر سے سیراب ہونے والی زمین میں ۵۹ کروڑ روپیہ اور بارانی زمین کو ۴۲ کروڑ روپیہ کا اناج پیدا ہوا۔

زرعی ترقی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اچھے بیج استعمال کئے جا رہے ہیں۔ گورنمنٹ نے بھی مالیہ میں تخفیف کر دی ہے۔ ۱۸۵۵ء سے پہلے بیج وغیرہ کا خرچ نکالنے کے بعد وہ آمدنی کا نصف خود لے لیتی تھی۔ ۱۹۲۱ء میں ایک قانون بنا جس کے مطابق کسان کی آمدنی کا پندرہ فیصدی سے زیادہ لینے کی مخالفت کر دی گئی۔ اس وقت مالیہ پیداوار کا ۱۵ فیصدی بیٹھتا ہے۔ کیا ہندوستان کے کسی سابق حکمراں نے اس سے کم شرح پر مالیہ وصول کیا ہے؟

منوسمرتی میں لکھا ہے کہ راجہ پیداوار کا آٹھواں نواں یا بارہواں حصہ وصول کر سکتا ہے۔ البتہ اگر مصیبت کے وقت چوتھا حصہ بھی لے لے تو چنداں حرج نہیں جلال فقہا بھی بادشاہ کو چوتھا حصہ لینے کی اجازت دیتا ہے۔ علاؤالدین خلجی کسانوں کی آدھی فصل لے لیا کرتا تھا۔ اکبر جیسا فراخدل حکمران بھی ایک تہائی سے کم نہ لیتا تھا۔

مغل شہنشاہ اتنا زیادہ مالیہ کیوں لیتے تھے؟ اس سوال کا جواب مورلینڈ نے یہ کہہ کر دیا ہے کہ وہ انسان کے بھیس میں حیوان تھے۔ مورلینڈ پر اعتبار کیا جائے تو اس ملک کے تمام پہلے حکمرانوں کو ظالم اور غاصب تسلیم کرنا پڑے گا۔ لیکن انگریز مورخوں کی گالیاں سننے کے بعد بھی ہمیں یہ بھولنا نہیں چاہیئے کہ اس زمانہ میں صرف مالیہ زمین حکومت کا ذریعہ آمدنی تھا انکم ٹیکس۔ چونگی اور بحری ڈیوٹی وغیرہ مختلف محاصل وصول نہیں کئے جاتے تھے۔ مالیہ وصول کرنے والے افسر بھی کسانوں پر سختی نہیں کرتے تھے۔ اولڈہم نے ضلع غازی پور کے گزیٹیئر نامی کتاب میں لکھا ہے کہ:۔

"عامل کسانوں کا دوست ہوتا تھا۔ ضرورت پڑنے پر وہ کسانوں کو پیشگی روپیہ دیتا اور بعد ازاں قسط وار کرکے وصول کرتا رہتا جب کبھی فصل کو نقصان پہنچتا تو وہ نقصان کا تخمینہ لکھ کر حکام بالا کو بھیج دیتا تھا۔ عام طور پر مالگزاری فصل کا موسم ختم ہونے کے بعد وصول کی جاتی تھی۔"

سب سے بڑی بات یہ کہ اس وقت بادشاہ اور کسان کے درمیان کوئی تیسرا شخص ایجنٹ یا زمیندار کی حیثیت میں حائل نہ تھا۔ اور زمین کا مالک زمیندار نہیں بلکہ کسان تھا۔ آج آبادی کی اکثریت کا گزارہ کھیتی پر ہے۔ لیکن اس وقت بہت کم لوگ کاشت کرتے تھے اور کاشت صرف اچھی زمین میں ہی کی جاتی تھی۔

آج کسانوں کے پاس زمین بھی بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ پنجاب کے ۶۰ فیصدی کسانوں کی زمین کی اوسط کس پانچ پانچ ایکڑ سے زیادہ نہیں۔ بمبئی میں حالت اس سے بھی زیادہ خراب ہے۔ باپ کے بعد زمین اس کے بیٹوں کے درمیان تقسیم ہونے کے قانون نے ملک میں بہت چھوٹے چھوٹے فاقہ کش اور مفلوک الحال کسان پیدا کر دئے ہیں ڈاکٹر مین کے قول کے مطابق ۱۷۷۱ء میں ضلع پونا میں اوسطاً ہر کسان کے پاس ۴۰ ایکڑ زمین تھی۔ آج یہ اوسط ۷ء۶ ایکڑ سے بھی کم ہے۔

چونکہ مغلوں کے عہد میں کسان کے پاس زمین کافی تھی اس لئے وہ خوشحال تھا۔ آج اس کے پاس دو بیگہ کی زمین بھی نہیں اس لئے وہ بھوکوں مر رہا ہے۔ اس کیلئے اکبر کو اپنی پیداوار کا ایک تہائی دینا مشکل نہ تھا لیکن آج ۱۵ پندرہ فیصدی ادا کرنا بھی وبال جان ہو رہا ہے۔

پنجاب میں لائلپور کا کسان سب سے زیادہ خوشحال سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس ضلع میں بھی اکثر و بیشتر زمیندار بٹائی پر دوسروں سے کھیتی کرتے ہیں۔ الغرض کسان وہاں بھی زمین سے محروم ہے۔ اگر اس کسان کی آمدنی کا مقابلہ عہد اکبری کے دہقان کی اقتصادی حالت سے کیا جائے تو یہ اندازہ ہو سکے گا کہ موجودہ زمانہ کا کسان اپنے بزرگوں کی نسبت زیادہ خوشحال ہے یا غریب تر۔

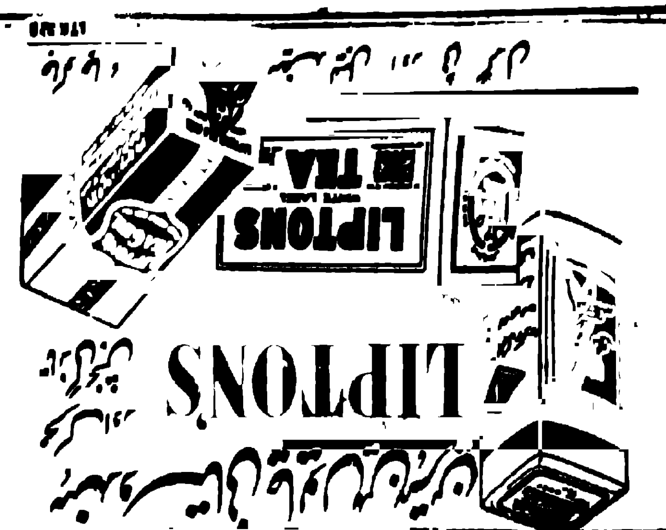
لائلپور میں بٹائی پر زمین جوتنے والا کسان

زیر کاشت نہری زمین	۱۰ ایکڑ
گیہوں کی پیداوار فی ایکڑ	۱۴ ء ۱۳ من
کل پیداوار	۱۳۲ ء ۳ من
قیمت پانچ روپیہ فی من	۷۳۲ روپیہ

حسب ذیل خرچ زمیندار اور کسان پر برابر برابر تقسیم ہوتا ہے۔


LOOK FOR THESE LABELS

[illegible]



IK 115

[illegible]



[illegible]

مشتکین عالم

ڈاکٹر ہوشوفر

(از فریڈرک سونڈرن)

جرمنی کے ایک ہزار سائنسدانوں کا سرغنہ ڈاکٹر کارل ہوشوفر کیا آپ اسے جانتے ہیں؟ جانیں یاد جانیں لیکن وہ جرمنی کی زور ہے ہٹلر کا بھی استاد۔ اس نے دنیا کی تاریخ کو پلٹ دیا ہے۔ یہ ثابت کر دیا ہے کہ ایک ملک۔ ایک ڈکٹیٹر اور ایک عقیدہ نشر و اشاعت۔ سیاسی سازشوں اور اقتصادی دباؤ سے ایک براعظم کو زیر و بالا کر سکتے ہیں۔

تباہی اور بربادی کا یہ فارمولا اسی شخص کا تیار کردہ ہے وہ بیک وقت فوجی جرنیل بھی ہے۔ ڈاکٹر بھی پروفیسر بھی اور ایک اعلیٰ درجہ کا جاسوس بھی۔ جرمنی میں عام الناس اسے نہیں جانتے۔ لیکن ریش — جرمن پارلیمنٹ کے ارکان اس کی پر اسرار شخصیت اور اس کے سحر انگیز اثر سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اس کے خیالات اس کے نقشے۔ اس کے خلاصے اس کے اعداد و شمار اور اس کی اسکیمیں ہی ابتدا سے ہٹلر کی رہنما رہی ہیں۔

اس کے ایک ہزار سائنسدانوں کی جماعت ہٹلر کی فتح کا آلہ اور سائنٹفک اسکیموں کی ایک مشین ہے — ایسی خوفناک مشین جو اس سے پہلے کسی فاتح نے استعمال نہیں کی اس مشین کے پُرزے ہیں ہملر کی گسٹاپو۔ گوئبلز کا پراپیگنڈا پراپیگنڈا کی فوج اور سب سے بڑھ کر ہوشوفر کے سائنسدانوں کا محکمہ۔

ڈاکٹر ہوشوفر اور اس کے آدمی ہٹلر کے دماغ پر حکومت کرتے ہیں۔ اس دلچسپ قسم کی حکومت کا آغاز سترہ برس پہلے ہوا تھا۔ ہوشوفر گزشتہ جنگ میں جرمنی کے مشہور اور بڑے بڑے جرنیلوں میں سے ایک تھا جن دنوں ہٹلر جیل میں تھا۔ ہوشوفر نے اس سے ملاقات کی۔ اس نے بھانپ لیا تھا کہ جرمنی کا یہ ناکام انقلاب پسند ایک تند مزاج ایجی ٹیٹر ہے۔ قید خانے میں ان دونوں کی ملاقاتیں جاری رہیں اور انجام کار یہ سائنسدان سپاہی ہٹلر کو مسحور کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہٹلر نے اسے استاد تسلیم کیا۔ جوں جوں ڈاکٹر ہوشوفر کی اسکیمیں نتیجہ خیز ثابت ہونے لگیں توں توں اس کے لئے ہٹلر کی عقیدت بڑھتی چلی گئی۔

۱۹۳۸ء میں جرمنوں کے فوجی محکمہ کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر نازیوں نے چیکوسلواکیہ پر حملہ کیا تو فرانس دھاوا کرے گا۔ ڈاکٹر ہوشوفر نے کہا کہ فرانس ایسا نہیں کر سکتا نہ کرے گا اس کا خیال درست نکلا۔ ہوشوفر نے کہا کہ پولینڈ اٹھارہ دن کے اندر اندر ختم ہو جائے گا۔ جنرل وان براخش نے کہا کہ مسلح کاروں کے دلدل میں پھنس جانے کا خطرہ ہے ہوشوفر بولا۔ بالکل غلط ہے۔ اتنی جلد بارش ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ چنانچہ بارش آتے آتے رُک گئی۔ ناروے پر حملہ کے متعلق فوجی افسروں کو شکوک تھے۔ جنہیں ہوشوفر ہی نے رفع کیا۔ جب جنگ شروع ہونے والی تھی اس وقت سب سے بڑے جرنیل نے فرانس پر حملہ کرنے کی مخالفت کی۔ ہوشوفر نے کہا۔ فیہرو۔ ان لوگوں کی ہمتوں کے پست ہو جانے تک انتظار کرو۔ افریقہ اور بلقان کی مہمات بھی اسی وقت شروع کی گئیں۔ جب ہوشوفر نے سبز جھنڈی دکھادی۔ اس سے پہلے فوج بالکل تیار تھی لیکن اس نے افریقہ کے صحراؤں کی طرف مارچ کرنے سے اجتناب کیا۔

ڈاکٹر ہوشوفر نازیوں کے جنگی انجن کا ڈرائیور ہے اس بات سے ظاہر ہے کہ نازی ساری دنیا پر غلبہ حاصل کئے بغیر چین نہیں لیں گے۔ اور یہ غلبہ حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بحر الکاہل اور شمال جنوبی حصہ میں بھی اپنا اقتدار قائم کریں ہٹلر کو سلطنت تعمیر کرنا ڈاکٹر ہوشوفر ہی نے سکھایا۔ اس وقت یہ نازی لیڈر میونخ جیل میں قید تھا ہٹلر کی کتاب "مین کمف" کا سولھواں باب جو ہٹلر کی خارجہ پالیسی کا آئینہ دار ہے عملی طور پر ہوشوفر ہی نے لکھوایا تھا۔

۱۹۳۳ء میں جب ہٹلر کو اقتدار حاصل ہوا تو اس نے بے شمار دولت اور لامحدود اختیارات اپنے سیاسی پیر و مرشد کے ہاتھ میں دے دیئے۔ ہوشوفر نے ہٹلر کو یقین دلا دیا کہ اگر جرمنی کو ایک بار پھر عروج حاصل کرنا ہے تو گورنمنٹ کو اپنی اور اپنے حریفوں کی طاقتوں اور کمزوریوں کے متعلق بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی اطلاع ان کے سائنسدانوں کی انجمن "جیو پولیٹیکل انسٹی ٹیوٹ" کو پہنچانی ہو گی۔ اس نے اس بات پر اصرار کیا کہ اس کی جماعت ہر قسم کی اطلاعات حاصل کرنے کی مجاز ہو گی۔ اور اس سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھی جائے گی۔

اس لئے یونیورسٹیوں اور لیبارٹریوں سے بہترین محقق۔ موجد اور سائنسدان اکٹھے کئے۔ یہ لوگ نازیوں کی خفیہ جماعتوں کی ہر اطلاع پر غور کرتے تھے۔ اور ان کی بنا پر ہوشوفر اپنے خفیہ نقشے تیار کرتا تھا۔ ڈاکٹر ہوشوفر کے پاس ہر ملک کی فوجی طاقت کے اعداد و شمار موجود ہیں۔ چین کا قحط۔ ارجنٹائن میں ایک نئی سیاسی پارٹی کا قیام۔ پاناما کے لوگوں کے مذہبی مراسم نیویارک کے کسٹم انسپکٹر کی عادات برطانیہ کے مزدور لیڈر کے خیالات غرضیکہ کوئی موضوع بھی ایسا نہیں جس کے متعلق ہوشوفر کے پاس معلومات کا ایک قابل ذخیرہ موجود نہ ہو۔ اس کے لئے سب خبریں اتنی ہی اہم ہیں جتنی کہ دوسروں کے لئے ساحلی توپیں اور گولہ باری کرنے والے طیارے ان تمام موضوعات پر غور و فکر کرنے کے بعد ہوشوفر سوچتا ہے کہ ہٹلر کو کس ملک میں کس جگہ آگ لگانی چاہئے۔ گوئبلز کے پراپیگنڈے کے لئے کون طریقہ زیادہ موثر ہے اور جن آپ

رازکی باتیں

اُن اصحاب کے لئے جو کثرت اولاد سے پریشان ہیں اور اپنی استریوں کی صحت و زندگی کے لئے بر اپنے آئندہ جب تک ضرورت نہ ہو انہیں زچگی اور ولادت کی تکالیف سے بچانا چاہتے ہیں وہ دہلی کمپنی شاہدرہ دہلی سے مصیبت سے نجات منگالیں قیمت علاوہ محصول ڈاک صرف دو روپیہ۔ مردوں اور عورتوں کے لئے خاص چیز ہے۔ زیادہ تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں۔

خوفناک لوشین۔ یہ لوشین پن کی شکل صورت کی ایک ... ہے۔ آپ کے دوست جب اس لوشین پن قسم کے ... استعمال کر لیں گے تو ان کے ہنسی کے لوٹ ... جائیں گے۔ ... قیمت صرف ... سائنٹفک آلہ جب۔ یہ پستول کی شکل کا ایک خوفناک آلہ ہے ... جو ماہ شگوفہ ... قیمت صرف تین روپیہ محصول ڈاک علاوہ ... اس کے علاوہ اور سائنٹفک ...

منیجر صاحب دہلی کمپنی شاہدرہ دہلی

کی حکمت عملی کا آسان ترین شکار ہو سکتا ہے۔

پانچ مختلف خبر رساں ایجنسیاں ڈاکٹر ہوشوفر کو ہر قسم کی اطلاعات بہم پہنچاتی ہیں۔ اور ان سے متعلقہ تمام نامہ نگاروں کو ہوشوفر کے حسب ہدایت برلن کے ایک سکول میں تربیت دی جاتی ہے۔ ڈاکٹر گوئبلز کے نامعلوم ایجنٹ جو سفری پارٹیوں اور جہازی کمپنیوں وغیرہ میں موجود ہیں۔ غیر ملکی اخبارات کے اقتباسات ہوشوفر کو بھیجتے ہیں۔ اُسے یہ بتانے کے لئے کہ دنیا ہٹلر اور اس کے نازیوں کے متعلق کیا رائے رکھتی ہے۔

انقلابی اور تباہ کن خفیہ کارروائیوں کے لئے ہوشوفر ساری پارٹی کے محکمہ خارجہ پر انحصار رکھتا ہے۔ ساڑھے تین ہزار خفیہ انجمنیں اس کے ماتحت ہیں۔ جن کا جال دنیا بھر میں پھیلا ہوا ہے ان انجمنوں کی بدولت ہوشوفر کو معلوم ہو جاتا ہے کہ کس ملک میں کتنا اور کیا کیا جنگی سامان تیار ہوتا ہے۔ ہوشوفر ایک ملک کے ہر قسم کے حالات کا ایک خاکہ تیار کرتا ہے۔ اور اس کا اختصار اپنی سفارش کے ساتھ ہٹلر کے پاس بھیج دیتا ہے۔ ہٹلر نے آج تک ایک مرتبہ بھی ڈاکٹر ہوشوفر کی سفارش کو نامنظور نہیں کیا۔

ڈاکٹر ہوشوفر کی سکیم یہ تھی کہ روس اور جاپان کو عارضی طور پر جرمنی کا اتحادی بنا لیا جائے ہوشوفر کو اپنے غیر معمولی رسوخ و اقتدار کے باوجود ان جرمنوں کا مقابلہ کرنے میں سخت مشکلات پیش آئیں جو بالشویکوں کے جانی دشمن تھے اور روس کے ساتھ کسی طرح بھی معاہدہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ لیکن اگست ۱۹۳۹ء میں اس نے اپنے جنگی پروگرام کی پہلی منزل طے کر لی۔ سٹالن اور ہٹلر کے مابین معاہدہ پر دستخط ہو گئے گزشتہ ستمبر میں اس نے دوسری کامیابی حاصل کی یعنی جاپان کے ساتھ محوری طاقتوں کا سمجھوتہ۔ اگر اس زمانے کے "زوٹ شرفٹ فور جیو پولیٹک" (ہوشوفر کے خفیہ اخبار) کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں بہت سے ایسے مضامین ملیں گے جن میں بتایا گیا ہے کہ روس اور جاپان اگر جرمنی سے مل جائیں تو انہیں بحر الکاہل کے کون کون سے برطانوی و امریکی مقبوضات بآسانی حاصل ہو سکتے ہیں۔

ہوشوفر لاطینی امریکہ کو انگریزوں کا ایک مضبوط مورچہ تصور کرتا ہے۔ اس لئے وہ اس کی توجہات کا مرکز بن رہا ہے۔ ہوشوفر کے حسب ہدایت پارٹی کے لیڈر اپنا اسلحہ اور افسر برازیل اور ارجنٹائن میں بھیجتے ہیں تاکہ ان سے "تفریحی کیمپوں" کو مدد ملے۔ دراصل یہ تفریحی کیمپ ہی نازیوں کے اڈے ہیں اور ان

SIPRA

سپرا نباتات سے بنا ہوا سنگھار کا صابون



نفاست پسند ترین اصحاب کے انتخاب پر پورا اُترتا ہے بکثرت مقدار میں جھاگ اور خوشبو دیتا ہے اس کے اجزا قطعی خالص اور بدن کو تازگی پہنچانے میں لاثانی ہے۔

نازک ترین جلد کو مضرت نہیں پہنچاتا۔

بنگال کیمیکل۔ کلکتہ۔ بمبئی

BENGAL CHEMICAL
CAI'JUTTA. :: BOMBAY

ہی کے ذریعہ اسلحہ جات بم۔ ریڈیو اور آتشگیر اشیاء تین کے چھتوں۔ ریلوے سٹیشنوں اور جنگی کارخانوں کے نزدیک رکھ دی جاتی ہیں۔ تاکہ وقت ضرورت نقصان پہنچایا جا سکے۔ بہت سے ممالک میں کم از کم ایک ایک اخبار ایسا ضرور ہوتا ہے جس کے منتظم اپنی ہدایات نازی پارٹی یا اس کی خفیہ شاخوں سے حاصل کرتے ہیں۔ یوراگوے میں جہاں نازیوں کی انقلابی سازش پکڑی گئی تھی نہایت عجیب و غریب طریقہ سے کام شروع کیا۔ ہوشوفر کے نمائندوں نے حکومت کے اراکین اور حزب مخالف کے لیڈروں، سر کردہ تاجروں اور متمول لوگوں کو جرمنی کی سیر کرنے کی دعوت دی اور اس طرح انہیں اپنی دوستی کا یقین دلایا۔

چند سال ہوئے برازیل۔ ارجنٹائن اور چلی کے ہوائی محکمہ جات کے وزراء کو ایک ایک بہترین، اور آرام دہ جہاز دیا گیا۔ ان جہازوں میں سوار ہو کر وہ جرمنی پہنچے جہاں انہیں ہوائی جہاز بنانے والے کارخانے دکھائے گئے۔ اس کے ساتھ ہی ان سے یہ کہا گیا کہ وہ اپنے لڑکوں کو ہوا بازی کی تعلیم دلانے کے لئے برلن بھیجیں۔ ارجنٹائن کے ایک ہر دلعزیز سینیٹر (ممبر مجلس آئین سازی) کا جرمنی میں ایسا شاندار استقبال ہوا کہ قیصر ولیم کو بھی نصیب نہ ہوا ہو گا۔ یہ تو سیدھی سادی حکمت عملی تھی۔ لیکن وقت آیا جب ہوشوفر کو غیر ممالک میں غداروں کی تلاش ہوئی جرمن سفیر نے ارجنٹائن کی ہوائی فوج کے دو نوجوان افسروں کو اس غرض کے لئے منتخب کیا۔ انہیں ایک خاص قسم کی پرواز سکھانے کے لئے برلن پہنچایا گیا۔ اور گسٹاپو کے ایجنٹ نے ان سے ملاقات کی۔ پھر شبینہ محفلیں۔ عمدہ شرابیں اور حسین عورتیں — کچھ عرصہ بعد انہیں ایک بڑی رقم (قرض دینے کا انتظام) بھی کر دیا گیا۔ چنانچہ اب ہوشوفر کو یقین ہے کہ شکار اس کے دام سے باہر نہیں نکل سکتا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جنوبی امریکہ میں جرمنوں کی جماعت بندی اس سے کہیں زیادہ مضبوط ہے۔ جتنی کہ فرانس ناروے یا بلقان میں تھی۔ ہوشوفر کا ارادہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ اگر مشرق قریب میں اسے تیل حاصل ہو جائے۔ تو وہ ڈاکر سے لے کر برازیل تک خفیہ اسلحہ کا تانتا باندھ دے اس کی بد قسمتی سے یہ سکیم کامیاب نہ ہوئی۔ لیکن اس نے اس سکیم کو بالکل ترک نہیں کیا۔ کیا عجب ہے کہ روس کی جنگ کے بعد اگر جرمنی زندہ رہا تو جنوبی امریکہ کی بھی باری آ جائے۔



بچوں کی صحت کے لئے غمگین رہنے کی ضرورت نہیں ڈونگرے بال امرت کے استعمال سے بچے طاقتور اور چنگے بنتے ہیں۔ یہ مشہور دوا ہے ◆

دلچسپ

لطائف و ظرائف

فوٹوگرافر:- جناب اگر آپ اپنی بیوی کے کندھے پر ہاتھ رکھ لیں تو تصویر اچھی اترے گی۔
شوہر:- لیکن یہ زیادہ قدرتی ہوگا اگر بیوی کا ہاتھ میری جیب میں ہو۔

دو دیہاتی گندم صاف کرنے کی ایک مشین کو دیکھ رہے تھے ایک بولا " اگر یہ مشین نہ ہوتی تو ہزاروں آدمیوں کو چھاج بھر بھر کر گندم اٹھانا پڑتی"۔
دوسرا بولا:- " ہاں۔ اور اگر چھاج نہ ہوتے تو لاکھوں آدمیوں کو پنکھے استعمال کرنے پڑتے۔"

طالب علم:- سیاسیات میں غدار کس کو کہتے ہیں؟
باپ:- جو ہماری پارٹی کو چھوڑ کر دوسری پارٹی میں چلا جائے وہ غدار ہے۔
طالب علم:- اور اگر وہ اپنی پارٹی سے قطع تعلق کرکے آپ کی پارٹی میں شمولیت اختیار کرلے تو۔
باپ:- پھر اُسے سچائی کا متلاشی کہیں گے۔

" اس شخص کا آپریشن کیوں ہو رہا ہے؟"
" کرکٹ کا گیند نگل لیا ہے اس نے۔"
" اور وہ دوسرا شخص دروازہ میں کھڑا بے صبری سے کس بات کا انتظار کر رہا ہے؟"
" آپریشن کے خاتمہ کا۔ اسی بیچارے کو تو گیند سے محروم ہونا پڑا ہے۔"

ماں (غصہ سے) جانتے ہو۔ اگر بچے جھوٹ بولتے ہیں تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟
بچہ:- ہاں امی جان! وہ نصف کرایہ پر ریل میں سفر کرتے ہیں۔

" کیا تم نے کفایت شعاری کے متعلق میرا مضمون اپنی بیوی کو پڑھ کر سنایا تھا؟"
" ہاں"
" کچھ اثر ہوا؟"
" مجھے تمباکو نوشی ترک کرنا پڑی۔"

مجسٹریٹ:- ہاں تو تم نے چھتری اپنے خاوند کے سر پر مار کر توڑ ڈالی۔ کیا تمہیں اس بارے میں کچھ کہنا ہے؟
عورت:- یہ محض ایک حادثہ تھا۔ حضور!
مجسٹریٹ:- حادثہ کیونکر؟
عورت:- میری نیت چھتری توڑنے کی ہرگز نہ تھی۔

پیدرہ ہوا باز بہشت میں پہنچے۔ رضوان نے پوچھا " تم کون ہو؟"
جرمن ہوا باز" روسیوں نے ہمارے ہوائی جہاز گرائے تھے" انھوں نے جواب دیا۔
رضوان بولا:- " لیکن تم میں سے صرف چار بہشت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ جرمنی کا سرکاری اعلان چار سے زیادہ تعداد کو تسلیم نہیں کرتا۔"

ماں:- منّا کیوں رو رہا ہے کنول!
کنول:- امی جان کچھ بھی نہیں چاہتا بڑا شریر ہے۔
ماں:- کیا مطلب!
کنول:- میں نے اس کے ہاتھ سے سیب لے کر یہ بتانے کے لئے منہ میں ڈال لیا کہ وہ اسے کیونکر کھانا چاہئے بس اتنی سی بات پر بگڑ گیا ہے۔

ایک چھوٹا سا لڑکا لوہار کی دوکان پر کام کر رہا تھا۔ ایک خریدار آیا اور بولا۔" مجھے چوہے پکڑنے کا ایک پنجرہ چاہئے۔"
" بہت اچھا جناب" لڑکا بولا۔
" جلدی کرو" خریدار نے کہا۔" مجھے میرٹھ کی موٹر کو پکڑنا ہے"
لڑکا حیرانی سے بولا:- لیکن جناب۔ معاف فرمائیے ابھی تک موٹر اس پنجرہ میں نہ پکڑی جاسکے گی۔"

ایک خوش پوش عورت ایک اخبار کے دفتر میں گئی اور مینیجر اشتہارات کے پاس جاکر کہنے لگی۔" مجھے ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے۔ جو سردیوں میں انگیٹھی کو گرم رکھ سکے باغیچہ کو پانی دے۔ برتن صاف کرے۔ برآمدہ صاف کرے اور ہر وقت گھر میں رہے۔ نیز ہر سخت کام کرنے کو تیار ہو۔ لیکن وہ اچھی عادات کا مالک ہونا چاہئے۔ صورت شکل اچھی ہو اور عمر تیس سے زیادہ نہ ہو۔۔۔۔"
ابھی اس نے اپنی بات ختم نہ کی تھی کہ مینیجر بول اٹھا:" مس صاحبہ! معاف فرمائیے۔ ہم ضرورت شادی کے اشتہارات نہیں چھاپتے۔"

ایک مغربی جرنیل سپاہیوں کے سامنے تقریر کر رہا تھا۔ اس نے اپنی تقریر کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کیا:-
" بہادروں کی طرح لڑو جب تک تمہارا بارود ختم نہ ہو جائے۔ اس کے بعد بھاگو۔ میں خود چونکہ لنگڑا ہوں اس لئے کچھ قبل از وقت ہی روانہ ہو رہا ہوں۔"

خاوند نے جو ایک کتاب پڑھ رہا تھا، سر اٹھایا اور بولا۔
" علم طب کا ہم پر اتنا بڑا قرضہ ہے کہ ہم اُس سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔"
بیوی نے کہا" توبہ توبہ! کیا ابھی تک تم نے ڈاکٹر کا بل ادا نہیں کیا۔ کیوں؟"

ایک ایثار مجسم مزدور لیڈر نے جب دس ہزار روپے میں ایک عالیشان مکان خریدا تو اخبارات میں اُن کے اس نئے سودے کی خبر بڑی دھوم دھام سے شائع ہوئی۔ دوسرے دن صبح انھوں نے دیکھا کہ ان کے نئے مکان کے دروازے پر کوئی نامعلوم شخص ایک کاغذ چسپاں کر گیا ہے۔ اس پر لکھا تھا
" دس ہزار روپیہ تم نے کہاں سے لیا؟"
لیڈر صاحب بہت غضبناک ہوئے۔ اور انھوں نے اعلان کیا کہ جو شخص یہ کاغذ چسپاں کرنے والے کا پتہ بتادے گا انہیں وہ ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ اگلے روز پھر ایک کاغذ چسپاں دیکھا گیا جس پر لکھا تھا۔
" تم نے گیارہ ہزار روپیہ کہاں سے لیا۔"

اختراع و ایجاد (۱۰۰)

چڑیا بھی میدان جنگ میں

جرمنی کی آبدوز کشتیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے حکومت برطانیہ سائنسدانوں سے امداد لے رہی ہے۔ اس سلسلہ میں بعض نہایت دلچسپ تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ سب سے مزیدار اور عجیب و غریب تجویز یہ ہے۔ کہ آبدوز کا سراغ لگانے کے لئے سمندری چڑیا کو تربیت دی جائے۔ چند چھوٹے چھوٹے آبدوز بنائے جائیں اور وہ سطح آب پر اشیائے خوردنی سے بھرے ہوئے گولے پھینکیں۔ یہ گولے جب پھٹیں گے تو اناج وغیرہ سمندر میں تیرنے لگے گا۔ آہستہ آہستہ سمندری چڑیوں کو یہ عادت ہو جائیگی کہ گولے کا دھماکا سنتے ہی اڑ کر وہاں پہنچ جائیں۔ اس صورت میں شکاری جہازوں کو کسی آبدوز کا سراغ لگانے کے لئے صرف ان چڑیوں کے پیچھے ہی دوڑنا پڑیگا۔

بم میں سانپ

انگلستان کے ایک موجد نے حکومت کے روبرو یہ تجویز پیش کی ہے۔ کہ وہ سانپوں کی مدد سے دشمن پر فتح حاصل کرے۔ تجویز یہ ہے کہ معمولی بم کے بجائے ایسے گولے بنائے جائیں جن میں زہریلے سانپ بھرے جاسکیں۔ یہ گولے منزل مقصود پر پہنچ کر اپنے آپ پھٹ جائینگے اور سانپ باہر آ کر دشمن کے سپاہیوں کو ڈس لیں گے۔ اس طرح دشمن کے آدمیوں کی موت آسان ہو جائیگی۔ تجویز دلچسپ تو ہے۔ لیکن قابل عمل معلوم نظر نہیں آتی۔ نکتہ چینوں کا کہنا ہے کہ سانپوں کو کسی گولے میں بند کرنا مشکل ہوگا۔ اگر اس مشکل پر عبور حاصل کر لیا جائے تب بھی سانپ ہوا کی کمی کے باعث زندہ نہ رہ سکیں گے۔ اگر یہ بھی ممکن ہو تو سب سے بڑی بات یہ ہے کہ گولہ پھٹتے ہی سانپ خود صدمے سے بیہوش ہو جائیں گے۔ اور عین ممکن ہے کہ وہ خود بھی بم کے ٹکڑوں کا شکار ہو جائیں اس حالت میں وہ دشمن کو ڈسیں گے کیونکر؟

ایک دوسری تجویز بھی زیر غور ہے۔ اس سے دشمن کو قتل کرنا مقصود نہیں۔ محرک کا خیال ہے کہ اس پر عمل کرنے سے ایسی مشکلات پر عبور پایا جاسکے گا۔ جس قسم کی مشکلات فن لینڈ میں روسی فوج کو پیش آئی تھیں تجویز یہ ہے۔ کہ گولوں کے اندر کنکر بھر کر ان کی ایک بڑی تعداد کیچڑ اور دلدل میں پھینک دینی چاہئے۔ جب یہ بم پھٹیں گے تو فوج کے لئے اپنے آپ ایک سڑک بن جائے گی۔

مشین گن کو سرد رکھنے کا طریقہ

مشین گن اپنی قسم کا ایک نہایت خطرناک ہتھیار ہے لیکن مسلسل استعمال کے بعد اس کی نالی گرم ہو جاتی ہے اور اس کے پھٹنے کا ڈر رہتا ہے۔ موجد کا دعویٰ ہے کہ اگر اس کی ایجاد کو آزمایا گیا تو بمبار جہازوں کو بہت آسانی ہو جائیگی۔ اور وہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ گولیاں چلا سکیں گے۔

مشین گن کو سرد رکھنے کے لئے ایک جیکٹ ایجاد ہوا ہے جس میں کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس بھر دی جاتی ہے۔ اور یہ جیکٹ مشین گن کی نالی پر باندھ دیا جاتا ہے۔ اس گیس سے خشک برف تیار ہوتی ہے۔ جو مشین گن کی نالی کو سرد بنائے رکھتی ہے۔ اور اس کا متواتر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ جیکٹ اتنا لچکدار ہوتا ہے کہ اسے جب چاہیں بغیر کسی دقت کے نالی سے ہٹا سکتے ہیں۔

کوڑے کرکٹ سے گیس پیدا کی جائیگی

ڈیل کے زراعتی انسٹی ٹیوٹ میں ان دنوں میں ایک نیا تجربہ ہو رہا ہے ماہرین کی کوشش یہ ہے کہ گاؤں کے کوڑے کرکٹ سے ایک ایسی گیس پیدا کی جاسکے۔ جو ایندھن کے طور پر کھانا پکانے۔ پانی گرم کرنے وغیرہ کے لئے استعمال ہو سکے تجربہ کی بنیاد یہ ہے۔ کہ گاؤں بھر کا کوڑا کرکٹ جمع کیا جائے جب اس میں سڑاند پیدا ہو جائے تو اس سے جلنے والی گیس بنائی جائے لیکن اتنی سڑاند نہ ہونی چاہئے۔ کہ فضلہ یا کوڑا کرکٹ بعد ازاں کھاد کے طور پر استعمال نہ ہو سکے۔ گویا ماہرین زراعت جہاں فضلہ سے گیس پیدا کریں گے۔ وہاں یہ بھی خیال رکھیں گے کہ کھاد کے ناقابل نہ ہو جائے۔ اگر یہ تجربہ کامیاب ہو گیا تو کوڑا کرکٹ سے پیدا ہونے والی گیس کی روشنی۔ حرارت اور برقی قوت حاصل کی جائیگی۔ اور دیہات نہایت سستے داموں زمانہ جدید کی آسائشوں سے بہرہ اندوز ہو سکیں گے۔

سیر و سیاحت

کوہ ایورسٹ کی مہم

ہمالیہ کی سب سے بڑی چوٹی ایورسٹ جو دنیا کا بلند ترین مقام ہے تبت اور نیپال کی سرحد پر واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سنہ ۱۸۵۲ء سے پہلے دنیا کو اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ تھا۔

اسی سال کا ذکر ہے کہ غیر ملکی سیاحوں اور محققوں کا ایک گروہ ہندوستان آیا۔ اور پہاڑوں میں گھومنے لگا۔ جن چوٹیوں کے دیسی نام ان لوگوں کو معلوم ہو سکے ان میں انھوں نے کوئی تبدیلی نہ کی۔ لیکن جن کے دیسی نام معلوم نہ ہو سکے ان کے نئے نام رکھے گئے۔ ایسی چوٹیوں میں جن کے ناموں کا انہیں پتہ نہ چلا ایک چوٹی نمبر ۱۵ تھی۔ اس کی بلندی کا اندازہ کیا گیا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر تین برس تک سیاح سر پٹکتے رہے اور مختلف پیمائشوں کی پیمائش کرنے کے بعد انھوں نے قرار دیا کہ اس چوٹی کی بلندی ۲۹۰۰۲ فٹ ہے بعد ازاں ایک انگریز محقق کے نام پر اس کا نام ایورسٹ رکھ دیا گیا۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ انگریزوں کی آمد سے پہلے ہندوستانیوں کو اس چوٹی کا علم نہ تھا۔ یہ خیال غلط ہے پہلے اسے گوری شنکر کہتے تھے جو اب بگڑتے بگڑتے گوری شنکر ہو گیا ہے۔ سنسکرت کے شاعر اعظم کالیداس نے اپنے ایک ڈرامہ میں "گوری شنکر" کا کئی مرتبہ ذکر کیا ہے۔ سنہ ۱۸۵۲ء سے بہت پہلے ایک جرمن سیاح نے لکھا تھا کہ ہمالیہ کی سب سے بڑی چوٹی کو ہندوستان والے گوری شنکر ہی کہتے ہیں ایبیٹ کی اٹلس میں بھی اس چوٹی کا نام گوری شنکر ہی درج تھا۔ ایک جرمن جغرافیہ میں بلند ترین چوٹی کے طور پر گوری شنکر کا ذکر اب بھی موجود ہے اور اس کی بلندی بھی ایورسٹ جتنی بتائی گئی ہے۔

بالفور کی انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ نیپالی زبان میں اس چوٹی کو گوری شنکر کہتے ہیں۔ تبت کی زبان میں اس کا نام "چومو لنگمو" ہے۔ جس کا مطلب ہے "ماں پاربتی"۔ گویا نیپالی اور تبتی زبانوں میں اس نام کے معنی ایک ہی ہیں۔

اس کا نام ایورسٹ ہونے کی وجہ بعض لوگ یہ بتلاتے ہیں کہ جنرل سر جارج ایورسٹ نے اسے دریافت کیا تھا مگر جارج سنہ ۱۸۴۳ء میں ریٹائر ہو کر انگلستان چلا گیا تھا۔ اس وقت تک محکمہ تحقیق کے کاغذات میں ایورسٹ نامی کسی پہاڑ کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور صحیح ہے کہ ایورسٹ پہاڑ کی تحقیق کا کام ان ہی کے زمانہ میں شروع ہوا تھا۔ بعد ازاں اسے ایک ہندوستانی رادھاناتھ نے دریافت کیا۔ اور اس چوٹی کا نام سر جارج ایورسٹ کے نام پر ایورسٹ رکھ دیا گیا۔ سنہ ۱۸۶۵ء میں لندن کی رائل سوسائٹی نے یہ نام منظور کر لیا۔ اس وقت سے انگریزوں کی دیکھا دیکھی ہندوستانی بھی اسے کوہ ایورسٹ ہی کہنے لگے ہیں۔ رادھاناتھ غریب ماں کا بیٹا تھا۔ ۸ برس تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسے کالج چھوڑنا اور محکمہ پیمائش کی ایک ملازمت قبول کرنا پڑی۔ ترقی کرتے کرتے وہ اعلیٰ افسر بن گیا۔ اور چھ سو روپیہ ماہوار حاصل کرنے لگا۔ عرصہ ملازمت کے بیس برسوں میں وہ ہمالیہ کے کوہساروں میں گھومتا رہا اور سنہ ۱۸۷۰ء میں ۵۷ برس کی عمر میں انتقال کر گیا۔

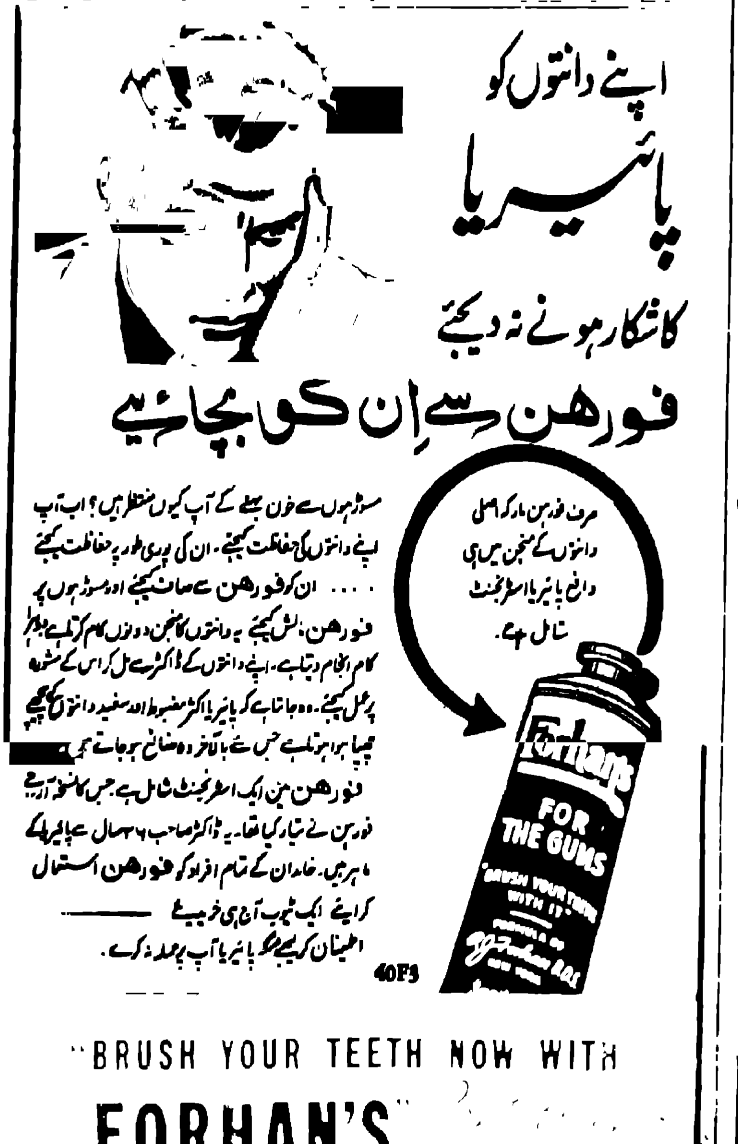
ایورسٹ کی دریافت کے بعد یعنی انیسویں صدی تک آخری بیس برس میں غیر ملکی سیاحوں نے ایورسٹ کو عبور کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ سر فرانسس ینگ ہسبنڈ نے چترال سے ایورسٹ کے راستے ہندوستان آنے کا ارادہ کیا تھا انہیں ضروری آسانیں مہیا نہ ہو سکیں۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۰۳ء تک ایورسٹ پر چڑھنے کی کوئی مہم شروع نہ کی جا سکی۔ جب لارڈ کرزن ہندوستان کے وائسرائے مقرر ہو کر آئے تو انھوں نے سیاحوں کو تبت کی طرف سے کوہ ایورسٹ کو عبور کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن ان کی راہ میں سب سے بڑی مشکل یہ حائل ہوئی کہ تبت میں غیر ملکی باشندوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ اٹھارہویں صدی سے پہلے تبت میں اس قسم کی کوئی پابندیاں عائد نہ تھیں۔ اس وقت لاسا میں کیتھولک راہب جھونپڑیاں بنا کر رہتے تھے۔ سنہ ۱۷۹۲ء میں جب نیپال کے گورکھوں نے تبت پر حملے شروع کئے تو لاما نے تمام غیر ملکیوں کے اپنے وطن میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی۔ نیپال اور تبت کی جنگ کا خاتمہ اس وقت ہوا جب چینی فوج لاما کی امداد کو پہنچی۔ اور اس نے گورکھوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ چونکہ تبت میں درے بہت کم اور تنگ ہیں اس لئے تھوڑی سی فوج ہی باہر سے آنے والوں کو روکنے کے لئے کافی تھی۔ ان حالات میں جب تک راستہ کوہ ایورسٹ کی مہم کیسے سر ہو سکتی تھی۔

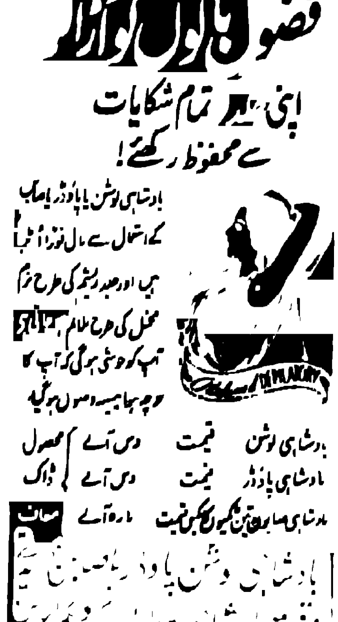
سنہ ۱۹۰۴ء میں حکومت برطانیہ کی طرف سے سر فرانسس کی رہنمائی میں ایک سیاسی مشن لاسا گیا۔ اور دونوں حکومتوں کے مابین معاہدہ ہو گیا اب یہ امید ہو چلی کہ ایورسٹ کی چڑھائی کا کام آسان ہو جائے گا۔ الپائن کلب کی جوبلی اس مہم کے آغاز ہی سے منانے کا فیصلہ ہوا۔ سنہ ۱۹۰۷ء میں میجر اور کپتان راولنگ راستہ ڈھونڈنے پر مامور کئے گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ساٹھ میل آگے جا کر چڑھائی آسان ہے۔ اور چوٹی کی شمالی سمت کی طرف نشیب کی سطح برابر ہے۔ سنہ ۱۹۰۷ء میں الپائن کلب نے دربار ہند سے اجازت حاصل کرنے کے لئے انہیں ایک درخواست بھیجی لیکن ان ہی دنوں انگلستان اور روس کے درمیان معاہدہ ہوا تھا۔ اس لئے محکمہ خارجہ نے تبت میں انگریزوں کا داخلہ معیوب خیال کیا یہ معاہدہ سنہ ۱۹۱۴ء تک قائم رہا۔ اس اثنا میں جنرل راولنگ نے موزوں راستہ تلاش کرنے کا کام جاری رکھا لیکن جنگ شروع ہوتے ہی وہ میدان جنگ میں کام آئے۔ مسٹر ڈگلس ان کے جانشین بنائے گئے۔

لیکن دوران جنگ میں کام شروع کرنا آسان نہ تھا۔ جنگ ختم ہوتے ہی جغرافیہ والوں کی توجہ ایک مرتبہ پھر کوہ ایورسٹ کی طرف مبذول ہوئی۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں رائل جیوگرافیکل سوسائٹی کی طرف سے کرنل ہاورڈ بری ہندوستان آئے اور انھوں نے حکومت ہند سے درخواست کی کہ دلائی لاما سے سیاحوں کی پارٹی کو تبت سے گزرنے کی اجازت حاصل کریں۔ حکومت ہند کے تعاون سے یہ اجازت مل گئی اور کوہ ایورسٹ پر چڑھائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ یہ لوگ انسانی طاقت کی آزمائش کرنا اور یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ انسان دنیا کے سب سے اونچے پہاڑ کو اپنے پاؤں تلے روند سکتا ہے یا نہیں۔

پہلا گروہ جو ایورسٹ کو چلا اس کا مقصد محض راستہ تلاش کرنا تھا۔ یوگینڈا اور مشرقی افریقہ سے بھی کچھ سیاح بلائے گئے۔ تاکہ وہ اس مہم میں اپنے مشوروں سے سیاحوں کو ضروری مدد دے سکیں۔

الغرض ہر قسم کے ضروری سامان سے لیس ہو کر یہ پارٹی انگلستان سے روانہ ہوئی۔ ہندوستان پہنچ کر سروے ڈیپارٹمنٹ کے دو انگریز افسر بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ یہ مہم پورے دو سال تک جاری رہی۔ اور اس عرصہ میں ایک لاکھ پینتیس ہزار روپیہ صرف ہوا۔ اس رقم کا ایک بڑا حصہ (تین ہزار پونڈ) الپائن کلب اور رائل سوسائٹی کے تعاون سے جمع ہوا۔ باقی سات ہزار پونڈ "ٹائمز"، "فلاڈلفیا"، اور "گرافک" نے مضامین اور تصاویر کے جملہ حقوق محفوظ کرانے کے لئے دیا۔ لیکن مہم میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد ایک اور مہم بھی روانہ ہوئی۔ لیکن اتلاف جان کے سوائے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ حقیر انسان کی دنیا کے سب سے اونچے پہاڑ کو عبور کرنے کی خواہش کب پوری ہو سکے گی یہ خدا ہی جانتا ہے۔









صنفِ نازک

دیہاتی عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ

جس وقت مغربی ممالک تہذیب تمدن کے نام سے بھی نا آشنا تھے اس وقت ہمارے ملک میں عورت کا بڑا احترام تھا تاریخ بتاتی ہے کہ زمانۂ قدیم کے ہندو عورت کو دیوی سمجھتے تھے۔ اور قابل پرستش گی وہ اسے لکشمی (دولت) سرسوتی (علم)، وغیرہ ناموں سے پکارتے تھے۔ مسلمانوں میں پردہ بہت ہے اس لئے بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ان کے سماجی نظام میں عورتوں پر کڑی پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ اور عورت کو بہت کم حقوق دیے گئے ہیں۔ لیکن کئی ایسے ثبوت موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خیال بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔۔۔ تاریخ اسلام کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ رسول خدا کی اہلیہ حضرت عائشہؓ کئی مرتبہ جنگ میں آپ کے ہمراہ تشریف لے گئیں۔ اور آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اپنے زمانہ کے بہترین سیاست دانوں اور ادیبوں میں بلند ترین درجہ رکھتی تھیں۔

علاوہ ازیں ہمارے اپنے ملک میں بھی جائداد کے متعلق جو قوانین رائج تھے ان سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے سماج میں ان کا درجہ کس قدر بلند تسلیم کیا جاتا تھا لیکن اب صدیوں سے صنفِ نازک پر جو مظالم توڑے جا رہے ہیں وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔

ایک عالم کا قول ہے کہ "دنیا میں اچھی باتیں صرف تعلیم کے ہی ذریعہ حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس لئے تعلیم نسواں نہایت ضروری ہے"۔ عورتوں کا طریق تعلیم ایسا ہونا چاہیئے جو ہر قسم کی ترقی میں ممد و معاون ہو۔ صحیح تعلیم وہی ہے۔ جس سے لوگوں میں ملک، قوم اور سماج کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستانی عورتوں نے اپنے فرض کو سمجھ لیا ہے اور اب وہ ملکی خدمت کے میدان میں بھی پیش پیش ہیں۔ سنہ ۱۹۲۰ء کی جنگ آزادی میں عورتوں نے کچھ کم حصہ نہیں لیا تھا۔ انہوں نے تحریک عدم تعاون میں حصہ لیکر جو انقلاب پیدا کیا اس پر ہندوستان کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ ان کے ایثار و قربانی نے ملک میں زندگی اور بیداری کی ایک نئی روح پھونک دی۔ اس کے بعد بھی وہ سیاسی تحاریک میں مردوں کے شانہ بشانہ حصہ لیتی رہی ہیں۔

کوئی قاعدہ کلیہ بنانا تو مشکل ہے لیکن زراعت وغیرہ کاموں میں جسمانی محنت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور موجودہ حالات میں ہماری بہنیں ہل چلانے کے قابل نہیں ہو سکتیں۔ لیکن اگر انہیں مناسب اور موزوں تعلیم دی جائے تو کھیتی باڑی کے معمولی کاموں میں وہ مرد کی مدد کر سکتی ہیں۔ آج بھی کئی دیہات میں کھیتی کا کام عورتیں کرتی ہیں۔ اگر دیگر عورتیں بھی اس طرف متوجہ ہوں تو انہیں دو فائدے ہوں گے۔ ایک تو کھلی ہوا میں رہنے سے ان کی صحت ترقی کرے گی اور وہ شہروں کی زہریلی فضا سے جو تپ دق اور اسی قسم کی ہزاروں بیماریوں کا گھر ہے محفوظ رہ سکیں گی۔ دوسرے انہیں روزی کمانے یا مرد کی اقتصادی امداد کرنے کے لئے گھر چھوڑنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

مغربی ممالک میں کئی ایسے مدرسے ہیں جن میں دیہاتی عورتوں کو امور خانہ داری کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مثلاً

(۱) گائیں بھینسیں پالنا۔ (۲) دودھ دہی سے مکھن بنانا (۳) شہد کی مکھیاں پالنا۔ (۴) پھل پھول اور ساگ ترکاری وغیرہ پیدا کرنا۔ (۵) کھانا پکانا اور گھر کا انتظام۔

ہمارے دیہات میں دودھ بلونے اور گائیں پالنے کی طرف توجہ ضرور دی جاتی ہے۔ اور یہ کام زیادہ تر عورتوں ہی کے سپرد ہے لیکن مناسب تربیت حاصل نہ ہونے کے باعث وہ اقتصادی طور پر اسے ایک منفعت بخش کاروبار نہیں بنا سکتیں۔ دودھ بلونے اور گائیں پالنے کے طریقے بہت پرانے ہیں۔ اس کے علاوہ عورت یا تو چکی پیستی ہے یا چرخا کاتتی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ دونوں کام برے ہیں۔ لیکن یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ اگر چھوٹی چھوٹی گھریلو صنعتیں دیہاتی گھروں میں جاری ہو جائیں تو دیہات کی اقتصادی زندگی اب کی نسبت کہیں بہتر ہو سکتی ہے۔

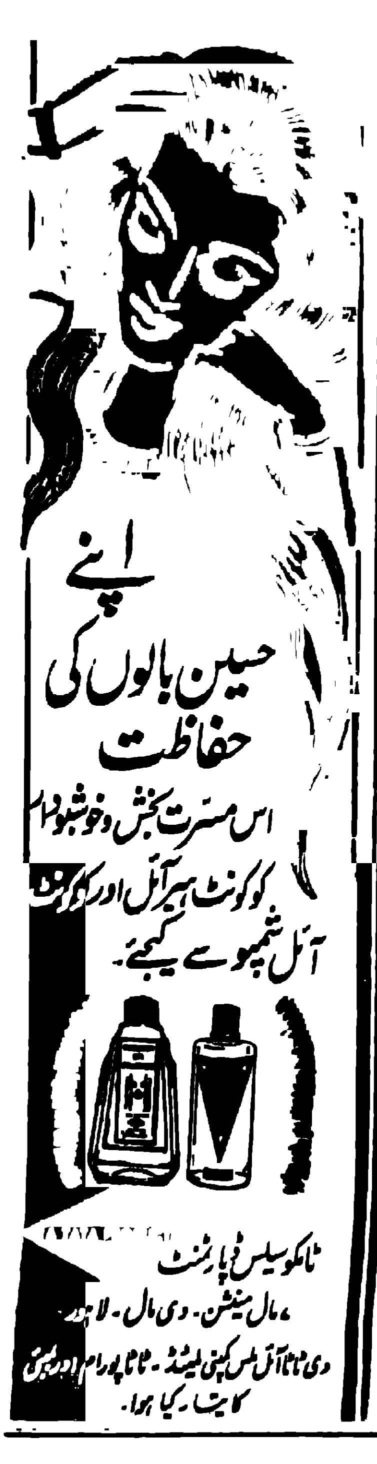
ہمارے ملک کے دیہات میں عورتوں کو ایسی تعلیم دینے کی ضرورت ہے جس سے وہ خانگی زندگی کے پیچیدہ مسائل کو آسانی حل کر سکیں۔ یہ درست ہے کہ دیہات سدھار تحریک سے دیہاتیوں کو کچھ فائدہ ضرور پہنچا ہے لیکن آج اس میں کتنی عورتیں حصہ لے رہی ہیں۔ اور دیہاتی بہنوں کے فلاح و بہبود کے لئے کیا کیا جا رہا ہے؟ افسوس ہے کہ اس سوال کا جواب نفی میں ہے۔

دیہاتی عورتوں کی ترقی کے لئے ہمیں ایسی ایثار خو مستورات کی ضرورت ہے جو دیہات میں جا کر ناخواندہ بہنوں کے دلوں میں پڑھنے لکھنے کی خواہش پیدا کریں۔ ان کی زندگی کے بہاؤ کا رُخ بدل ڈالیں۔ ابتداء میں کئی قسم کی مشکلات پیش آئیں گی۔ کیونکہ ابھی تک پرانے رسم و رواج اندھے عقیدوں اور مجلسی برائیوں کی زنجیروں نے دیہاتی عورت کو بری طرح جکڑ رکھا ہے۔ اور ابھی تک وہ خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوئی۔ اگر جذبۂ ایثار سے متحرک ہو کر کچھ تعلیم یافتہ خواتین اس وسیع کام کو اپنا دائرۂ عمل بنا لیں تو۔ دیہاتی عورت ان زنجیروں کو خود ہی توڑ ڈالے گی۔ اسے تھوڑی سی امداد اور حوصلہ افزائی درکار ہے۔ بس۔

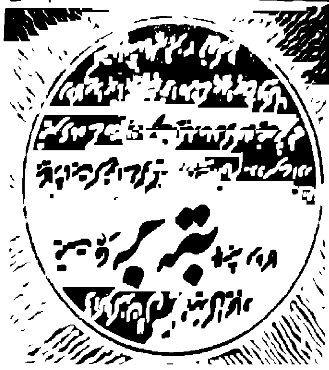
مرد و عورت کا دائرہ کار الگ الگ ہے۔ مرد کا کام ہے کہ ملازمت یا تجارت کر کے گھر کا خرچ چلائے۔ لیکن دنیا میں زیادہ تر عورتوں کو خانہ داری ہی کا بوجھ رکھنا پڑتا ہے۔ اگر انہیں ایسی تعلیم ملے جو انکے فرائض کی ادائیگی میں ان کی ممد ہو تو اس تعلیم سے فائدہ ہی کیا؟ تعلیم نسواں کا مقصد تو یہی ہونا چاہیئے کہ وہ گھر کو نہ صرف ایک مسرت کدہ بناویں بلکہ حتی الوسع اقتصادی طور پر بھی اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کی سعی کریں۔ عورتیں کشت زندگی میں مسرت و محبت کے بیج بو سکتی ہیں۔ اس مسرت و محبت کی افزائش اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ تعلیم یافتہ ہوں۔ گھر کی صفائی۔ بچوں کی پرورش و تربیت۔ خانگی اخراجات میں کفایت شعاری۔ اور معمولی امراض کا علاج۔ ایسے کام ہیں جن کے بغیر گھر میں مسرت و راحت کی حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔

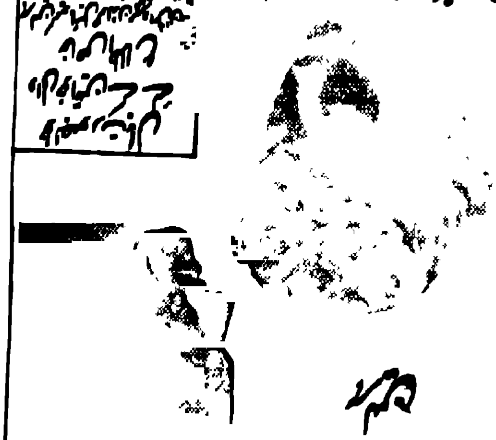
تعلیم نسواں ہی سے ملک کے خانگی سماجی اور قومی مسئلے حل ہو سکتے ہیں بالخصوص دیہاتی بہنوں کو صحیح قسم کی تعلیم دینے سے۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ ابھی تک ہمارے دیہاتی مدرسوں میں اس قسم کی تعلیم مفقود ہے۔





THE "RIYASAT"
Is Available Every Week on All Railway Bookstalls
at-1- Per Copy.





مراسلات

انڈین انشورنس کمپنی راہِ ترقی پر

"جنگ نے جو صورت حالات پیدا کر دی ہے اس کے باوجود انڈین انشورنس کمپنی لمیٹڈ نے سرکردہ بیمہ کمپنیوں کے درمیان اپنی پوزیشن خوش اسلوبی بحال رکھی ہے۔ اور بورڈ آف ڈائریکٹرز نے کمپنی کے بلند معیار کو برقرار رکھنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا" یہ الفاظ تھے جو مسٹر جی این راجپال چیئرمین کمپنی نے تیسویں سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے کہے۔

جہاں تک کمپنی کی طرف سے مختلف کاموں میں روپیہ لگانے کا تعلق ہے اس میں تین لاکھ ایک ہزار آٹھ سو چھیاسٹھ کا اضافہ ہوا۔ سال زیر تنقید میں کمپنی نے ساٹھ لاکھ تیس ہزار چندرہ روپیہ کا کاروبار حاصل کیا۔ پریمیم سے اسے بیس لاکھ پچانوے ہزار ایک سو چھیالیس روپیہ تین آنہ نو پائی کی آمدنی ہوئی۔

لائف فنڈ میں جو پچاسی لاکھ اٹھانوے ہزار چار سو اٹھاون روپیہ پانچ آنہ ایک پائی ہے۔ گذشتہ سال کے مقابلہ میں نو لاکھ چوالیس ہزار کا اضافہ ہوا۔

چھ فیصدی ڈیویڈنڈ تقسیم کرنے کا اعلان کیا گیا جو انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا۔

مسٹر بی پی گھاروا اینڈ کمپنی از سر نو کمپنی کے آڈیٹر منتخب کئے گئے۔ ڈائرکٹروں کا انتخاب حسب ذیل ہوا۔ مسٹر جی این ہرڈیا۔ مسٹر ایس۔ ایف۔ بی طیب جی مسٹر گوپال داس۔ یو۔ پچابریا اور مسٹر نارائن داس مجگوانداس۔

سال مختتمہ ۳۱ دسمبر ۱۹۴۰ء کے حسابات اور بیلنس شیٹ منظور کیا گیا۔

(نامہ نگار)

آل انڈیا سودیشی نمائش و میلہ

الہ آباد سودیشی لیگ کے زیر اہتمام ۲۸ اکتوبر سے ۱۲ نومبر تک آل انڈیا سودیشی نمائش اور میلہ کے انعقاد کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ اس مرتبہ ضروریات کے مطابق اسکیم میں کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ سٹال والوں کے لئے ایک پھاٹک مخصوص کر دیا جائے گا وہ اسی کے راستے آجا سکیں گے سامان جو سٹال کرایہ پر اٹھائے جائیں گے ان کی تعداد پہلے کی بہ نسبت کم ہے۔

نمائش کو کامیاب بنانے کے لئے کوششیں جاری ہیں۔ (سکرٹری)

مدرسہ دینیات اٹارسی

۲۵ جولائی کو بعد نماز جمعہ مسلمانانِ اٹارسی (ضلع ہوشنگ آباد صوبہ متوسط) کا جلسہ زیر صدارت جناب خورشید علی صاحب برانچوری منعقد ہوا۔

صاحب صدر نے فرمایا کہ اٹارسی میں مسلمانوں کی مردم شماری تین ہزار کے قریب ہے۔ انہوں نے دس سال کو ایک اردو اسکول قائم کیا ہے۔ لیکن اس میں ایسی بچیاں تعلیم حاصل کرنے جاتی ہیں۔ جن کے والدین ان کا لڑکوں کے ساتھ بیٹھکر تعلیم حاصل کرنا باعث عار نہیں سمجھتے باقی تقریباً تین صد لڑکیاں تعلیم اردو اور دینیات سے محروم ہیں۔ اس کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے ایک مدرسہ دینیات کا قائم کیا گیا ہے اور کرایہ کی بچت کا خیال کر کے ایک چھوٹی سی عمارت بنائی گئی ہے۔ جس کا افتتاح محترمہ بیگم صاحبہ جناب محمد انعام الرحیم صاحب آئی۔ سی۔ ایس۔ ڈپٹی کمشنر ہوشنگ آباد نے فرمایا تھا اس مدرسہ میں لڑکیوں کا داخلہ ... بوجہ عدم گنجائش مکان تعت سرمایہ ناممکن ہے۔ لہذا توسیع عمارت اشد ضروری ہے۔

ایک قرارداد میں تاجدار مملکت آصفیہ سے جو علیگڈھ یونیورسٹی میں ایک مسجد تعمیر فرما رہے ہیں درخواست کی گئی کہ از راہ کرم اس طرف مدرسہ کی طرف بھی دست امداد دراز کریں۔ (محمد کریم مہتمم مدرسہ دینیات اٹارسی)

دہلی سے لاہور جانیوالی ٹرین

یہ شکایت ریلوے مسافروں کو ایک عرصے سے ہے کہ دہلی سے جو گاڑی پونے دس بجے رات براستہ بھٹنڈہ لاہور جاتی ہے اس میں مسافروں کی تعداد کے مقابلہ میں کافی جگہ نہیں ہوتی۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ ٹرین کافی بھی ہوتی ہے لیکن چونکہ تھرڈ کلاس کے مسافروں کو لاہور لے جانے والی کوئی دوسری ٹرین رات کو نہیں چلتی۔ اس لئے اس میں غیر معمولی بھیڑ ہوتی ہے۔ اگرچہ متعدد مرتبہ حکام کی توجہ اس طرف دلائی گئی ہے لیکن ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ شاید اس وقت تو اپنی خاموشی کے لئے وہ جنگ کی آڑ لے لیں لیکن یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جنگ سے پہلے بھی اس ٹرین میں مسافروں کو اتنی ہی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

۱۰ اگست کو مجھے ایک عزیز کو اس ٹرین پر سوار کرنے کے لئے سٹیشن پر جانا پڑا۔ بھیڑ کا یہ حال تھا کہ ایک ایک ڈبہ میں جو اکتالیس مسافروں کے لئے مخصوص تھا بیحد زیادہ مسافر بوریوں کی طرح بھرے ہوئے تھے۔ بیٹھنے کی جگہ حاصل کرنا تو بڑے جان جوکھوں کا کام تھا لیکن لطف یہ کہ کھڑے ہونے کو بھی جگہ نہ تھی۔ اس پر بھی باہر سے مسافروں کے ریلے برابر آرہے تھے۔ اس دوران میں کتنے ہی جھگڑے ہوئے اور بعض حالتوں میں مار پیٹ تک نوبت پہنچی۔ بچوں اور عورتوں کا تو خصوصیت سے بہت برا حال تھا۔ میرے دیکھتے دیکھتے ایک غریب عورت کو بھیڑ میں چوٹیں آئیں اور ایک بچہ مسافروں کے سامان کے نیچے کچلے جانے سے بمشکل بچا۔ بہت سے مسافر دہلی اور کشن گنج کے اسٹیشنوں پر سوار ہی نہ ہو سکے۔ جب متعلقہ ریلوے ملازمین کی توجہ اس افسوسناک صورت حالات کی طرف دلائی گئی تو انہوں نے یا تو سنی ان سنی کر دی یا اپنی بے بسی کا اظہار کر کے یہ سمجھ لیا کہ وہ عہدہ برآ ہو گئے۔

مجھے تسلیم ہے کہ جنگ کی وجہ سے ریلوے کو مشکلات درپیش ہیں اور شاید مزید ڈبے بھی آسانی سے مہیا نہیں کئے جا سکتے۔ لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ تھرڈ کلاس کے مسافروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ریلوے کسی اور ٹرین میں تخفیف کر کے اس ٹرین میں نئے ڈبے لگائے یا کسی دوسرے وقت باقاعدہ طور پر ایک اور ٹرین کا انتظام کرے۔ (پریم جیتانی۔ جوائنٹ ...)

فلمستان

"سکندر" کی تاریخی اہمیت

ہندوستان کا ماضی کس عظمت اور شوکت کا حامل تھا! اس کا صحیح نقشہ منروا موویٹون نے اپنے جدید فلم "سکندر" میں پیش کیا ہے۔ جس نے ہندوستان کے شاندار ماضی کو از سر نو زندہ کر دیا ہے۔

"سکندر" کو فلم آرٹ اور تفریح کا ایک مکمل نمونہ بنانے میں ڈائرکٹر سہراب مودی نے روپیہ اور محنت کسی چیز سے گریز نہیں کیا۔ (نامہ نگار)

"چودھری" سنسر بورڈ کے سامنے

آجکل پنچولی آرٹ سٹوڈیو میں "چودھری" کی نقول تیار ہو رہی ہیں۔ چند دنوں تک پرنٹ سنسر بورڈ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

مسٹر دلسکھ پنچولی پروڈکشن انچارج "خاندان" کے چند ایک بیرونی مناظر کی فلم کشی کے بعد سٹاف سمیت دہلی سے واپس آچکے ہیں۔ شوکت صاحب نے کچھ بذا میں ایک مظلوم باپ کے اہم کردار کے لئے مسٹر ابراہیم کو خاص طور پر کلکتہ سے بلوایا ہے۔ آپ فلم اور اسٹیج کے پرانے منجھے ہوئے آرٹسٹ ہیں۔ تصویر میں ایک نئی اداکا بے بی اختر بھی ہے۔ مسٹر شوکت جس رفتار سے کام کر رہے ہیں۔ اس کو مد نظر رکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مقررہ وقت کے اندر تمام کام ختم ہو جائے گا۔

"خاندان" میں غلام محمد۔ نورجہاں۔ بے بی اختر۔ ابراہیم۔ اجمل۔ نند کشور۔ درگا موٹا۔ نفیس بیگم اور دوسرے کئی ایک شاندار حصہ لے رہے ہیں۔

لیلا چٹنس نے افسانہ لکھا

یہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ ایک تصویر ساز دوسرے تصویر ساز کی ہنرمندی کی تعریف کرے۔ اس لئے سب کو حیرت ہوئی۔ جب رنجیت سٹوڈیو میں سردار چندولال شاہ نے لیلا چٹنس سے مصافحہ کرتے ہوئے ان کی نئی تصویر "کمن" کی تعریف کی اور کہا کہ یہ تصویر واقعی عظیم الشان ہے۔ نیز اس کے پراپیگنڈے کے لئے کسی پبلسٹی آفیسر کو دروغ بیانی کا سہارا لینے کی ضرورت نہ پڑیگی۔ انھوں نے مسٹر سی۔ آر گوالانی کو بھی خراج تحسین ادا کیا۔

"کمن" کا افسانہ لیلا چٹنس نے خود لکھا ہے اور یہ جاننا موجب دلچسپی ہے کہ یہ پہلا موقع ہے جب کہ کسی فلم سٹار نے اپنی تصویر کے لئے خود افسانہ لکھا ہو۔

اشوک کا چندن

اشوک پکچرز نے ایک نئی تصویر "چندن" کے نام سے تیار کی ہے جس میں کانن لالا۔ نذیر وغیرہ کام کرتے ہیں۔

ڈائرکٹر وید دبھائی اپنی سٹنٹ فلموں کے لئے مشہور ہیں۔ لیکن کوہ آبو پر بھیلوں کے ایک گیت میں ایک رومانی کہانی پاکر وہ سٹنٹ فلموں سے متنفر ہو گئے۔ اور غالباً یہ ان کی پہلی سنجیدہ رومانی تصویر ہے۔ "چندن" ایک اصلاحی چیز ہے جسے اسی نظر سے دیکھا جانا چاہئے۔ اس کی کہانی کا تعلق بھیلوں کے تمدن اور معاشرت سے ہے۔ اس لئے اس کے اکثر نظارے بھی ان ہی کے علاقوں میں لئے گئے ہیں۔ اس تصویر کی بنیاد جس تاریخی کہانی پر رکھی گئی ہے۔ اس کے گیت بھیل عورتیں۔ بچے ...

اور مرد اب تک مزے لے لے کر گاتے ہیں۔

بھی کامیاب نہیں۔ حالانکہ ڈائرکٹر ایک آزمودہ کار شخص کو بنایا گیا تھا۔

کئی دیگر پنجابی تصاویر کی طرح فحاشی اس میں بھی ہے لیکن افادیت کا بیڈ عیب ہے کہ تصویر دیکھتے دیکھتے آدمی اکتا جاتا ہے۔

فسادات سے فلم کمپنیوں کو چھ لاکھ کا نقصان

بمبئی ٹاکیز کے رائے بہادر چونی لال کا کہنا ہے کہ فسادات بمبئی سے فلم کمپنیوں کو تین لاکھ روپیہ کا نقصان ہوا ہے۔ بمبئی میں کل پچپن سینما گھر ہیں جن میں سات انگریزی فلموں کے لئے وقف ہیں۔ باقی اڑتالیس سینما گھروں میں سے گیارہ میں نئی تصویروں کی نمائش ہوتی ہے سینتیس میں پرانی یا وہ تصاویر جو ایک بار پردہ پر آچکی ہوں دکھائی جاتی ہیں۔ اپریل کے آخری ہفتے سے وسط جون تک صرف ایک ہفتہ ایسا تھا جب بمبئی کرفیو آرڈر سے محفوظ رہا۔ ورنہ باقی تمام وقت میں رات کو باہر نکلنے پر پابندیاں لگی رہیں۔ ہفتہ وار تعطیل کے سوائے کسی دن بھی بھیڑ نہ ہوتی تھی۔ فسادات اور فرقہ وارکشیدگی کے باعث اپریل سے ۲۳ جولائی تک ہر ہفتہ معمول سے تقریباً انہتر ہزار کم آمدنی ہوئی۔ یہ تخمینہ نئی تصویروں کی نمائش کرنے والے سینماؤں کا ہے۔ گویا صرف ان گیارہ سینما گھروں کو دو لاکھ چالیس ہزار کا نقصان ہوا۔ چونکہ پرانی تصویریں دکھانے والے تھیٹر اکثر و بیشتر اس علاقہ میں واقع ہیں جہاں کرفیو آرڈر کی پابندی سختی سے کی جاتی تھی۔ اس لئے سینتیس سینما گھروں کو ایک ایک ہزار کا گھاٹا رہا۔ یعنی کل تین لاکھ۔ الغرض ہندوستان کی صنعت تصویر سازی کا چھ لاکھ روپیہ فرقہ وار جنونیوں اور مذہبی دیوانوں کی نذر ہو گیا۔

"پٹواری" کے اداکار

نارورن انڈیا سٹوڈیو کی ایک نئی تصویر "پٹواری" کی تیاریاں زوروں پر ہیں۔ اس میں راگنی۔ منورما۔ ظہور شاہ وغیرہ نے کام کیا ہے۔ ہیرو۔ خزانچی۔ کے مسٹر الیس۔ ڈی نارنگ ہوں گے۔ اس تصویر کی ڈائرکشن راج ہنس اور مکالمہ نگاری ولی صاحب کے سپرد ہے تصویر کی زبان پنجابی ہوگی۔

"پرکاش" کا "سٹیشن ماسٹر" بھی تیار ہو رہا ہے یہ ایک سماجی و اصلاحی تصویر بیان کی جاتی ہے۔

تاج محل

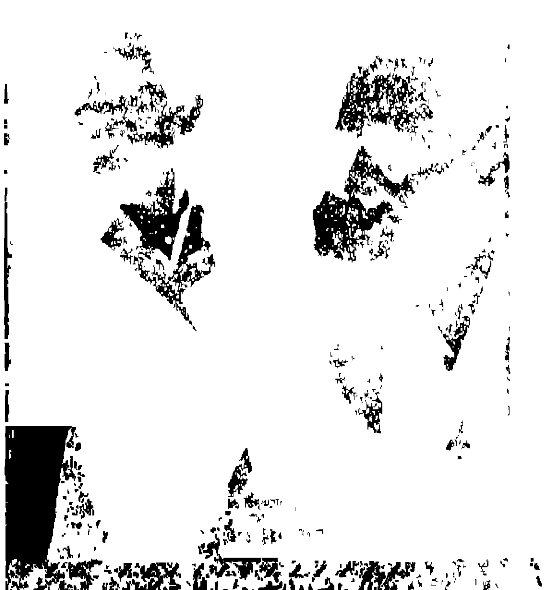
موہن پکچرز کا "تاج محل" زیر تعمیر ہے۔ اس میں شہنشاہ شاہجہاں اور ملکہ ممتاز محل کو ہی پیش کیا گیا ہے۔ آگرہ کے قلعہ کے ثمن برج میں اب وہ پہلی سی شان و شوکت باقی نہیں اس لئے ادھیری سٹوڈیو میں ناگا ہنگ کے پتھروں سے ایک نیا ثمن برج تیار کیا گیا ہے ملکہ کا پارٹ مس سردھنی اور بادشاہ کا کارے ادا کیا ہے۔ ڈائرکٹر نانو بھائی وکیل تصویر کو کامیاب و موثر بنانے کی ہر ممکن سعی کر رہے ہیں۔

"جھبے دی کلی"

"بہت" کی مانند "جھبے دی کلی" بھی بری طرح ناکام رہی ہے۔ ویلی میں تو اس کا پہلا ہفتہ ہی آخری ہفتہ ثابت ہوا۔ بلکہ پکچر والے اسے نیک شگون نہیں کہہ سکتے۔ اس تصویر کا افسانہ اچھا ہے نہ مکالمے نہ ڈائرکشن

متفرق شاہدہ ہزار

ایم سٹالن جنگی افواج نے
سمولنسک کے محاذ پر جرمن
فوجوں کے چھکے چھڑا دئے ہیں۔

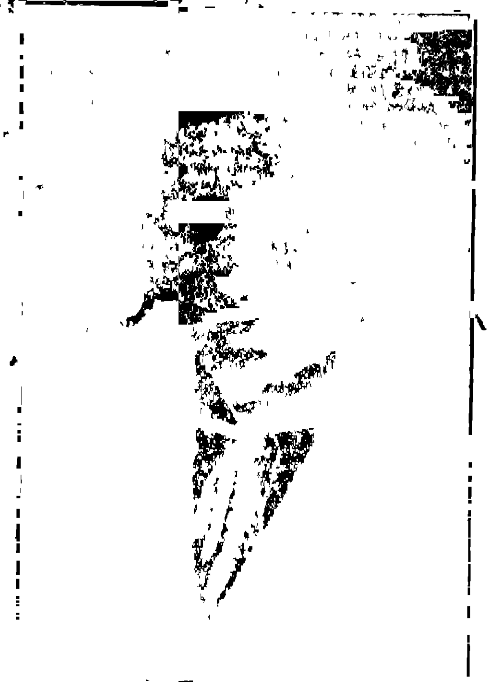


فرانسیسی انڈو چائنا پر جاپانی قبضہ کے باعث ان
سپاہیوں کی ذمہ داری بہت بڑھ گئی ہے۔

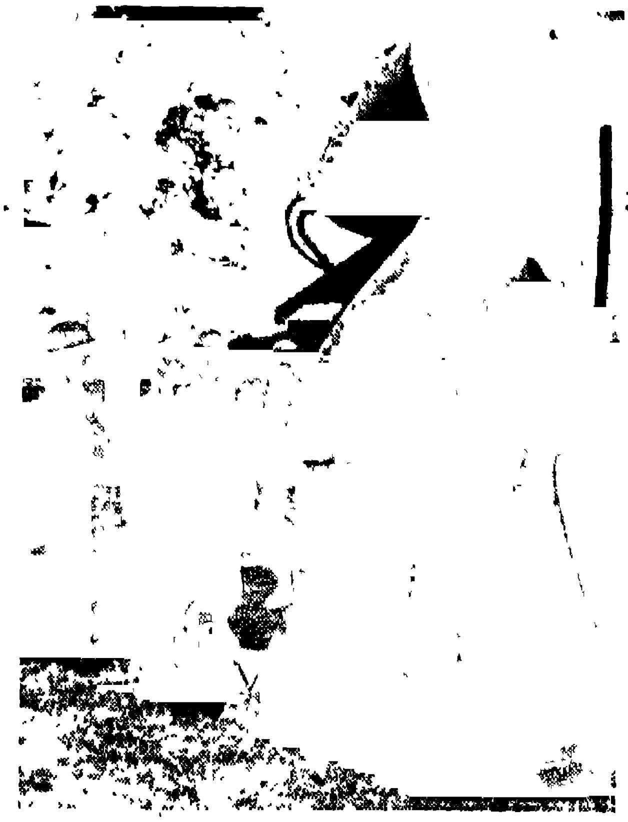
7848

THE RIYASAT DELHI REGD No. L. 1732

ڈاکٹر شفاعت احمد خاں



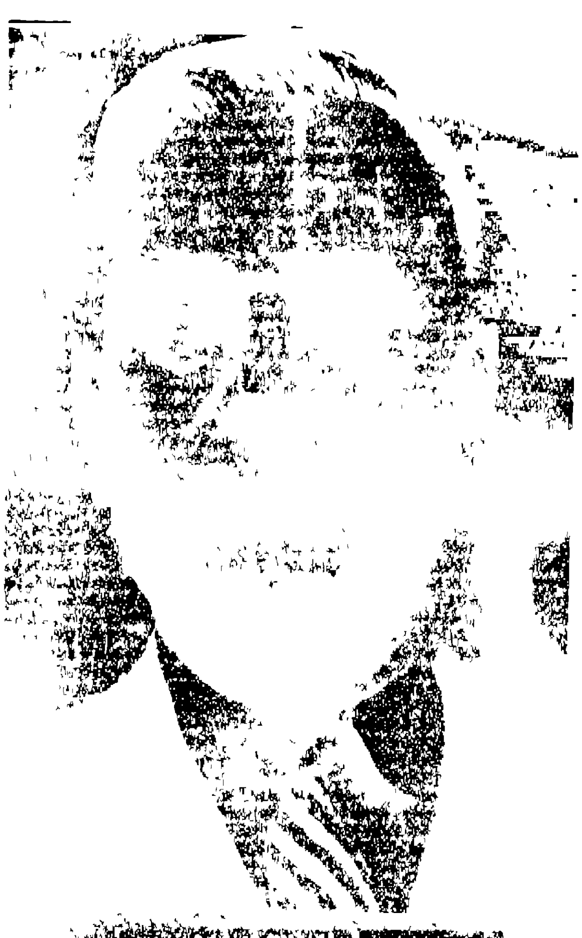
جنوبی افریقہ میں گورنمنٹ هند کے ایجنٹ جنرل مقرر کئے جانے والے هیں—



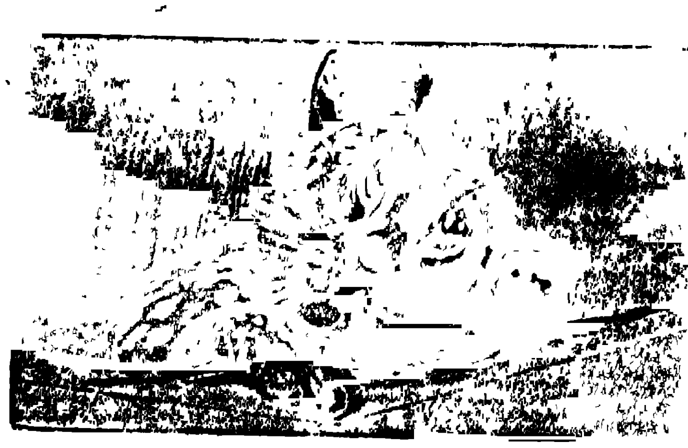
هوائی حمله کی خبر دینے والے برقی کل—

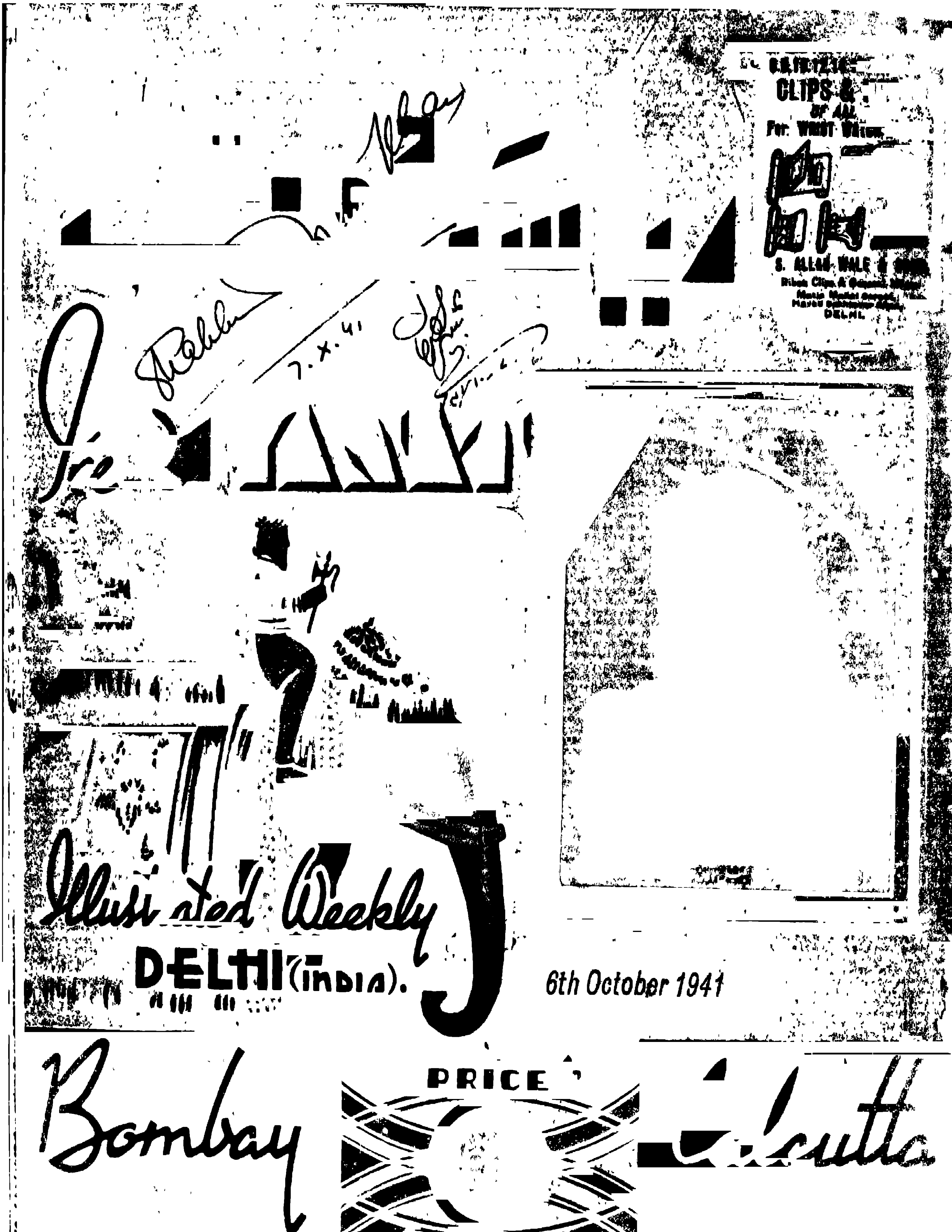
نواب احمد سعید خاں آف چهتاری

حیدرآباد کی اگزیکٹو کونسل کے پریزیڈنٹ مقرر هوئے هیں—



کونسل آف اسٹیٹ میں سیاسی قیدیوں کی عام رهائی کا ریزولیوشن پیش کرینگے—



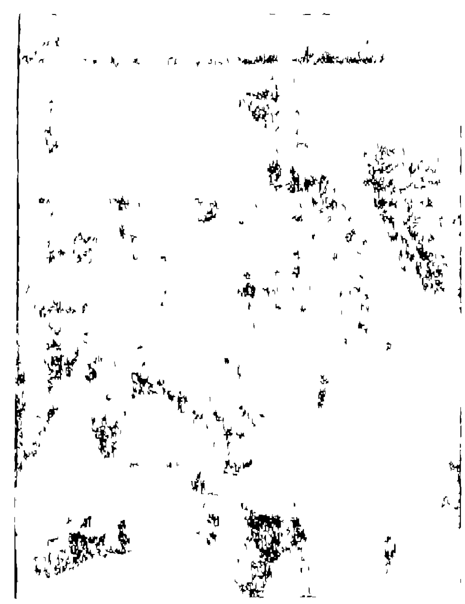


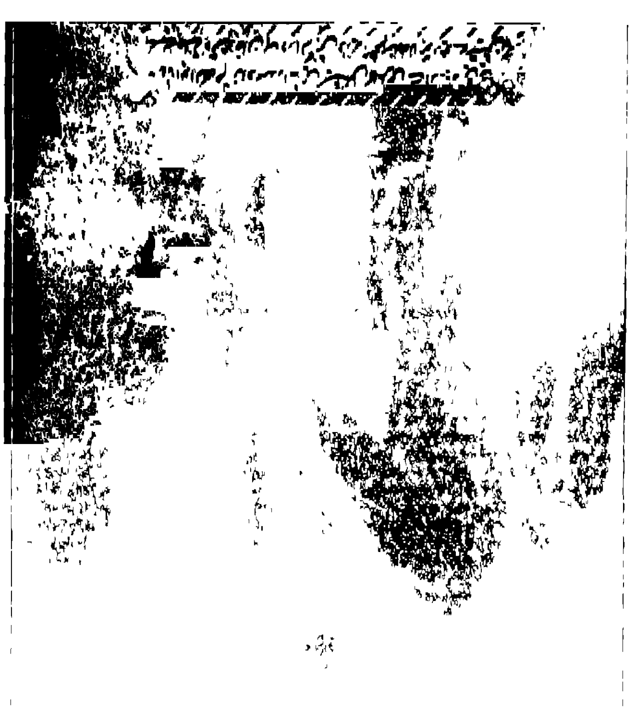
OFFICE
YUSUF BUILDING
CHURCHGATE ST.

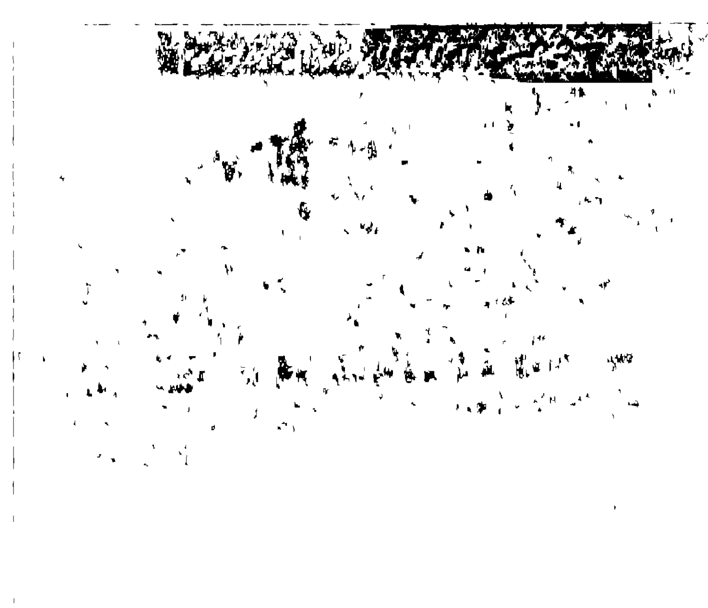
OFFICE
1.WATERLOO ST.
P.O.BOX 208











ہندوستان کا بہترین باتصویر اُردو ہفتہ وار

جلد ۳ — نمبر ۱۴

CALCUTTA OFFICE
1 WATERLOO ST
P. BOX 2081

قیمت: سالانہ چار روپے — ششماہی ... سالانہ آٹھ روپے ...

فی پرچہ ایک آنہ

BOMBAY OFFICE
YUSUF BUILDING
CHURCHGATE ST

حکومت نظام کے اعلان سے مایوسی

اصلاحات بہ اقساط نافذ کی جائیں گی

مذہبی جنونیوں اور فرقہ پرستوں کے دباؤ کا اثر

دو برس سے زیادہ عرصہ ہوا کہ حکومت نظام نے چند بیرونی سیاست دانوں اور ریاستی مدبروں کی امداد سے ریاست میں اصلاحات نافذ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ شہریار دکن نے بھی اصلاحات پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ جب اس آئینی سکیم کی تفاصیل شائع ہوئیں۔ تو قوم پرست حلقوں میں بھی اسے پسند کیا گیا۔ دنیا کا کوئی بھی آئین نقائص سے پاک اور نکتہ چینی سے بالاتر نہیں ہو سکتا لیکن نہ صرف ریاستی بلکہ غیر ریاستی دنیا میں یہ اصلاحات اپنی قسم کی نرالی اور فرقہ پرستی کے جذبے سے پاک تھیں اس لئے ایک سے زیادہ مجاہدین حریت نے ان کا خیر مقدم کیا اور نظام اور ان کی حکومت کو عالمگیر طور پر خراج تحسین ادا کیا گیا۔

ان اصلاحات کا ماحصل یہ تھا کہ ریاست میں ایک قانون ساز اسمبلی قائم کی جائے جو رعایائے نظام کے منتخب شدہ نمائندوں پر مشتمل ہو۔ حکومت برطانیہ نے صوبائی خود مختاری کے آئین میں فرقہ وارانہ نیابت رائج کر کے اسے دوامی کر دیا تھا لیکن حکومت نظام نے برطانوی ہند کے گورے آقاؤں کی نسبت زیادہ عقلمندی اور تدبر سے کام لیا اور یہ قرار دیا گیا کہ اسمبلی کا انتخاب فرقہ وارانہ عمل میں نہیں آئے گا۔ پیشوں کو بنائے انتخاب قرار دیا گیا۔ یہ طریقہ مشترکہ انتخاب سے بھی اچھا ہے۔ اور اقتصادی طور پر زیادہ صحت بخش۔ مطلب یہ کہ مزدور۔ کسان۔ کارخانہ دار۔ درزی دھوبی۔ دکاندار وغیرہ خواہ وہ کسی مذہب یا فرقے سے تعلق رکھتے ہوں اپنے نمائندے خود منتخب کریں۔ لیکن ہندوؤں یا مسلمانوں میں سے کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔ اس لئے اسمبلی میں نشستیں مخصوص کر دی گئیں۔ جو کمیٹی اصلاحات تجویز کرنے کے لئے مقرر ہوئی تھی اس نے فیصلہ کیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو اسمبلی میں پچاس پچاس فی صدی نیابت دی جانی چاہئے۔ اس کے علاوہ اصلاحاتی کمیٹی نے لوکل سیلف گورنمنٹ کی طرف بھی توجہ دی۔ اس سے پہلے حیدرآباد میونسپلٹی بے معنی ... محکمہ سرکاری ادارہ تھا۔ ریاست کے کسی قصبہ میں بھی کوئی منتخبہ اور قابل ذکر مقامی ادارہ نہ تھا کمیٹی نے حیدرآباد میونسپلٹی میں کچھ اصلاحات تجویز کیں۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ تجویز پیش کی کہ سولہ مشترکہ ... باہ جا گیر ... اور ضلع میونسپل کمیٹیاں۔ ۲۰ ٹاؤن کمیٹیاں اور ایک ہزار پنچائتیں قائم کی جائیں۔

یہ آئینی اسکیم نہایت جامع تھی۔ لیکن اس کی جتنی زیادہ تعریف کی گئی اتنی ہی اس کے نفاذ میں تاخیر ہوتی گئی۔ نئی اصلاحات اس قدر معتدل اور ہر دلعزیز ہوئیں کہ نظام کو انہیں ترک کرنے کا حوصلہ نہ ہو سکا۔ لیکن اب دو برس کے بعد یہ اعلان کیا گیا ہے۔ کہ اصلاحات بہ اقساط نافذ کی جائیں گی۔ کیوں؟ اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب سرکاری اعلان میں موجود نہیں۔ لیکن دہلی کے معاصر "سٹیٹسمین" نے اصلاحات کی اس طرح مٹی پلید کئے جانے کی کچھ حقیقی و غیر حقیقی وجوہ بیان کی ہیں۔ وہ لکھتا ہے:-

"یہ بہت بڑا اور بڑے پھیلاؤ کا کام ہے اور ہز اگزالٹڈ ہائی نس کی گورنمنٹ کا پہلا فرض یہ ہے کہ لوکل باڈیز کی تشکیل کا بندوبست کرے۔ اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ لوکل باڈیز کو ساتھ ساتھ یا ایک ٹائم ٹیبل کی پابندی کے ساتھ قائم کرے۔

قانونی ضروریات بھی مشکلات پیش کرتی ہیں۔ نیا آئین ریاست کی سرکاری زبان میں ہوگا۔ لیکن اس کے کم از کم چند خاص خاص حصوں کا ترجمہ نہ صرف انگریزی بلکہ ریاست میں مروج دیگر زبانوں میں بھی کیا جائیگا۔ ترجمہ آسان کام نہیں ہے جب کہ وکلا کو مطلق استعانی ضروریات کو پیش نظر رکھنا ہو۔ آٹھ حصوں کا جائزہ قانون دان لے چکے ہیں چھ کا ترجمہ اور ان پر نظر ثانی کرنا باقی ہے۔"

یہ آج معلوم ہوا کہ ترجمہ آسان کام نہیں۔ بلکہ اس قدر مشکل ہے کہ اس کی تکمیل کے لئے ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کو اصلاحات کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر نظام اور ان کے وزیر اعظم نواب چھتاری علاوہ "سٹیٹسمین" کا یہ بیان پڑھیں جو اس نے ان کے وکیل صفائی کی حیثیت سے شائع کیا ہے تو انہیں ہنسی آ جائیگی۔

سچ پوچھو تو اصلاحات میں تاخیر کیوں ہوئی کے سوال کا جواب نہ حکومت حیدرآباد دے سکی ہے نہ "سٹیٹسمین"۔ نظام گورنمنٹ کے لئے فیصلہ کے اسباب تلاش کرنے کے لئے ان واقعات کی گہرائیوں میں جانا پڑیگا جو اصلاحاتی کمیٹی کی رپورٹ کی اشاعت اور نظام کی طرف سے اس کی منظوری کے بعد سے اب تک ریاست میں ظہور پذیر ہو چکے ہیں۔ جن دنوں نظام نے آئینی اسکیم پر اپنی مہر تصدیق ثبت کی تھی انہی دنوں بعض نوابوں اور جاگیرداروں کے ایما پر ریاست میں ایک نئی تحریک شروع ہو گئی کھلم کھلا یہ کہا گیا کہ حیدرآباد ایک اسلامی ریاست ہے۔ اور سلطنت مغلیہ کی یادگار۔ اس لئے یہاں ہندوؤں کو مسلمانوں کے برابر نشستیں نہیں دی جانی چاہئیں۔ کچھ لوگوں نے جو موقعہ کے انتظار میں رہتے ہیں۔ ہندو اکثریت کو بھی اس سکیم کے خلاف اُبھارا اور نظام کی ہندو رعایا سے کہا گیا کہ ہندو اکثریت کو اسمبلی میں اکثریت نہ دے کر اس پر ظلم کیا گیا ہے لیکن یہ حربہ ناکام رہا۔ دوسری طرف مذہبی جنونی اور فرقہ پرست دیوانے مسلمانوں میں بے چینی پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے جلسے ہوئے۔ جلوس نکلے نہایت اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں۔ فسادات کی نوبت آئی جن میں پولیس کو ایک سے زیادہ مرتبہ گولیاں چلانا پڑیں۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہی مخالفت اصلاحات کے نفاذ میں تاخیر کا باعث ہوئی۔ اور جو لوگ اس افسوسناک دور کے حالات سے واقف ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ نظام گورنمنٹ کے موجودہ اعلان پر بھی شکستہ ہے آج ریاست میں ہلے نہیں ہوتے۔ بظاہر اصلاحات کی مخالفت بھی دب گئی ہے۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اندرونی طور پر فرقہ پرستوں کی ریشہ دوانیاں بند ہو گئی ہیں۔

ضرورت ہے کہ نواب چھتاری دنیا کو یہ بتائیں کہ اصلاحات کو قطرہ در قطرہ نافذ کرنے میں حکومت کو کیا مصلحت نظر آئی ہے؟ نواب چھتاری کے ذاتی خیالات خواہ کچھ ہوں لیکن اس سے پہلے وہ فرقہ پرستوں کی صف اول میں تھے۔ اور اگر ان کے دور کے بعد ریاست حیدرآباد میں اصلاحات کا وہی حشر ہوا جس کے آثار ابھی سے نظر آ رہے ہیں۔ تو فرقہ پرستی اور مذہبی جنون کا ایک اور دھبہ ان کے پبلک کیریکٹر کو داغدار کر دیگا۔

دنیا میں ہر نیا قدم اٹھانے کے لئے غیر معمولی جرأت و ہمت درکار ہے۔ اور ہمیں امید ہے۔ کہ حکومت نظام اس ضمن میں فرقہ پرستوں کا دباؤ قبول کرنے سے انکار کر دیگی۔

ہندوستان میں صنعت موٹر سازی

مسٹر والچند ہیرا چند نے ایک بیان میں فرمایا۔ کہ جنگ سے قبل گورنمنٹ ہند ہندوستان میں موٹر سازی کا کارخانہ قائم کرنے کے خلاف یہ وجہ پیش کرتی تھی کہ اس کارخانہ کے مال کی کھپت کے لئے منڈی نہیں ہے۔ لیکن اب جنگ میں اس قدر موٹروں کی ضرورت پیش آ رہی ہے کہ گورنمنٹ کا یہ بہانہ کچھ وزن نہیں رکھتا اس لئے حکومت نے کہا ہے کہ جنگی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے مطلوبہ مشینری دستیاب نہیں ہو سکتی۔ مگر اب یہ وجہ بھی بیکار ہو گئی ہے۔ چونکہ ہر قسم کی مشینری امریکہ سے کافی مقدار اور سستے داموں مل سکتی ہے

مسٹر والچند ہیرا چند کا بیان ہے کہ ہندوستان میں موٹر سازی کے کارخانے کے قیام کی مخالفت میں برطانیہ کے سرمایہ دار ہیں۔ جو دیکھ رہے ہیں کہ اگر دوران جنگ میں ہندوستان میں موٹر بنانے کا کارخانہ قائم ہو گیا۔ تو جنگ کے خاتمہ کے بعد مشرق میں ان کی موٹروں کو کوئی پوچھیگا بھی نہیں۔ اور ان کا وہی حال ہوگا جو گزشتہ جنگ کے بعد لنکا شائر کے کپڑے کے کارخانوں کا ہوا ہے۔ لیکن کیا جنگ کے پیش نظر گورنمنٹ ہند ان برطانوی سرمایہ داروں کے سامنے جھک جائیگی؟

امریکہ میں ہندوستان کیخلاف پروپیگنڈا

مسز کملا دیوی چٹو پادھیا حال میں امریکہ میں ایک طویل عرصہ تک قیام کرنے کے بعد واپس ہندوستان آئی ہیں۔ اس ملک میں قیام کے دوران میں مسز چٹو پادھیا نے تمام ... کا دورہ کیا۔ آپ نے اپنے ایک بیان میں ظاہر کیا ہے کہ متحدہ ریاستہائے امریکہ کے بیشتر باشندوں کو یہ بات ذہن نشین کرائی جا رہی ہے کہ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس میں مختلف مذاہب کے لوگ ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔ اور برسوں سے ہندوستان کے خلاف امریکہ میں جو کیچڑ اچھالا جا رہا ہے۔ اس سے یہ خیال پختہ ہوتا جا رہا ہے ہندوستانی حالات اور واقعات کو غلط پیرایہ میں بیان کرنے کا سلسلہ چند شہنشاہیت پسند برطانوی مصنفین کی طرف سے شروع کیا گیا تھا۔ اور آج معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ بڑے بڑے سرکاری افسر بھی اس میں حصہ لے رہے ہیں۔ چنانچہ مسٹر ایمرے نے حال میں ایک براڈکاسٹ میں بیان کیا ہے کہ اگر آج ہندوستان غلام ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ برطانیہ آزادی کی دیوی کو اپنے ہاں بند کئے ہوئے ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ ہندوستان میں نفاق اور افتراقات کا دور دورہ ہے۔ ان تقریروں کا لازمی نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ اوسط درجہ کے امریکن باشندوں کو اس بات کا یقین ہوتا جا رہا ہے کہ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں جہلا آباد ہیں اور وہاں اگر امن و امان ہے تو محض برطانوی سنگینوں کی برکت سے ہے۔ ورنہ آج وہاں ... خونریزی شروع ہو جائے۔ جہاں یہ طرز عمل ہمارے شہنشاہیت پسند حکمرانوں کے لئے قابل ملامت ہے۔ وہاں ہم اپنے ہموطنوں کو بتلا دینا چاہتے ہیں کہ دوسرے ممالک کے لوگ ہندوستان کے متعلق کچھ ہی خیالات کیوں نہ رکھتے ہوں۔ ہندوستان کی آزادی انہی کی کوششوں سے حاصل ہوگی۔ گذشتہ بیس برس سے امریکہ اور برطانیہ میں روس کی سویٹ حکومت کے خلاف جو پروپیگنڈا کیا جاتا رہا ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے مگر آج جب کہ روس جمہوریت کی سپر بنا ہوا ہے۔ یہی لوگ اس کی بہادری اور ... پر عش عش کر رہے ہیں۔ اسی طرح جب ہندوستانی باہمی جھگڑوں کو طے کر کے تعمیری پروگرام میں لگ جائیں گے۔ اور قوت حاصل کر لیں گے تو کوئی طاقت بھی ان کو آزادی کی دیوی کے درشن کرنے سے روک نہ سکے گی۔

مسٹر جیکر کی اپیل

اگرچہ مسٹر جیکر بھی سیاسی ھکاریوں کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاہم مدراس میں انہوں نے جو کچھ کہا اسے ایک دردمند دل کی پکار کہا جا سکتا ہے۔ انہوں نے گورنمنٹ اور کانگرس دونوں سے اپیل کی کہ وہ ہندوستان کے موجودہ آئینی ڈیڈلاک کو ختم کرنے کی سعی کریں۔ گورنمنٹ سے انہوں نے کہا کہ عوام الناس کا تعاون حاصل کرے تاکہ اس کی جنگی امداد کا لائحہ عمل زیادہ موثر اور نتیجہ خیز ثابت ہو گا۔ کانگرس کے رہنماؤں سے انہوں نے کہا کہ موجودہ ستیہ گرہ بے اثر ہے اس تحریک کو زیادہ زور سے چلاؤ اور اگر گورنمنٹ کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنا تمہارا مقصد نہیں تو اسے بند کر دو اور اپنے گھروں پر واپس چلے جاؤ۔

مسٹر چرچل اور ہندوستان کو غلام رکھنے والے ان کے نائب مسٹر ایمری کے طرز عمل نیز کانگرس کے موجودہ رویہ کے پیش نظر ہمارا خیال ہے کہ مسٹر جیکر کی آواز بہرے کانوں پر پڑے گی۔ گورنمنٹ جھکنا نہیں چاہتی جب تک اسے جھکنے پر مجبور نہ کر دیا جائے۔ کانگرس اسے مجبور کر سکتی ہے لیکن وہ ابھی اس حد تک جانے کے لئے تیار نہیں۔ حکومت کو جنگ کے لئے روپیہ آدمی دونوں مل رہے ہیں۔ پھر کیا اسے باؤلے کتے نے کاٹا ہے کہ وہ گاندھی جی یا مسٹر جناح کے آگے دست سوال دراز کرے۔ باقی رہا ستیہ گرہ کو شدید صورت دینے کا سوال۔ گاندھی جی کا نقطہ نظر اتنا سیاسی نہیں جتنا کہ اخلاقی اور فلسفیانہ ہے۔ جب وہ فوجی سپاہیوں کے لئے سیواگرام سے کمبل بھیج سکتے ہیں تو فوجی بھرتی کے خلاف کوئی موثر اور زوردار تحریک کیوں جاری کرنے لگے۔ وہ کانگرسیوں کے وزارتیں قبول کرنے کے بھی حق میں نہیں۔ الغرض الجھن جوں کی توں بنی ہوئی ہے۔ ان حالات میں یہ امید کرنا کہ آئینی ڈیڈلاک کو دور کیا جا سکے گا ایک سراب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

سندھ کی سیاسیات

سندھ کے وزیر اعظم خان بہادر اللہ بخش عجیب مصیبت میں گرفتار ہیں۔ سندھ کی غیر معمولی صورت حالات کی وجہ سے ان کا کام ہی رہ گیا ہے کہ کبھی سردار پٹیل کے پاس جائیں کبھی مہاتما گاندھی کے اور کبھی جیل میں مولانا ابوالکلام آزاد سے تبادلہ خیالات کریں۔ حال ہی میں وہ الہ آباد جا کر مولانا آزاد سے ملاقی ہوئے۔ اگرچہ خان بہادر اور مولانا دونوں نے متفقہ طور پر یہی فیصلہ کیا کہ اس بارے میں اخباری نمائندوں کو کچھ بھی نہ بتانا چاہئے۔ تاہم سب کو معلوم ہے کہ خان بہادر تبدیلی آب و ہوا کے لئے الہ آباد نہیں گئے تھے۔ نہ ہی سنگم اشنان ان کے سفر کا مقصد تھا وہی پرانا جھگڑا کہ سندھ کے کانگرسیوں کو اللہ بخش وزارت کا ساتھ دینا چاہئے یا نہیں۔ انہیں مولانا کے پاس جیل میں لے گیا۔ اور اس گتھی کو سلجھانے کے لئے وہ شملہ سے سیدھے سیواگرام پہنچے ہیں۔

سندھ کے حالات غیر معمولی ہیں۔ وہاں اگر اسمبلی کے کانگرسی ممبر خان بہادر اللہ بخش کا ساتھ چھوڑ دیں تو ان کی وزارت کا ٹوٹ جانا قدرتی ہے۔ ادھر جبکہ تمام صوبوں میں ستیہ گرہ ہو رہا ہے۔ سندھ کے کانگرسی رہنما بھی جیل میں جانے کے لئے تیار ہیں۔ انہیں شکایت ہے کہ وزارت جیسی غیر اہم چیز کے لئے انہیں کانگرس کے طے شدہ پروگرام پر عمل کرنے کے حق سے محروم کیا جا رہا ہے ہم سندھ کے کانگرسی حضرات کو سمجھ سکتے ہیں لیکن ضبط اور ڈسپلن بھی کوئی چیز ہے۔ جب مولانا آزاد یہ فیصلہ دے چکے اور گاندھی جی

بھی یہ کہہ چکے کہ سندھ کانگرس کو ستیہ گرہ شروع نہیں کرنا چاہئے۔ تو اس حکم کی تعمیل میں پس و پیش کیوں؟ ہمارا یقین ہے کہ جیل گئے بغیر بھی وطن کی خدمت ہو سکتی ہے اور اس کی مثال ہے سندھ۔

سہ گانہ معاہدہ کی دلچسپی

جاپان۔ جرمنی اور اٹلی کے مابین دوستی کا جو معاہدہ ہوا تھا۔ اس کی برسی نہایت دلچسپ طریقہ سے منا لی گئی۔ ہٹلر۔ مسولینی۔ اور شہزادہ کنوئی نے آپس میں تہنیت کے جو نامے و تاروں کا تبادلہ کیا انہیں پڑھ کر حقیقت سے زیادہ تعلی کا احساس ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ دلچسپ تار مسولینی کا ہے۔ جس میں لکھا ہے "عظیم واقعات مکمل ہو چکے ہیں اور عظیم تر واقعات کی تکمیل کی تیاری ہو رہی ہے"

عظیم واقعات کی تکمیل پر حرف۔ لیا اس عظمت کا ثبوت ہے کہ اٹلی میں عوام الناس اور خود اطالوی حکومت کی آزادی سلب ہو چکی ہے؟ جرمن فوجیں روم میں ڈیرا ڈالے پڑی ہیں اور بحیرہ روم میں جسے مسولینی ایک اطالوی جھیل میں بدلنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ ابھی تک انگریزوں کے جنگی جہاز دندناتے پھرتے ہیں۔ جاپان کا بغلیں بجانا بھی بے معنی ہے۔ کیونکہ چین میں اسے پے در پے شکستیں حاصل ہوئی ہیں۔ اس کے پیش نظر یہ جشن مسرت محض ایک تماشا معلوم ہوتا ہے شہزادہ کنوئی اور بالخصوص مسولینی کو تو یہ چاہئے تھا کہ سہ گانہ معاہدہ کی برسی پر اپنی سیاسی حماقتوں کا ماتم کرتے جرمنی کا اظہار مسرت بیجا نہیں۔ کیونکہ وہ گھاٹے میں نہیں رہا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جنگجو ممالک میں سب سے زیادہ ٹھوس فائدہ اس کو پہنچا ہے۔

ہٹلر کی تقریر

ہٹلر نے جو تقریر گزشتہ جمعہ کے روز برلن میں کی۔ وہ بھی لاف و گزاف کی اس خصوصیت سے خالی نہیں۔ جس کے لئے ہٹلر کی تقاریر مشہور ہیں۔ اس نے اپنے رفقا کو بتایا کہ روس ختم ہو چکا۔ ہمارے جرمنوں نے اس کی کمر توڑ ڈالی۔ اس کے ہزاروں ہوائی جہاز اور ٹینک برباد کر دیئے۔ گزشتہ اڑتالیس گھنٹوں سے جرمن فوج نے جو ہنگامہ خیز فوجی کارروائی شروع کی ہے اس کے نتیجے کے طور پر روس جلد ہی نازیوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیگا۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ روسی پولینڈ و یوکرین (اور شاید کریمیا میں بھی) ہٹلر کو روس کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہوئی ہے ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ انگلستان کو چھوڑ کر سارے کا سارا براعظم یورپ جرمنی کا دم چھلا بنا ہوا ہے۔ اٹلی۔ فن لینڈ و رومانیہ روس کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ نیز یہ عین ممکن ہے کہ بلغاریہ بھی جرمنی کی امداد کے لئے میدان میں کود پڑے لیکن بالشویکوں کی بہادرانہ مزاحمت کے پیش نظر یہ کیسے تسلیم ہو گا کہ نازی روس کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے یا عنقریب ہو جائیں گے۔

ہمیں یاد ہے کہ ڈاکٹر گوئبلز نے قسمیں کھا کھا کر اپنی قوم کو یقین دلایا تھا کہ جنگ ۱۹۴۰ء میں ختم ہو جائیگی۔ اب ہٹلر نے جرمنوں کو نہایت خوبصورت الفاظ میں بتایا ہے۔ کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرنے میں ناکام رہا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ جنگ کے طول پکڑنے کی صورت میں جواب تگزیر ہے۔ مفتوحہ ممالک بالخصوص یوکرین کی گندم استعمال کی جاسکے گی۔

فساد کی جڑ برطانیہ

ہٹلر کی تقریر کا سب سے زیادہ دلچسپ حصہ وہ تھا جس میں اس نے ایک بار پھر دنیا کو یہ بتانے کی سعی کی کہ فساد کی جڑ برطانیہ ہے ہٹلر تو چرچل سے صلح کرنا چاہتا ہے لیکن وہ دلدادہ جنگ خواہ مخواہ لڑنے پر مصر ہے۔

برطانیہ یہ جنگ جمہوریت کی حفاظت کے لئے لڑ رہا ہے یا جرمنی پسماندہ قوموں کی حفاظت کے لئے جنگ کرنے پر مجبور ہے۔ ہمیں اس بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ صاف اور سیدھی سی بات تو یہ ہے۔ کہ انسان نہیں لڑتے بلکہ مفاد مصروف جنگ ہیں۔ جنگ عظیم کے بعد برطانیہ سارے یورپ پر چھا گیا تھا۔ اس نے اپنے حسب منشا پرانی سرحدیں توڑ پھوڑ کر نئے ملک بنا لئے اور وہاں نئی حکومتیں قائم کر دیں۔ جرمنی کے بھی کچھ حصے اس سے علیحدہ کر کے اپنے دوستوں میں بانٹ دیئے۔ حتیٰ کہ عرب ممالک کو بھی اپنے دائرہ اثر سے نکلنے نہ دیا۔ یہ سب کچھ پا کر اسے جنگ کرنے کی ضرورت نہ رہی تھی اس لئے بیس اکیس برس تک یورپ میں امن رہا جب جرمنی نے اندرونی طور پر اپنے کو مضبوط کیا تو اس کے پاس مقبوضات تھے نہ نوآبادیاں وہ پڑوسیوں پر چڑھ دوڑا۔ اب اس کے پاس سب کچھ ہے ایک دو ملک نہیں بلکہ سارا براعظم۔ اب اسے جنگ کی کیا ضرورت۔ لڑائی جاری رکھنے کی ضرورت تو برطانیہ کو ہے۔ جس کی مخلوق لیگ اقوام مر گئی۔ جس کے دوست اس کا ساتھ چھوڑ کر اپنی مرضی سے یا بدون مرضی ہٹلر کے "سایہ عاطفت" میں چلے گئے۔ اور جو یورپ میں اکیلا رہ گیا۔ ہٹلر کے اس طعنہ کا جواب صرف یہ ہے۔ کہ جنگ کی ذمہ داری کسی پر نہیں۔ اقتدار کی بھوک اور امپیریلزم کی طمع پر ہے۔ یہ ختم ہو جائے تو آئندہ سو برس میں بھی گزشتہ یا موجودہ جنگ کا اعادہ نہ ہو گا۔

مہاتما گاندھی پر ناروا حملہ

پنجاب کی یونینسٹ گورنمنٹ کے خلاف ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر گوکل چند نارنگ نے چند الفاظ مہاتما گاندھی کے متعلق ایسے کہے جس کے خلاف کانگرسی حلقوں میں کافی غم و غصہ کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ گاندھی جینتی کے روز تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر لالی چند نے سختی سے ڈاکٹر نارنگ کے اس رویہ کی مذمت کی۔ مہاتما گاندھی سے کسی کو کتنے ہی اختلافات ہوں وہ اس قسم کے ناروا حملوں کے مستحق نہیں ہیں۔ گاندھی جی صحیح معنوں میں ایک مہاتما ہیں۔ اور ہر عزت و توقیر کے مستحق ہیں۔ اس غلام آباد ملک میں عوام میں آج جس قدر بیداری اور سیلف ریسپکٹ پائی جاتی ہے۔ یہ سب مہاتما گاندھی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اور صرف یہی ایک ایسا احسان ہے جس کو اہل ہند کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ اگرچہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام لوگ مہاتما گاندھی سے متفق الرائے ہو جائیں۔ یا جو کچھ وہ کہیں اس کو الہام تصور کرنے لگیں۔ ہر شخص کو مہاتما گاندھی سے اختلاف رائے رکھنے کا حق حاصل ہے۔ اور ہم درجنوں مرتبہ اس امر کا اظہار کر چکے ہیں اور مہاتما گاندھی کی چرخہ اور کھدر کی پالیسی کو ہندوستان کے لئے نقصان رساں قرار دے چکے ہیں۔ اسی طرح جن اصحاب کو مہاتما جی سے اختلاف رائے ہو۔ ان کو چاہئے کہ ان کی پالیسی پر نکتہ چینی کر کے پبلک کو اپنا ہم خیال بنا لیں۔ اور اس طرح مہاتما گاندھی کو اپنی رائے تبدیل کرنے یا کانگرس سے قطعی علیحدگی اختیار کر لینے پر مجبور کر دیں۔ لیکن کسی ہندوستانی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مہاتما جی کی شان ... اور ... شان میں غیر شائستہ الفاظ استعمال کرے۔

ریاست ٹراونکور اور مندر

ریاست ٹراونکور نے ایک قانون پاس کیا ہے جس کی رو سے ان تمام مندروں کو سرکاری امداد سے محروم کر دیا گیا ہے۔ جن میں اچھوتوں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہندوستان کی کئی صوبجاتی حکومتوں نے اس سے پیشتر ایسے قوانین وضع کر رکھے ہیں جن کی رو سے ان غیر سرکاری تعلیمی درسگاہوں کو سرکاری امداد نہیں مل سکتی جن میں اچھوت طلبا کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں گورنمنٹ ٹراونکور نے مندروں کے متعلق قانون بنا کر اچھوت ادھار کی طرف ایک بہت بڑا قدم اٹھایا ہے۔ جن مندروں کے پجاری اچھوتوں کو ان مندروں کی دہلیز پر بھی چڑھنے نہیں دیتے ان کو کوئی حق نہیں ہے۔ کہ وہ پبلک فنڈوں سے جس میں اچھوتوں کا حصہ بھی اسی قدر ہے۔ کسی قسم کی امداد حاصل کریں۔ گورنمنٹ ٹراونکور نے تمام پبلک مندروں کے دروازے کھول کر ایک بہت بڑا کام کیا تھا۔ اور اب پرائیویٹ مندروں کو اس طرح سرکاری امداد سے محروم کر کے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے۔ کاش وہاں کی حکومت اپنی اس روشن خیالی کو صرف مندروں تک ہی محدود نہ رکھے۔

جنگ اور آئینی ترقی

ہندوستان میں کسی قسم کی آئینی ترقی ممکن نہیں۔ اس لئے کہ سلطنت برطانیہ جنگ میں مصروف ہے۔ سلطنت برطانیہ کی ایک نوآبادی آسٹریلیا ہے۔ جو نہ صرف جنگ میں ہمہ تن مصروف ہے۔ بلکہ جس کو بحرالکاہل میں جاپان جیسے طاقتور ملک کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ لیکن آسٹریلیا والوں نے چند منٹوں میں وہاں کی گورنمنٹ کو گدی سے اتار کر پھینک دیا اور اب وہاں مزدور پارٹی کی حکومت قائم کی جا رہی ہے۔ لیکن اس تمام انقلاب کے باوجود جنگ کے متعلق اہل آسٹریلیا اور وہاں کی گورنمنٹ کی مساعی بدستور جاری ہیں۔ یہ صرف ہندوستان ہی ہے۔ جہاں جنگ کو ہر اچھے کام سے باز رہنے کا بہانہ بنایا جا رہا ہے۔

جاپان پٹنے لگا

پچھلے ہفتہ جاپان کے محکمہ جنگ نے فخر کے ساتھ یہ اعلان کیا تھا کہ ان کی افواج نے ہونان کے دارالخلافہ چانگشا پر قبضہ کر لیا ہے۔ مگر چنگ کنگ سے جو تازہ ترین خبریں موصول ہوئی ہیں ان کا لب لباب یہ ہے۔

"چینی افواج نے جاپان کے ۵ ڈویژنوں کو چانگشا کے گرد و نواح میں بری طرح گھیر لیا۔ جاپانیوں کے پاس سامان خورد و نوش و گولہ بارود ختم ہو گیا۔ بالآخر انہوں نے اس محاصرہ سے نکلنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں ان کے ۴۱۰۰۰ آدمی مارے گئے اور ۵۰۰۰۰ سے زائد مجروح یا قید ہوئے دو جاپانی ڈویژن کی تمام ہلاک ہوئے۔ اور چینی افواج کو بیش قیمت مال غنیمت ہاتھ لگا۔"

اب جاپان کا محکمہ جنگ اعلان کرتا ہے کہ وہ تو چانگشا پر قبضہ کرنے نہ گئے تھے۔ بلکہ اس پر تو خود بخود قبضہ ہو گیا تھا۔ لیکن جب ہمارا کام ختم ہو گیا۔ ہم واپس لوٹ آئے لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے کہ کوئی فاتح فوج کسی مقام کو از خود نہیں چھوڑتی چین کی یہ کامیابی ان کی اپنی مساعی اور امریکہ و برطانیہ سے سامان جنگ کی امداد کی بدولت ہے۔ اگر امریکہ اور برطانیہ جو شروع میں جاپان کو بھی سامان جنگ بہم پہنچا رہے تھے۔ دانشمندی سے کام لیتے تو آج ان کو بحرالکاہل میں

مسٹر چرچل کے بیان سے وفادار طبقہ کو مایوسی

چند روز ہوئے مسٹر چرچل نے پارلیمنٹ میں جو اعلان کیا تھا کہ ان کے اور مسٹر روزویلٹ کے مشترکہ اعلان آزادی کا نفاذ صرف ان یورپین ممالک پر ہوگا جنہیں جرمنی نے اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ اور اس کا ہندوستان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس افسوسناک بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب کہتے ہیں:-

"مسٹر چرچل کا یہ بیان کہ اٹلانٹک چارٹر کا نفاذ ہندوستان میں نہیں ہوگا۔ افسوسناک ہے۔ کاش مسٹر چرچل نے یہ غیر مدبرانہ بیان نہ دیا ہوتا جس نے ملک میں بے چینی اور اعتراضات کا دروازہ کھول دیا ہے۔ میں صاف الفاظ میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں اس بیان کی ضرورت کو سمجھ نہیں سکا۔ ہندوستان کے متعلق برطانوی وزیر اعظم نے اگر زبان کھولی بھی تو اس طرح کہ سارے ملک میں مایوسی اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔

مسٹر چرچل کے اس بیان نے برطانیہ کے بہی خواہوں کی پوزیشن بہت کمزور کر دی ہے۔ اور ان لوگوں کو ایک نئی دلیل مل گئی ہے جنہیں برطانوی امپیریلزم کا عدم جواز ثابت کرنے کے لئے نت نئے دلائل کی تلاش رہتی ہے۔ وزیر اعظم کے بیان کے دوسرے معنی یہ بھی لئے جا سکتے ہیں کہ وزیر ہند نے چند روز ہوئے ہندوستان کو درجہ نوآبادیات دیئے جانے کے وعدہ کی جو تجدید کی تھی مسٹر چرچل نے اس پر بھی خط تنسیخ کھینچ دیا۔ ضرورت ہے کہ برطانوی حکومت ہندوستانیوں کے ان نئے شبہات کو دور کرنے کے لئے ایک دوسرا بیان جاری کرے۔"

سر سکندر حیات خاں ان لوگوں میں ہیں جن کی وفاداری تمام شبہات سے بالاتر ہے۔ وہ جو کچھ بھی عروج حاصل کر سکے حکومت کے جادہ وفاداری پر گامزن رہ کر۔ اور انہیں اپنے مستقبل کی سربلندیاں بھی حکومت ہی کے دامن میں پوشیدہ نظر آتی ہیں۔ مسٹر چرچل کے خلاف سر سکندر حیات کی شکایت اس لحاظ سے تو بالکل بے معنی ہے کہ وفادار طبقہ حکومت کے ہاتھوں کسی بدترین قومی ذلت پر بھی حکومت کا ساتھ چھوڑ نہیں سکتا۔ لیکن اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر چرچل کا بیان تدبر و معقولیت سے اس قدر خالی ہے کہ وفادار طبقہ نے بھی جو حکومت کے ہر حکم پر بجا و درست کہنے کے لئے تیار رہتا ہے اسے پسند نہیں کیا۔

ڈیفنس آف انڈیا رول کا حملہ ہندو مہا سبھا پر

ہندوستان میں اصلاحات کا سوانگ رچائے جانے کے باوجود پراونشل حکومتیں کس طرح اپنی دقیانوسی بیوروکریٹک ذہنیت کا مظاہرہ کرتی رہتی ہیں اس کی تازہ ترین دلچسپ مثال یہ واقعہ ہے کہ حکومت بہار نے ڈیفنس آف انڈیا رول کے ماتحت اپنی حدود میں آل انڈیا ہندو مہا سبھا کے سالانہ اجلاس ممنوع قرار دیئے ہیں۔ ہندو مہا سبھا کے یہ اجلاس بڑے دن کی تعطیلات میں بمقام بھاگلپور منعقد ہونے والے تھے۔ وہاں کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو ان کے انعقاد پر کچھ اعتراض ہوا اور معاملہ پراونشل گورنمنٹ تک پہنچایا گیا۔ بجائے اس کے کہ مقامی حکومت صرف ایک شہر بھاگلپور میں اجلاس منعقد کئے جانے کی ممانعت کر دیتی۔ اس نے ڈیفنس آف انڈیا رول کے ماتحت ہندو مہا سبھا کو حکم دیا کہ وہ یکم دسمبر ۱۹۴۱ء سے ۱۰ جنوری ۱۹۴۲ء تک بھاگلپور، مونگیر، پٹنہ، گیا، شاہ آباد، مظفر پور اور دربھنگہ کے سات شہروں میں اپنے سالانہ اجلاس منعقد نہ کرے۔ کیونکہ صوبہ کی فرقہ وارانہ فضا مکدر ہو رہی ہے۔

ناظرین جانتے ہیں کہ ہمیں ہندو مہا سبھا کی پالیسی سے شدید اختلافات ہیں۔ اور ہم اسے بدترین فرقہ پرست جماعت سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کے سالانہ اجلاس منعقد ہونے سے پیشتر ہی یہ رائے قائم کر لینا کہ صوبہ کی وہ فرقہ وارانہ فضا جو حکومت بہار کی نااہلی سے اب تک صاف نہیں ہو سکی ہے مزید مکدر ہو جائیگی۔ اور بھاگلپور میں منعقد ہونے والے جلسہ کے خلاف امتناعی حکم کا دائرہ محض پیش بندی کے طور پر سات شہروں تک وسیع کر دینا یقیناً قابل اعتراض اور ڈیفنس آف انڈیا رول کے نام پر آزادی تحریر و تقریر کا خون کرنا ہے۔ اگر ہندو مہا سبھا اپنے اجلاس بھاگلپور میں کوئی ایسا قدم اٹھاتی جو فرقہ پرستی کی آگ کو بھڑکانے والا ہوتا تو حکومت اسے بآسانی قانون کے شکنجہ میں جکڑ سکتی تھی۔ لیکن قیاس کے گھوڑے دوڑانے کی پالیسی ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

جرمن روسی جنگ کا مستقبل

جرمن اخبارات نے پہلی مرتبہ اپنے ناظرین کو یہ بتلانا شروع کیا ہے کہ مشرقی محاذ پر جنگ موسم سرما میں بھی جاری رہے گی۔ صرف اس حقیقت سے اس عظیم الشان جد و جہد کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جو سوویٹ حکومت جرمن افواج کا مقابلہ کرنے کے لئے کر رہی ہے۔ کیف پر قبضہ کرنے کے بعد جرمن ہائی کمان نے یہ اعلان کیا تھا کہ روسی افواج کی مزاحمت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ مگر روسیوں نے اس حقیقت سے نہ صرف زبانی طور پر انکار کیا بلکہ وسطی محاذ پر زبردست جوابی حملے کر کے نیز لینن گراڈ کے محاذ پر جرمن پیشقدمی کو روک کر عملی طور پر ثابت کر دیا۔ کیف کے گرد و نواح میں روسی افواج کی سرگرمیاں ہنوز جاری ہیں۔ روسی مزاحمت کا کہیں ابھی خاتمہ نہیں ہوا۔ یہ حقیقت ہے۔ روسی جس طرح جرمن افواج کا مقابلہ کر رہی ہیں اور حکومت جرمنی جس طرح موسم سرما میں جنگ لڑنے کے انتظامات کر رہی ہے۔ اس حقیقت کا ثبوت ہیں۔

جرمن روسی جنگ کی باتیں ایسی ہیں جن سے ماہرین جنگ جائز طور پر یہ امید کر سکتے ہیں کہ پچھلے تین مہینوں میں روسی فوجوں کو جو علاقہ خالی کرنا پڑا ہے وہ اس جنگ کے لئے روسی شکست کا پیش خیمہ نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اس کے برعکس یہ باور کرنے کے لئے وجوہ موجود ہیں کہ گزشتہ جنگ عظیم کی طرح شکست جرمنی ہی کی ہوگی۔ اس جنگ میں جرمنی کی ملٹری مشین کو جو نقصانات پہنچ چکے ہیں۔ ممکن ہے وہ ابھی کچھ عرصہ تک جرمنی کی حملہ کرنے کی قوت میں کمی کا باعث نہ ہو سکیں لیکن یہ ٹوٹ پھوٹ ایسی ہے جو بظاہر بے ضرر نظر آنے کے باوجود ایک روز اس مشین کے بالکل تباہ ہو جانے کا موجب ہو۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ روسی ملٹری مشین کو بھی کافی نقصانات پہنچے ہیں۔ لیکن یہ بات فراموش نہیں کر لی چاہیئے۔ کہ روسی افواج ایک مدافعتی جنگ لڑ رہی ہیں۔ اس لئے ان کے نقصانات نہ تو حملہ آور فوج کی طرح کثیر التعداد اور نہ ہی اس قدر ضرر رساں ہو سکتے ہیں جیسے کہ جرمن افواج کو ہو رہے ہیں۔ سٹالن نے پسپائی سے قبل دشمن کے کام آنے والی ہر چیز کی تباہی کی جو پالیسی اختیار کی ہے۔ اس سے عارضی طور پر کچھ علاقہ پر قابض ہو جانے کے باوجود بھی حکومت جرمنی کو نقصان ہو رہا ہے۔ کیونکہ جرمن افواج کے استعمال کے لئے چھوٹی سے چھوٹی چیز جرمنی سے ہی لانی پڑتی ہے اس کے برعکس روسی فوجیں جوں جوں پیچھے ہٹتی جا رہی ہیں ان کو ہم رسانی کے وسائل میں سہولتیں ہوتی جا رہی ہیں۔ یورپ اور ایشیا کی سرحد پر کوہ یورال کے علاوہ یورال اور سائبیریا میں روس کی بہت سی جنگی صنعتیں قائم ہیں جہاں سے روسی افواج کو ضروری سامان جنگ فراہم ہو سکتا ہے۔ ادھر حکومت برطانیہ و متحدہ ریاستہائے امریکہ نے جنگی سامان کی امداد کا ایک تانتا باندھ دیا ہے۔ ان حالات میں یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آنے والا موسم سرما جرمنی ملٹری مشین کو زنگ آلود کر کے رکھ دے گا۔ اور موسم بہار کے بعد جرمنی کی شکست یقینی ہو جائیگی۔

گوالیار میں اصلاحات

دسہرہ کے روز ایک دربار کے بعد مہاراجہ گوالیار نے ایک خاص اعلان جاری کیا جس کی رو سے پرجا سبھا میں ممبروں کی کل تعداد ۸۵ کے بجائے ۹۰ ہوگی۔ اور جس میں ۵۰ کے بجائے ۵۵ عوام کے منتخب نمائندے ہوں گے۔ اس طرح پرجا سبھا میں غیر سرکاری منتخب ممبروں کی اکثریت ہوگی۔ اسی طرح دونوں ایوانوں یعنی پرجا سبھا اور راج سبھا کو ایک طرح کے اختیارات ہوں گے۔ اور عمل کا دائرہ نئے فرمان کے مطابق وسیع کر دیا جائیگا۔

دونوں ایوانوں کو ریاستی بجٹ کی مختلف مدوں پر بحث کرنے کا حق ہوگا۔ اور ہر ایوان میں بل پیش کئے جا سکیں گے۔ لیکن پاس اس صورت میں ہو سکیں گے جب دونوں ایوان بل کو اصلی صورت میں یا ترمیم کے ساتھ منظور کرا لیں آخری منظوری مہاراجہ صاحب دیں گے۔ چنانچہ قانون بنانے کے لئے ایک ایوان دوسرے پر غالب نہیں ہوگا۔

امن و امان کے قیام کے علاوہ دوسرے معاملات کے بارے میں قوانین کے نفاذ کا سارا اختیار ہز ہائی نس کی حکومت کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور اگر ضرورت ہوئی تو وہ انتظامی طور پر اپنی رائے پیش کرنے سے پہلے قانونی مشاورتی کمیٹی سے بھی مشورہ کر سکتی ہے۔

مسلمان، بھیل، پسماندہ طبقے اور عورتیں ان میں سے ہر ایک فرقہ اور مفاد کے لئے پرجا سبھا میں کم از کم دو نشستوں کی ضمانت کر دی گئی ہے۔ اور اس امر کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی مفاد یا فرقہ علاقہ وارانہ رائے دہندوں کے ذریعہ ضمانت شدہ نشستوں کے حاصل کرنے میں ناکام رہے تو حکومت فوراً اس کے نمائندے نامزد کر کے کمی پورا کر دے گی۔ پرجا سبھا میں مسلمانوں کے لئے سات نشستوں کی ضمانت کی گئی ہے۔ اور یہ بھی گنجائش رکھ دی گئی ہے کہ اگر علاقہ وارانہ انتخاب کے نتائج مسلمانوں کے حق میں نہیں نکلے۔ تو ان امیدواروں میں جو انتخاب میں ناکام ہوئے تھے حکومت نامزد کر کے کمی کو پورا کر دے گی۔"

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں جمہوریت کا سیلاب اس قدر شدت اور سرعت سے آ رہا ہے کہ مطلق العنانی کے شاندار ترین قلعے اس کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔

امریکہ کو تاریکی میں رکھنے کی کوشش

غلام ہندوستان۔ برطانوی جمہوریت کی سفید چادر پر ایک سیاہ دھبہ ہے۔ اور امریکہ کے لوگ جو محض جمہوریت کے نام پر اسی کی خاطر موجودہ جنگ میں انگریزوں کی مدد کر رہے ہیں۔ اس دھبہ کی طرف اشارہ کرنا کبھی نہیں بھولتے۔ گزشتہ چند ہفتوں میں کئی سرکردہ امریکی اصحاب نے جن میں ایک جج بھی شامل ہے مسٹر ایمری وزیر ہند سے کچھ چبھتے ہوئے سوال کئے تھے۔ مسٹر ایمری نے ریڈیو پر ان کا جواب دیا ہے لیکن یہ جواب جہاں غلط بیانیوں کا مجموعہ ہے وہاں اس میں برطانوی پالیسی کی خامیوں پر پردہ ڈالنے کی بھی سعی کی گئی ہے۔

مسٹر ایمری نے اپنے امریکی دوستوں کو بتایا کہ وائسرائے ہند نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ نہیں کیا۔ نہ انہیں ایسا کرنے کا اختیار تھا۔ مجموعی طور پر یہ طراوہ یہ درست ہو لیکن کون نہیں جانتا کہ اعلان جنگ کرنے والا خود وہ کون ہی ہے؟ اس معاملہ میں ہندوستان کی رائے عامہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ کیا یہی وجہ نہ تھی جس کی بنا پر ملک کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی جنگی امداد کی مساعی سے دستکش ہو گئی؟ مسٹر ایمری نے کہا کہ ہندوستان موجودہ جنگ میں حکومت کی پشت پر ہے۔ اصل تو یہ بات سولہ آنہ درست نہیں۔ کانگرس اور مسلم لیگ جنگی امداد میں حکومت سے تعاون نہیں کر رہیں۔ کانگرس یہی جتانے کے لئے وزارتیں ترک کر چکی ہے۔ اور اب سول نافرمانی کرنے میں مصروف ہے۔ مسلم لیگ کے صدر مسٹر جناح نے کسی مسلم لیگی وزیر اعظم کو ڈیفنس کونسل کی رکنیت قبول کرنے کی بھی اجازت نہیں دی۔

لبرل اور جو دوسرے لیڈر تعاون کر رہے ہیں۔ وہ بھی اپنے اس احساس کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتے کہ حکومت سے ان کی ہمدردی اس لئے نہیں کہ وہ آئینی ترقی اور ملک کو درجہ نوآبادیات دینے کے متعلق اس کی پالیسی سے متفق ہیں بلکہ اس لئے ہے کہ وہ نازیوں کے ظلم کو پسند نہیں کرتے۔ یہی پوزیشن تمام قوم پرستوں کی ہے جنہیں جرمنوں اور انگریزوں میں سے کسی کا استبداد بھی پسند نہیں۔

باقی رہا مسٹر ایمری کا یہ بیان کہ ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ اس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اس سے بڑھ کر غلط بیانی کوئی نہیں ہو سکتی۔ وزیر اعظم خود کہہ چکے ہیں۔ کہ اوقیانوس کے چارٹر کا اطلاق ہندوستان پر نہیں ہوتا۔ برطانوی حکام کا عمل بھی اس بات کا شاہد ہے۔ کہ انہوں نے ہندوستانیوں کو اپنا ملکی آئین مرتب کرنے کی دعوت نہیں دی اگر ان کی یہ دعوت محض دھوکہ کی ٹٹی نہ ہوتی تو کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کا اجلاس بلانے میں کیا حرج تھا۔ اندریں حالات اگر ہم یہ کہیں کہ مسٹر ایمری نے اہل امریکہ کو تاریکی میں رکھنے کی کوشش کی ہے تو کسی انصاف پسند کو اس پر اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔

کاکیشیا کی راہ ہندوستان میں

ہو سکتا ہے کہ کریمیا کی جنگ میں جرمنی کو وہ کامیابی نہ ہوئی ہو جس کا وہ دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کریمیا پر اس کے حملہ کا مقصد کاکیشیا کے تیل کے چشموں پر قبضہ کرنا ہے۔ اگر کاکیشیا ہٹلر کے قبضہ میں چلا جائے تو نہ صرف روس کی مزاحمت تقریباً ختم ہو جائیگی بلکہ نازیوں کو ہندوستان کے دروازوں تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگے گی۔ یہی وجہ ہے کہ جنرل ویول جو اپنی کم گوئی کے لئے مشہور ہیں۔ ایک لفظ کہے بغیر طہران چلے گئے اور وہاں جا کر انہوں نے اس خطرہ کے سدباب کے بارے میں روسی افسروں سے بات چیت کی۔

یہ فیصلہ کرنا ماہرین جنگ کا کام ہے کہ کریمیا کی حفاظت مؤثر طریق پر کیونکر ہو سکتی ہے لیکن یہ بیجا نہ ہوگا اگر اس علاقہ میں روس کی امداد کے لئے فوج بھیجدی جائے۔ اس میں شک نہیں کہ روسی غیر معمولی بہادری سے نازیوں کا مقابلہ کر رہے ہیں لیکن یہ بھی درست ہے کہ ابھی تک اتحادیوں کی طرف سے روس کے کسی بھی محاذ پر فوجی کمک نہیں بھیجی گئی۔ قوم پرست ہندوستان ان امور سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا۔ لیکن اگر انگریز روح بالشوزم کے بھوت سے خوفزدہ ہو کر اپنے مفاد کی طرف سے بھی آنکھیں بند نہیں کریں تو انہیں اس تجویز پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔

ترکی جنگ کے شعلوں میں

گزشتہ جنگ یورپ میں ترکی نے برطانیہ کے خلاف جرمنی کا ساتھ دیا تھا۔ اس وقت اسے اتحادیوں کے ہاتھوں سے بھی نقصان اٹھانا پڑا۔ لیکن ۱۹۲۳ء میں کمال اتاترک نے لاسین کے معاہدہ پر دستخط کر کے ترکی کی پوزیشن مستحکم کر دی۔ اس معاہدہ کے مطابق ترکی کو اپنا وہ علاقہ واپس مل گیا جسے یونان نے دبا لیا تھا۔ ترکی کو بحری طاقت کے معاملہ میں تخفیف اسلحہ کا اصول قبول کرنا پڑا۔ لیکن بعد ازاں جو تبدیلیاں ہوئیں ان کے پیش نظر ترکی نے بحیرہ روم کے نواحی ممالک میں نمایاں اہمیت حاصل کر لی۔ برطانیہ و فرانس اور روس کے ساتھ اس نے اپنے تعلقات بڑھائے اور اسی کے نتیجہ کے طور پر درہ دانیال میں قلعہ بندی کرنے کا مطالبہ اقوام عالم کے سامنے پیش کر سکا۔

۱۹۳۶ء میں بحیرہ اسود کی صورت حالات پریشان کن نہیں تھی۔ لیکن مسولینی نے توسیع مملکت کی جو اسکیم مرتب کی اس سے حالات خراب ہو گئے۔ اس موقع پر ترکی نے دور اندیشی سے کام لیا۔ ۲۰ جولائی ۱۹۳۶ء کو مونٹیرو میں درہ دانیال کانفرنس منعقد ہوئی جس نے ترکی کو درہ دانیال کی قلعہ بندی کرنے کی اجازت دیدی۔ لیکن اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جرمنی نے ترکی کو مطلع کیا کہ وہ روس کے جنگی جہازوں کو بحیرہ اسود سے بحیرہ روم میں جانے کی اجازت دینے جانے کی مخالفت کرتا ہے۔

دو سمندروں کے درمیان ترکی نے ایسی مضبوطی سے قدم جمائے کہ اس کا شمار بڑی بڑی سلطنتوں میں ہونے لگا۔ کچھ عرصہ بعد جب برطانیہ اور فرانس نازیوں سے تنگ آ گئے تو چیمبرلین نے اعلان کیا کہ برطانیہ اور ترکی بصورت جنگ ایک دوسرے کی مدد کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ یہ واقعہ ۱۲ مئی ۱۹۳۹ء کا ہے۔ اس معاہدہ میں فرانس بھی شریک ہوا۔ اس کے بعد جرمنوں کے امکانی حملہ کا مقابلہ کرنے کے لئے ترکی نے روس سے اپنے تعلقات اور بھی مضبوط کر لئے۔ ستمبر ۱۹۳۹ء میں ترکی کا وزیر خارجہ ماسکو جا کر مالوٹوف سے ملا۔ اور پولینڈ کی تسخیر کے متعلق تبادلہ خیالات کرتا رہا۔ اسی مرحلہ پر اس نے محوری طاقتوں سے اس مطلب کا معاہدہ کیا کہ فریقین ایک دوسرے پر حملہ آور نہیں ہوں گے۔

جرمنی کی دھمکیوں سے خوفزدہ ہو کر برطانیہ کا ساتھ چھوڑ دینا ترکی کے لئے نہایت آسان تھا لیکن اس نے اپنی حکمت عملی میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ عراق میں راشد علی کی بغاوت کے وقت بھی اس نے اپنی درست اور مکمل غیر جانبداری کا ثبوت دیا۔

ترکی کے پاس دس لاکھ فوج ہے جس کے سپہ سالار ایک ساٹھ سالہ بزرگ مارشل چقماق ہیں۔ وہ گزشتہ جنگ میں بھی شرکت کر چکے ہیں اور انہیں ہوائی اور بحری جنگ کا بھی کافی تجربہ ہے۔ جرمنی کی فوجی ضروریات دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں اس لئے ترکی کے لئے بھی خطرہ بڑھ گیا ہے۔ جرمنی ایشیائے کوچک کی راہ سویز نہر تک پہنچ کر مشرق وسطیٰ پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا۔ لیکن برطانیہ نے ایران پر قبضہ کر کے اس کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ اب ہندوستان کی طرف بڑھنے کا اگر کوئی راستہ ہے تو وہ جو ترکی ہی سے ہو کر گزرتا ہے یہی نہیں بلکہ جنوبی روس پر اقتدار جمانے کے لئے بھی جرمنی کو ترکی میں سے ہی اپنی فوجیں گزارنا پڑیں گی کوہ قاف کے تیل کے چشموں تک پہنچنے کا راستہ بھی یہی ہے آسٹریا بلقان اور قسطنطنیہ دالتزاہ ہو کر روسی شام اور قاف کے

دارالخلافہ انقرہ تک ریلوے لائن گئی ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دشمن اس مہم میں کس حد تک کامیاب ہو گا کیونکہ بحیرہ اسود کا روسی بیڑہ جرمنی کے مقابلہ میں کہیں زیادہ طاقتور ہے۔ جرمنی رومانیہ اور بلغاریہ ہی کے ذریعے اس مہم کو عمل میں لا سکتا ہے۔ البتہ اگر درہ دانیال اور خلیج باسفورس کے راستوں سے اٹلی کے جہاز نکل سکیں تو حالات کا بدل جانا ناممکن نہیں۔

بفرض محال اگر ترکی اور دوں ملک کے آبی راستوں سے جنگی جہازوں کو گزرنے کی اجازت دیدے تو یہ معاہدہ مونٹیرو کی صریح خلاف ورزی ہوگی۔ تاریخ شاہد ہے کہ ترکی نے مستقل ہمیشہ فتح پائی ہے۔ لہٰذا کوئی بھی ترکی حکومت اس قدیم رواج کی خلاف ورزی نہ ہونے دیگی۔ اگر ترکی نے اس مرحلہ پر حملہ آوروں کا مقابلہ کیا تو روسی بیڑا بھی اس کی مدد کر سکے گا۔ پھر بھی ترکی کی حالت خالی از تشویش نہیں۔ یورپی سرحدوں پر اس نے مضبوط قلعہ بندیاں کر رکھی ہیں علاوہ ازیں بلغاریہ کی سرحد پر ایڈریانوپل بھی ایک اچھا قلعہ ہے۔

ساحل ترکی کے آس پاس جو جزیرے پہلے یونان کے قبضہ میں تھے اب ان پر جرمن اور اطالوی پرچم لہرا رہے ہیں اس لئے بھی ترکی کے لئے دشمن فوجوں کا خطرہ زیادہ بڑھ گیا ہے کریٹ پر جرمن قبضہ سے پیشتر برطانیہ کے لئے اپنا بحر روم کا بیڑا ترکی کی امداد کے لئے بھیجنا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا لیکن اب وہ بات نہیں رہی جزیرہ لیمناس جو درہ دانیال کے دروازے پر واقع ہے جرمنی کے قبضہ میں ہے۔ ترکی کی زبردست تجارتی بندرگاہ سمرنا کے بالکل قریب جزائر پر بھی جرمنوں کی حکومت ہے۔ اس کے علاوہ ڈوڈیکانیز جزائر اور بالخصوص روڈس سے اطالوی فوج ترکی کے کئی صوبوں پر بحری و ہوائی حملے کر سکتی ہے۔ اس سمت سے ترکی ساحل پر اترنے والی فوج اس ترکی فوج کے لئے نہایت خطرناک ثابت ہوگی جو درہ دانیال اور باسفورس کے شمالی حصہ کی حفاظت پر مامور ہے۔ بلغاریہ کی بندرگاہوں ورنا اور برگوس سے بھی بحیرہ اسود کی راہ ترکی پر حملہ ہونا ممکن ہے لیکن اس قسم کی کوشش کے لئے یہ ضروری ہے کہ بحری راستہ سے جانے والی افواج کی مدد کے لئے ایک بہت بڑا ہوائی بیڑہ بھی ان کے ہمراہ ہو یہ بیڑا اتنا طاقتور اور زبردست ہونا چاہئے کہ بحیرہ اسود میں مقیم روسی اور ترکی بیڑوں پر فوقیت حاصل کر سکے۔

برطانیہ اور روس معاہدوں کی رو سے ترکی کو مدد دینے کے پابند ہیں۔ برطانیہ بحری راستے سے سکندریہ تک کمک پہنچا سکتا ہے اور ایران کے راستہ موصل سے امداد دی جا سکتی ہے اس غرض کے لئے جنوبی ایران اور عراق کے ہوائی اڈے بھی مفید ثابت ہونگے۔

روسی فوجیں بحیرہ اسود کی نوووسیسک جوبی اور والسم بندرگاہوں سے ترکی پہنچ سکتی ہیں۔ کیونکہ ترکی کا جو حصہ یہاں سے قریب ہے۔ وہاں ریلوں کی کمی نہیں کوہ قاف سے وسط ترکی تک ہوائی اڈوں کا بھی تعلق ہے۔

اپنے خاندان کی تندرستی کی حفاظت کیجئے



اگر آپ اپنے خاندان کے افراد کی تندرستی کی قدر کرتے ہیں تو ان کو وائیلا (رجسٹرڈ) کے کپڑے پہنا کر زکام اور سردی سے ان کی حفاظت کیجئے۔ وائیلا (رجسٹرڈ) برطانیہ میں تیار کیا جاتا ہے۔ اس کی تیاری میں بہترین خام مصالحہ استعمال ہوتا ہے۔

دھوپ اور دھلائی سے اس کا رنگ نہیں اُڑتا۔ نیز سکڑتا نہیں۔ اس کے ایسا ہونے کی ضمانت کی جاتی ہے۔

یہ کفایت بخش بھی ہے۔ یہ برسوں تک چلے گا اور تب بھی اس کی بناوٹ کی خوبصورتی قائم رہے گی۔ دغاباز تاجروں کے دھوکہ میں نہ آیئے جو آپ کو اتنا ہی اچھا ہونے کا یقین دلا کر گھٹیا کپڑا خریدنے کی تلقین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں بہت سے بددیانت بھی ہوتے ہیں۔ اور وہ ان گھٹیا کپڑوں کو وائیلا بتا کر بیچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کپڑے کے کنارے پر نام چھپا ہوا ہمیشہ دیکھ لیا کیجئے۔

وائیلا (رجسٹرڈ) تمام اچھی قسم کے بزازوں کے ہاں ملتا ہے

'Viyella'

REGD

DAY & NIGHT WEAR

تیار کرنے والے:۔ ولیم ہالنز اینڈ کمپنی لمیٹڈ کیسل بولی وارڈ نوٹنگھم انگلستان

خوردہ فروش اپنی ضروریات کے لئے تھوک نرخوں پر مندرجہ ذیل فرموں سے مال خرید سکتے ہیں:۔
ہرگوبند برادرس کنڑہ چوپڑہ چاندنی چوک دہلی یا حاجی محمد جان موسیٰ کراچی والا چکلہ سٹریٹ بمبئی اور حاجی اسماعیل حاجی عمر اینڈ کمپنی چکلہ سٹریٹ بمبئی۔

کلب لیڈی:۔
"آپ برانڈی خریدیں تو پہلے کیا چیز دیکھتے ہیں؟"
کلب مین:
"دی بیری لیبل"



Berr Brandy

سول ایجنٹس:۔
ٹی ہوٹن داس اینڈ کمپنی
پوسٹ آفس بکس ۲۵ کراچی

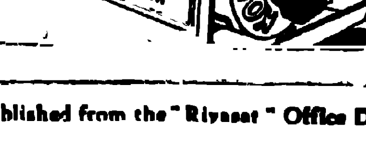
بچوں کو اس مزید حفاظت کی ضرورت ہے



بڑھتے ہوئے بچوں کو منہ کے اندر والے جراثیم کا بہت خطرہ رہتا ہے۔ یہ دانتوں کو گلانے کا موجب ہوتے ہیں۔ آپ ایسا ہونے سے روک سکتے ہیں۔ اپنے بچوں کو باقاعدہ کالینوس Kolynos سے دانتوں پر برش کرنے کے لئے کہئے۔ یہ سائنٹفک جراثیم کش دانتوں کا منجن ہے جو صرف دانتوں کو جلدی صاف ہی نہیں کرتا بلکہ ان کی حفاظت بھی کرتا ہے اور خطرناک جراثیم کو تلف کرتا ہے۔

بچوں کو کالینوس Kolynos سے دانتوں کو برش کرنے کے لئے رضامند کرنا آسان ہے کیونکہ وہ اس کے ٹھنڈک اور تازگی بخش ذائقہ کو پسند کرتے ہیں۔

کفایت کیجئے
بڑی ٹیوب خریدئے
کالینوس Kolynos میں
جانوروں کی چربی مطلق شامل نہیں اور
تیاری کے دوران میں اس کو ہاتھ
سے نہیں چھوا جاتا۔



KOLYNOS

the economical

DENTAL CREAM

Printed at Jayyed & Ranjit Press Delhi and Published from the "Riyasat" Office Delhi. Printer Publisher & Editor Mr Zaffar Ahmad.

حکایت و افسانہ

احساسِ گناہ

(از روشن پشیالوی بی اے)

ٹھاکر گنگا سنگھ لکھنؤ کے پشتینی رئیس تھے۔ ان کی جائداد اور آمدنی کا اندازہ لگانا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ کروڑوں روپیہ سالانہ کی آمدنی تھی۔ ملک کے طول و عرض سے ان کا کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ بڑے بڑے تمام شہروں میں ان کی کوٹھیاں تھیں وہ زمین کا تو کچھ اندازہ ہی نہ تھا۔ کئی سالم سالم گاؤں ان کی ذاتی ملکیت تھے۔ بہت سی زمینیں رہن و بیع ہو کر عرصہ سے ان کے قبضہ میں چلی آتی تھیں۔

ٹھاکر گنگا سنگھ کی دوسری شادی پٹنہ کے مشہور ساہوکار جگت سنگھ کی لڑکی سدھا سے ہوئی تھی۔ یہ شادی ان کے حقیقی بھائی دھیر سنگھ کے لئے ایک ناگہانی آفت ثابت ہوئی۔ سدھا کے دل شکن حسن نے صبر و تحمل سے دیوانہ دھیر سنگھ نے دل بیقرار کر دیا۔ اس کے روئے آتشیں نے اس کے دل میں آتش عشق روشن کر دی اور وہ اس میں جلنے لگا۔ وہ ہر وقت سدھا کے خیال میں غلطاں و پیچاں رہنے لگا۔

عشق کیا ہے؟ ساغر شراب بیخودی جس کے نشہ کے زیر اثر انسان میں بھلے برے کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ دھیر سنگھ اپنی بااصول زندگی و شریفانہ اطوار کے لئے مشہور تھا۔ چھوٹے بڑے سب اس کی عزت کرتے تھے۔ اسے اپنی خواہشات پر قابو ہونے کا غرور تھا۔ مگر اب وہی دھیر سنگھ بے چین و مضطرب تھا اس کا دل ہر وقت بیقرار رہتا تھا۔ دن رات وہ سوچتا تھا اور غور کرتا تھا۔ غور کرتا تھا اور سوچتا تھا۔ اس عشق کا کیا انجام ہوگا؟ میں کیسے برے راستے پر چلنے لگا ہوں۔ بڑے بھائی کی عورت ماں کی طرح ہوتی ہے۔ مگر میں اس پاک رشتہ کو نفسانی جذبات کے زیر اثر پامال کر دینے پر تلا ہوا ہوں۔ آہ کیا مجھے صدائے آتشیں نازل نہ ہوں گی؟ کیا مجھے اس کی سزا نہ ملے گی؟ ملے گی اور ضرور ملے گی۔

لیکن کیا میں اس خیال گناہ، سزا و جزا کے خوف سے سدھا کے عشق کو دل سے نکال سکتا ہوں .... یہ بھی غیر ممکن ہے۔ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہو سکتا ہے۔ ماہتاب ٹھنڈک کی بجائے آگ برسا سکتا ہے۔ غیر ممکن ممکن ہو سکتا ہے۔ مگر میں اس خیال کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میرا اس کے بغیر زندہ رہنا بالکل ناممکن ہے۔ تو پھر کیا کروں؟ کس طرح اس کے دل پر قابو پاؤں کس طرح سے اپنا بناؤں۔ اگر میں کبھی محبت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہوں تو وہ نفرت و حقارت سے دوسری طرف منہ پھیر لیتی ہے۔ یہ خیالات تھے جو اکثر دھیر سنگھ کے دماغ میں اٹھتے رہتے تھے۔

(۲)

"اب مجھے تھوڑا عرصہ کیلئے شہر جانا پڑے گا" ——— ٹھاکر گنگا سنگھ نے اپنی بیوی سدھا سے حسرت آمیز لہجہ میں کہا

سدھا نے سوال کیا۔ "کس لئے؟"

"میں کاموں کو سلجھانے نہیں جاتا۔"

"کیا مختار وغیرہ کام نہیں کر سکتے۔"

"اگر وہ اپنے فرائض کو دیانتداری سے سرانجام دیں تو یہ گڑبڑ ہی کیوں ہو۔ تم جانتی ہی ہو کہ ان میں خود غرضی و مطلب پرستی کا مادہ ہے۔ مختار مزارعان سے مل کر روپیہ ہضم کر جاتے ہیں اور اپنے ذاتی اغراض پر زمیندار کے مفاد کو قربان کر دیتے ہیں۔"

"تو آپ کب تشریف لے جائیں گے؟"

"مجھے منیجر کے خط کا انتظار ہے۔ میں نے اسے تمام حالات پر مفصل روشنی ڈالنے کے لئے ایک تاکیدی خط لکھا ہے۔ کیونکہ یہی ایک شخص قابل اعتبار ہے اس کا جواب آنے پر میں جانے کی صحیح تاریخ مقرر کر سکوں گا"

"اگر آپ کو وہاں جانا ہی پڑا تو ٹھہرنا کتنی دیر پڑیگا!"

"دو تین مہینے سے کم کیا لگیں گے"

"دو تین مہینے؟" ——— سدھا نے حیرت زدہ ہو کر کہا اور گنگا سنگھ کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "پیچھے میرا کیا حال ہوگا۔ اکیلے پڑے پڑے طبیعت کیسے لگے گی۔ کیا میں بھی اپنے میکے نہ چلی جاؤں۔"

"یہاں بھی تو کسی کا رہنا ضروری ہے۔ تمہارا چھوٹا بھائی وجے سنگھ بھی تو نہیں ہے اسے میری واپسی تک اپنے پاس رکھنا وہ تمہاری دلجوئی کرتا رہے گا اور اسی طرح وقت گذر جائے گا میرا دل تو خود تمہیں چھوڑنے کو نہیں چاہتا۔ مگر کیا کروں۔ مجبوراً ایسا کرنا پڑے گا۔"

"تو پیچھے یہاں کی نگرانی کون کرے گا؟"

"میرا چھوٹا بھائی دھیر سنگھ اس کام کے لئے سب سے زیادہ موزوں شخص ہے۔ تمام انتظام اس کے ہی سپرد کر جاؤں گا۔"

سدھا نے جواب نہ دیا۔ اتنے میں وجے سنگھ آگیا اور گفتگو کا موضوع تبدیل ہو گیا

(۳)

سردیوں کی ایک رات تھی انتہائی سرد۔ خون کو منجمد کر دینے والی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ کوئی بارہ بجے کا عمل ہوگا۔ دھیر سنگھ بستر پر پڑا سوچ رہا تھا۔ اسے نیند نہ آتی تھی وہ ایک عجیب بے چینی کی حالت میں کروٹیں بدل رہا تھا۔ آخر وہ کچھ سوچ کر اٹھا۔ کپڑے پہنے اور ایک کمبل اوڑھ کر کمرے سے باہر آیا اور سدھا کے کمرے کی طرف بڑھا چاروں طرف مکمل سناٹا تھا۔ گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس کا دل کسی عجیب خوف و ہراس سے کانپ رہا تھا۔ دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ اور ذراسی آہٹ سے اس کا تمام جسم لرز جاتا تھا۔ قدم رک جاتے تھے اور وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سہمی ہوئی حالت میں ادھر ادھر دیکھنے لگتا تھا جب اسے یقین ہو جاتا کہ اسے کوئی دیکھ نہیں رہا ہے تو وہ آہستہ آہستہ پھر آگے بڑھنے لگتا۔ آخر وہ سدھا کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ باندی نے مزاحمت نہ کی۔ کیونکہ وہ دھیر سنگھ کو جانتی تھی اور دوسرے دھیر سنگھ اسے پہلے ہی ان میں مل کر خاموش رہنے کے لئے کافی رشوت دے چکا تھا۔

اس نے آہستہ آہستہ دروازہ کھولا۔ اور دھڑکتے ہوئے کمرے کے اندر قدم رکھا۔ سدھا دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر نیند کے مزے لے رہی تھی۔ کمرہ نہایت پر تکلف تھا۔ پلنگ نہایت بیش قیمت و خوب صورت اور کپڑے نہایت خوش وضع تھے۔ سدھا کی زلفیں بکھری ہوئی تھیں۔ دوپٹہ کے سرک جانے سے سینہ کچھ کھل گیا تھا۔ چراغ کی مدہم روشنی اس کے رخساروں پر پڑ کر انہیں زیادہ خوشنما و جاذب توجہ بنا رہی تھی ...... آہ! اس کا معصوم سویا ہوا حسن کس قدر کشش انگیز و روح پرور تھا۔ دھیر سنگھ کے دل میں آیا کہ وہ بیتابانہ آگے بڑھ کر اسے اپنی آغوش میں لیکر جی بھر کر پیار کرے۔ مگر پھر کسی خیال سے وہ رک گیا اور سوچنے لگا "اگر یہ نہ مانیگی تو میں زبردستی اس کے دامن عصمت کو تار تار کر دونگا اس وقت کون اس کی مدد کو آسکتا ہے۔ اگر یہ شور مچانے کی کوشش کرے گی تو میں منہ میں کپڑا ٹھونس دوں گا۔ اب جلدی کرنی چاہیئے۔ کہیں اور گڑبڑ نہ ہو جائے۔" وہ یہ خیال کر کے آگے بڑھا۔ پلنگ کے قریب پہنچ گیا۔ مگر سدھا کو ہاتھ لگانے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اس کے برق حسن نے دھیر سنگھ کے جذبات ہمت کو شکستہ کر دیا۔ وہ سہما ہوا کچھ سوچ رہا تھا کہ اس نے دیکھا سدھا کا رنگ یکلخت زرد پڑ گیا۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے جھلکنے لگے .... اتنے میں وہ ہلکی سی چیخ مار کر اور کروٹ بدل کر بیدار ہو گئی۔ "اف کیسا خوفناک خواب تھا" ——— اپنا دوپٹہ سنوار کر جب اپنے سامنے دیکھا تو کوئی آدمی کھڑا تھا۔ وہ پلنگ پر اٹھ بیٹھی یکلخت نیند سے بیدار ہونے کی وجہ سے وہ فوراً اپنے سامنے کھڑے ہوئے انسان کو پہچان نہ سکی اور اٹھ کر دروازہ کی طرف بڑھنے لگی مگر دھیر سنگھ نے اس کے جذبات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "بھابی صاحبہ! آپ گھبرائیں نہیں .... میں ہوں دھیر سنگھ!"

"کیسا بھیانک نظارہ دیکھا .... اب تک دل دھڑک رہا ہے" ——— سدھا نے اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

دھیر سنگھ نے سدھا کی طرف پیاسی نگاہوں سے دیکھا۔





میرا کیا بگاڑا تھا کہ مجھے غلط راستے پر چلنے سے روکا:—— آہ میں احسان فراموش ہوں!...... مجھے تو اس کا ممنون ہونا چاہیئے تھا مگر میں نے کیا کیا؟—— اس کے روشن مستقبل کو بالکل تاریک بنا دیا"—— یہ خیالات ہر وقت سے تنگ کرنے لگے۔ اور اس نے دنیوی کاموں میں حصہ لینا بالکل چھوڑ دیا۔ اکثر اپنے کمرے میں گھنٹے بند کئے پڑا رہتا۔ گنگا سنگھ حیران تھے کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔

ایک دن گنگا سنگھ نے سنا کہ دھیر سنگھ کو سخت بخار ہے وہ اس کی مزاج پرسی کے لئے اس کے کمرہ میں گئے۔ پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تو بری طرح پھنک رہی تھی گنگا سنگھ نے سنا کہ دھیر سنگھ نے سے بلانے کی کوشش کی مگر شدت بخار کی وجہ سے دھیر سنگھ کے دماغ پر غنودگی طاری تھی اس لئے وہ کسی بات کا صحیح طور پر جواب نہ دے سکا۔

بہترین بقال طبیبوں کی ادویات، اور مکمل غور و پرداخت کے باوجود اس کا مرض کم نہ ہوا۔ اور وہ اندر ہی اندر گھلتا رہا۔

گنگا سنگھ حسب معمول دھیر سنگھ کے کمرے میں سر جھکائے بیٹھے تھے۔ کہ ان کا ایک وفادار نوکر سریند سنگھ آیا اور باقاعدہ کورنش کرنے لگا۔ حضور! یہاں سے کچھ فاصلہ پر ایک جوگن کہیں سے گھومتی پھرتی آئی ہے۔ جو ہر قسم کے امراض کی دوا دیتی ہے۔ چند روز کے قیام میں ہی اس نے کافی شہرت حاصل کر لی ہے۔ بہت سے نا امید مریضوں کو اس کے دست مبارک سے دولت تندرستی حاصل ہوئی ہے۔ اگر حضور کی رائے ہو تو اسے بلا کر چھوٹے ٹھاکر کو دکھا دیا جائے۔ شاید کوئی فیض ان کا مفید ثابت ہو اور ان کی جان بچ جائے۔

گنگا سنگھ نے سر اوپر اٹھا کر کہا۔ ہاں ہاں کیا ہرج ہے؟ آج ہی ایک آدمی اس کے پاس بھیج دو۔ اور تمام حالات بیان کر کے اسے عزت کے ساتھ لے آؤ۔

نوکر آداب بجا لا کر چلا گیا

(۸)

شام ہوتے ہوتے گنگا سنگھ کے آدمی جوگن کو لیکر آ گئے۔ گنگا سنگھ نے بڑی عقیدت سے اس کا استقبال کیا۔ اور اسے دھیر سنگھ کے کمرے میں لے گئے۔ جوگن نے دھیر سنگھ پر سرسری نظر ڈال کر اور گنگا سنگھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میرے اور آپ کے سوا اس کمرے میں اور کوئی نہیں ہونا چاہیئے۔ تب ہی اس کا علاج ہو سکے گا!"

گنگا سنگھ نے فوراً نوکروں اور دیگر متعلقین کو کمرے سے باہر جانے کے لئے کہا اور وہ باہر چلے گئے۔

کمرے میں ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا جس سے دھیر سنگھ کے پلنگ کے ارد گرد کچھ روشنی تھی باقی تمام جگہ اندھیرا سا چھایا ہوا تھا۔ گنگا سنگھ جوگن کی پیٹھ کے پیچھے ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ جہاں سے انہیں جوگن کا چہرہ صاف دکھائی دیتا تھا۔

جوگن دھیر سنگھ کے پلنگ پر بیٹھ گئی اور آہستہ سے اپنے چہرے پر سے مصنوعی جھلی اور بھبھوت اتار کر اس نے دھیر سنگھ کے کان میں زور سے کہا۔ دیکھو! میں کون ہوں؟——

دھیر سنگھ گویا خواب سے چونکا۔ وہ یکلخت پلنگ پر اٹھ بیٹھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ ہوتا تھا۔

دھیر سنگھ کو اس تذبذب و کشمکش کی حالت میں دیکھ کر گنگا سنگھ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر جوگن کے سامنے آئے......... بیٹا .... یہ کیا؟

وہاں جوگن نہ تھی بلکہ ان کی پیاری بہو سدھا تھی!—— ان کی حیرانی کی کوئی حد نہ رہی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولے دھیر سنگھ اٹھ کر سدھا کے قدموں میں گر گیا، اور کہنے لگا۔

"دیوی ...... میں پاپی ہوں ...... گنہگار ...... —— میرے قصوروں کو معاف کر دو تا کہ میں چپ سے موت کی گود میں چلا جاؤں"۔

سدھا نے اس کی ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا۔ "دھیر سنگھ تم اتنے نا امید کیوں ہوتے ہو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ انسان سے آخر غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ میں دل سے تمہارے قصور کو معاف کرتی ہوں!"

اس کے بعد دھیر سنگھ نے گنگا سنگھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

بھائی صاحب! میں نے نفسانی خواہشات کے زیر اثر اس عصمت مآب کو بدنام کیا۔ یہ ایک گوہر نایاب ہے۔ اس کی قدر و قیمت کو جاننا آسان نہیں۔ میں آپ سے بھی معافی چاہتا ہوں کہ میں نے آپ کو دھوکہ دیا.... .... اسے .... یہ کہتے کہتے دھیر سنگھ بیہوش ہو کر پلنگ پر گر پڑا۔ ایک ہچکی آئی اور اس کا دم نکل گیا۔

احساس گناہ کتنا مہلک ہوتا ہے۔



تاریخ و تمدن

انگلستان کا جھنڈا

(نارمن ہسن)

برطانوی جہازوں پر جو سرخ سفید اور نیلا جھنڈا لہراتا ہے وہ محض ایک نشان نہیں بلکہ تاریخ برطانیہ کی ایک بیش قیمت پیداوار ہے۔ انگریز اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کی عزت کی حفاظت کے لئے قربان ہونے کو تیار رہتے ہیں۔ اور اس کی توہین گوارا نہیں کر سکتے۔ غیر یورپی ممالک میں یہ جھنڈا ملوکیت اور غلامی کا نشان ہے لیکن یورپی ممالک میں آزادی و جمہوریت کا علمبردار۔

ایک عام انسان کے دل میں برطانوی بیڑے پر لہرانے والے جھنڈے کو دیکھ کر کئی سوالات رکھتے ہیں۔ شاہی بیڑے کے جہازوں پر سفید جھنڈے کیوں لہراتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ کچھ جہازوں کے جھنڈے کا رنگ سرخ اور کچھ کے جھنڈے کا رنگ نیلا ہوتا ہے۔ شاہ انگلستان کے جھنڈے کی زمین ایک ہی رنگ کی کیوں نہیں۔ اس میں مختلف رنگ کیوں بھرے گئے ہیں؟

تمام برطانوی جھنڈوں میں دو میں سے ایک بات ضرور ہوتی ہے۔ وہ ان سفید زمین پر سرخ آڑی لکیریں۔ یہ لکیریں صلیبی مذہبی جنگوں میں حصہ لینے والے بہادروں کے ان کوٹوں سے لیگئی ہیں جو زرہ بکتر کے اوپر پہنے جاتے تھے۔ دوم شیروں کا جوڑا۔ یہ فاتح انگلستان ولیم کے جھنڈے کی نقل ہے۔ ولیم نے ۱۰۶۶ء میں سرزمین انگلستان پر قدم رکھا تھا۔

بادشاہ جب بکنگھم محل میں اقامت گزیں ہوتا ہے تو محل شاہی پر شاہی جھنڈا لہرایا کرتا ہے۔ دن کی روشنی میں اس جھنڈے کے سرخ و سنہری رنگ نہایت خوبصورت چمکتے ہیں شاہی جھنڈا ہمیشہ ہی انگلستان کے شاہوں اور بیگمات کی ذاتی عزت و وجاہت کا نشان رہا ہے اسے صرف بادشاہ اور ملکہ کی موجودگی ہی میں لہرایا جاتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ سو برس پہلے تک برطانوی بحری بیڑہ کا افسر اعلیٰ سمندروں میں اس کا استعمال محض بادشاہ کی نمائندگی کرنے کے لئے کیا کرتا تھا۔

یونین جیک کی ابتدائی تاریخ کے متعلق بہت کچھ نہیں کہا جا سکتا سفید زمین پر سرخ آڑی لکیریں سینٹ جارج نامی بزرگ کا نشان ہیں یہ نشان عیسائیوں کے مذہبی لڑاکوں کی پوشاک پر سنہ ۱۲۹۰ء سے موجود رہا ہے۔ برطانیہ کی تاریخ میں اس نشان کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ سولہویں صدی میں یہ برطانوی جھنڈے کی سب سے بڑی خصوصیت تھی

اس کے بعد شاہ جیمس اول نے نیلی زمین پر سفید لکیریں بھی جھنڈے میں شامل کر لیں۔ ان لکیروں کی شکل انگریزی کے حرف "ایکس" کی مانند تھی۔ یہ سکاٹ لینڈ کے مذہبی پیشوا سینٹ اینڈریوز کا نشان ہے جنہوں نے اپنے دین کے لئے جان قربان کر ڈالی تھی۔ اس طرح انگلستان اور سکاٹ لینڈ کے جھنڈوں کے ملنے ہی سے یہ جھنڈا "گریٹ یونین" یا اتحاد عظمیٰ کہلایا سو برس کے بعد ہی جھنڈا یونین جیک کے نام سے مشہور ہوا۔ کیونکہ شاہ جیمس اپنے دستخط "جیکس" کیا کرتے تھے۔

اس متحدہ جھنڈے میں کئی اور بھی ترمیمیں ہوئیں سنہ ۱۶۴۹ء و سنہ ۱۶۶۰ء کے درمیان کرامویل نے آئرلینڈ کو فتح کیا۔ اور آئرلینڈ کے قومی نشان ہارپ (بربط کی مانند ایک ساز) کو بھی جھنڈے میں شامل کر لیا۔ بادشاہوں کے

برسراقتدار آنے پر شاہ ... نے اس نشان کو جھنڈے سے ہٹا دیا۔ ۱۸۰۱ء میں برطانیہ سے آئرلینڈ کے ملنے پر جھنڈے میں سفید زمین پر سرخ لکیریں بھی شامل کر لی گئیں۔ یہ لکیریں جھنڈے کے ایک کونے کو دوسرے کونے سے ملاتی تھیں۔ یہ نشان آئرلینڈ کے مذہبی پیشوا سینٹ پیٹرک کا نشان ہے۔ تیسرے نشان کو جھنڈے میں شامل کرنا مشکل تھا لہٰذا احتیاط کی گئی کہ اس کی لکیریں دوسری لکیروں میں مل نہ جائیں۔

تین اور جھنڈے بھی ہیں، ایک سفید ہے دوسرا سرخ اور تیسرا نیلا۔ سفید جھنڈا بحری بیڑے کے لئے مخصوص ہے۔ سرخ جھنڈا غیر فوجی جہاز پر لہرایا جاتا ہے۔ نیلے جھنڈے کا استعمال بحری بیڑے کے ریزرو فورس کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ڈاک و تار کے محکمہ جات بھی نیلے رنگ کا جھنڈا استعمال کرتے ہیں۔ یہ جھنڈا اکثر ہندوستان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

یونانیوں سے لڑنے والے پرانی بادشاہوں کے وقت ہی سے فوجیں جھنڈوں کو اپنا نشان مانتی رہی ہیں۔ برطانوی فوج کی موجودہ تشکیل سترہویں صدی میں ہوئی تھی۔ لیکن جھنڈے کے اپنے اپنے جھنڈے عرصے سے چلے آ رہے ہیں۔ پہلے سپاہیوں کی کوئی وردی نہ ہوتی تھی اس لئے ان میں فوجی ضبط قائم رکھنے کے لئے جھنڈوں کی ضرورت تھی جھنڈے کی حفاظت کا کام معتمد افسروں کے سپرد کیا جاتا تھا۔ ۱۸۵۸ء میں اس کام کے لئے الگ افسر مقرر کر دئے گئے۔

فوج کے جھنڈوں کو رجمنٹوں کی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان پر کسی فرد واحد کا قبضہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ زمانہ قدیم میں جھنڈے کے پھٹ جانے پر اسے ضائع نہیں کرتے تھے بلکہ کسی عام جگہ پر لٹکا دیتے تھے۔ اب بھی کئی پرانے گرجا گھروں میں اس قسم کے جھنڈے دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہ جھنڈے ان گرجا گھروں میں لٹکائے جاتے تھے جن کا کچھ نہ کچھ جھنڈے والی رجمنٹ سے ہوتا تھا۔

ہر ایک بٹالین کے دو جھنڈے ہوتے ہیں۔ ایک بادشاہ کا جھنڈا، دوسرا رجمنٹ کا اپنا جھنڈا۔ رجمنٹوں کے جھنڈوں میں یونین جیک بھی کسی نہ کسی شکل میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ دو جھنڈے رکھنے کا رواج ولیم سوم کے زمانہ سے ہے۔ شاہی جھنڈے کا استعمال صرف ان کی موجودگی ہی میں کیا جاتا ہے۔ رجمنٹ کا جھنڈا اس رجمنٹ کے بڑے افسر کے مکان پر لہراتا ہے اور خاص افسر اور رجمنٹ کی سالانہ تقاریب وغیرہ پر اس جھنڈے کی نمائش کی جاتی ہے۔

جنگ چین میں چینی قوم کا حصہ

۱۹۳۷ء کے موسم گرما میں جب چین اور جاپان آپس میں جھگڑے اس وقت عام خیال یہی تھا کہ چین طاقتور جاپانی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکے گا جاپان فتحیاب ہوگا۔ اور چین کو جلد ہی گھٹنے ٹیک دینا ہوں گے بین الاقوامی سیاست کے ماہرین کی یہ رائے تھی کہ چین کا جاپان سے ٹکر لینا ایک دیوانگی ہے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ جدید ہتھیاروں اور ہوائی جہازوں سے مسلح جاپانیوں کو شنگھائی میں ناکوں چنے چبوانے پڑے تو انہیں اپنی رائے بدلنا پڑی۔ اور وہ سمجھ گئے کہ اس مرتبہ جاپان کے لئے چین پر فتح حاصل کرنا آسان نہیں ہے۔

گذشتہ چار برسوں میں چینی سپاہی نے آدھے پیٹ کھا کر، صرف رائفل اور مشین گن سے کام لے کر جس بہادری کا ثبوت دیا ہے اسے دیکھ کر دنیا دنگ رہ گئی ہے۔ تقریباً چار برس میں تیرہ لاکھوں چینی میدان جنگ میں کام آئے شہر اور دیہات ہوائی گولہ باری سے برباد ہوئے چین کے بہت سے صوبجات پر جاپان کا قبضہ ہو گیا۔ لیکن چین آج بھی پہلے کی مانند مضبوطی سے جنگ کر رہا ہے۔ ابتدا میں جاپان کے سپہ سالار کہا کرتے تھے کہ چین چند ہی دنوں میں ختم ہو جائیگا لیکن اب تو وہ بھی یہ کہنے لگے کہ ہنوز دلی دور است۔

سچ تو یہ ہے کہ چین و جاپان کی جنگ نے چین میں قومی اتحاد پیدا کر دیا ہے آج سے پانچ برس پہلے کسانوں اور دیہاتیوں کو اپنے ملک کی فتح و شکست سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ چینی فوجیں بھی اپنے ہی ملک کے دہقان کو لوٹ لیا کرتی تھیں۔ لہٰذا سیاست کو ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ سیاست دانوں کے متعلق اس کا نظریہ یہ تھا کہ وہ ڈاکو اور لیٹرے ہیں بس۔ لیکن جاپانیوں کی بربریت نے آج چینی کسانوں کی آنکھیں کھول دی ہیں اور آج وہ پھینک کر اور بندوق ہاتھ میں لے کر اپنے وطن عزیز کی حفاظت کے لئے سربکف ہے۔

جاپانی کسانوں نے، صرف پُرامن کسانوں کی فصل ان کے مویشی۔ ان کے اجناس کے ذخائر بھی کو لوٹا بلکہ ایسی بربریت دکھائی کہ چین کانپ اٹھا۔ جاپانی فوج نے جس گاؤں کو فتح کیا اس کے وہ گھروں میں گھس گئی اور نوجوان لڑکیاں کو سپاہی زبردستی اپنی بارکوں میں لے گئے اور وہاں ان کی بے حرمتی کی۔ چینی قیدیوں کو قتل کر کے ان کی لاشوں پر چاندماری کی گئی۔ چینی کسانوں نے دیکھا کہ وحشی فاتحوں کے ہاتھوں ان کا جان و محفوظ ہے نہ عزت۔ وہ تڑپ کر گھروں سے نکل آئے اور قوم و وطن کے حقیقی مددگار بن گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ مارشل چانگ کئی شک کی رہنمائی میں آج صرف چینی فوج نہیں بلکہ سارا چین جاپان کے خلاف جنگ کر رہا ہے یہی وجہ ہے کہ جس افتادہ چین کو ایشیا کا "مردِ بیمار" کہلاتا تھا۔ اتنے طویل عرصہ تک جاپان جیسی زبردست طاقت کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کر سکا ہے۔

آج چین کا کوئی سا طبقہ جنگ کی طرف سے لاپرواہ نہیں۔ یونیورسٹیوں کے بڑے بڑے پروفیسر گاؤں گاؤں میں گھوم کر اپنے سابق شاگردوں میں حب وطن کا جذبہ پیدا کر رہے ہیں انہیں قوم پر آئی ہوئی آفت کا احساس کراتے ہیں اور وطنی خدمت کے لئے ابھارتے ہیں۔ طلباء بھی خاموش نہیں وہ کسانوں کو ملک کی حفاظت کے لئے فوج کی مدد کرنے۔ اسے خوراک پہنچانے۔ خفیہ طور پر گوریلا سپاہیوں کی مدد کرنے اور موقعہ آنے پر قومی فوج میں بھرتی ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔

کمیونسٹ فوجوں کی نگرانی میں نوجوانوں اور لڑکیوں نے گوریلا فوج کو نہایت حیرت انگیز طریق پر منظم کر لیا ہے۔ یہ گوریلا سپاہی جاپانی مقبوضہ علاقوں کے آس پاس کہیں چھپے رہتے ہیں۔ کسان انہیں جاپان کی فوجوں کی نقل و حرکت سے مطلع کرتے رہتے ہیں۔ رات ہوتے ہی گوریلا سپاہی جاپانی کیمپ پر حملہ کر کے اسے تباہ کر ڈالتے ہیں۔ ان گوریلا سپاہیوں کی چھاؤنیوں میں جاؤ تو معلوم ہوگا کہ ان کے پاس وردی ہے نہ جوتا۔ اسلحہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ جو ہتھیار انہیں کہیں سے مل گئے ہیں یا جو انہوں نے جاپانی سپاہیوں سے چھین لئے ہیں۔ ان ہی کو درست کر کے وہ اپنا کام چلا لیتے ہیں۔

ان گوریلا سپاہیوں نے ان علاقوں میں بھی جہاں جاپانیوں نے اپنی حکومت قائم کر لی ہے ان پر جینا حرام کر رکھا ہے۔ بہت سے غدار چینی جن کو جاپانی حکومت نے گورنر مقرر کر دیا تھا۔ ان گوریلا سپاہیوں کے ہاتھوں ہلاک ہو چکے ہیں۔ جاپان کا اقتدار صرف بڑے شہروں اور ریل اور سڑک کے آس پاس کے علاقہ تک ہی محدود ہے حتیٰ کہ جن علاقوں کو جاپانی فتح کر چکے ہیں وہاں بھی ٹیکس تو چین کی حکومت وصول کر لیتی ہے۔ محب وطن گوریلا سپاہیوں کے یہ کارنامے تاریخ چین میں سنہری حروف میں لکھے جائیں گے

چینی عورتیں بھی بے حس و حرکت نہیں انہوں نے لاکھوں کی تعداد میں اپنی تنظیم کر کے زخمی سپاہیوں کی تیمارداری کا کام اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ وہ فوجوں کے ساتھ رہتی ہیں کسانوں اور سپاہیوں کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم کیا کرتی ہیں۔ اور سپاہیوں کے آرام کا انتظام کرتی ہیں۔ ابتدا میں جاسوس بچوں کی بدعت نے حکومت چین کو پریشان کر دیا

جاپانی افسر چینی بچوں کو انعام کا لالچ دیکر ان سے چینی فوجوں کی نقل و حرکت کے متعلق اہم معلومات حاصل کر لیتے تھے۔ اس مسئلہ کو نانہ رضاکاروں نے حل کرنے کی سعی کی اور انہیں اپنی اس کوشش میں پورے طور پر کامیابی حاصل ہوئی۔ اب چینی بچے اپنی فوجوں کے راز فروخت نہیں کرتے بلکہ چینی فوجوں کو جاپانیوں کی نقل و حرکت سے آگاہ کر دیتے ہیں۔

زنانہ رضاکاروں کے طریق کار کی وضاحت ایک مثال سے ہو جائے گی جب دریائے یانگسی کے شمال میں جنگ ہو رہی تھی اس وقت ایک چینی دستہ مورچہ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ چینی سپہ سالار مایوس ہو گیا۔ کیونکہ محاذ کا یہ حصہ کمزور ہو جانے سے ساری فوج کے محصور ہو جانے کا ڈر تھا نیز اس وقت تک چینی فوج اپنے عقبی مورچوں کی قلعہ بندی تسلی بخش طریق پر نہ کر سکی تھی۔ اس لئے جاپانیوں کو مزید چند روز وہاں روکے رکھنا ضروری تھا۔ جب فوج کے ساتھ رہنے والی عورتوں نے یہ خبر سنی تو انہوں نے بھگوڑے سپاہیوں کو اسی مورچہ پر واپس بھیجنے کا فرض اپنے ذمہ لیا۔ سپاہیوں سے پہلے ہی وہ ایک عقبی گاؤں میں پہنچ گئیں۔ انہوں نے مجروحین کی مرہم پٹی کی اور سپاہیوں کے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ پھر جنگ کے حالات دریافت کرنے لگیں نیز انہوں نے امید ظاہر کی کہ قوم سپاہی جلد ہی وطن کی حفاظت کے لئے اپنے مورچہ پر واپس جانے کی خواہش کریں گے۔ گاؤں کے تمام لوگوں کو جمع کر کے انہوں نے ان سپاہیوں کی بہادری کی تعریف کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسی رات تمام سپاہی اپنے مورچہ پر واپس آگئے۔

آج چینی عورت بیدار ہے۔ اور ملک کے تئیں اپنے فرض کو سمجھتی ہے۔ سچاؤ صوبہ کی ایک عورت نے اپنے شوہر کو جو چین کے فوجی راز جاپانیوں کے ہاتھ فروخت کیا کرتا تھا، ایسا کرنے سے منع کیا اور جب وہ نہ مانا تو اسے گرفتار کرا دیا۔ اس قومی مجرم کو سزائے موت دی گئی اور ملک بھر کی عورتوں نے اس کی بیوی کے جذبہ حب وطن کی تعریف کی۔ آج سے چند برس پیشتر کوئی خواب میں بھی اس قسم کی باتوں کا خیال نہ کر سکتا تھا۔

ادیب۔ مصنفین۔ ڈرامہ نگار۔ ناول نویس وغیرہ بھی آج ایسا ادب پیدا کر رہے ہیں جو قومی بیداری میں معاون ہو۔ چینی ڈرامہ تو جنگ کا بہت ضروری جزو بن گیا ہے۔ ڈراموں میں ایسے منظر دکھائے جاتے ہیں جن سے لوگوں میں جاپانیوں کے خلاف نفرت اور اپنے ملک کی مدافعت کا احساس پیدا ہو۔

ایک ڈرامہ کا نمونہ ملاحظہ ہو:۔

"جاپانی فوجیں آگے بڑھتی آرہی ہیں۔ گاؤں کی پنچایت یہ طے کرنے کے لئے اکٹھی ہوئی ہے کہ جنگ میں حصہ لینا چاہیئے یا نہیں۔ نوجوان سیانگ کے زیر رہنمائی نوجوان یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ چینی فوج کے ساتھ مل کر جاپانیوں کا مقابلہ کیا جائے لیکن گاؤں کا مکھیا بوڑھا "تو شنگ" اور اسکے ساتھی جنگ میں حصہ لینے کے خلاف ہیں۔ طویل بحث کے بعد بڈھوں کی فتح ہوئی ہے۔ اور لیانگ گاؤں چھوڑ کر گوریلا فوجوں میں جا ملتا ہے۔

جاپانی فوج گاؤں پر قبضہ کر لیتی ہے۔ عورتوں پر ظلم ہو رہے ہیں۔ مکھیا صدائے احتجاج بلند کرتا ہے تو اس کے سینے میں تلوار گھونپ دی جاتی ہے۔ اور آخری وقت جاپانی سپاہی اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی دوشیزہ بیٹی کو جبراً پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ بوڑھا آخری سانس لینے سے پہلے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہتا ہے میں نے لیانگ کی بات نہ مان کر کتنا بڑا گناہ کیا ہے۔ اے خدا! ہر چینی کے دل میں یہی جذبہ پیدا کر تا کہ مرتے دم تک جاپانیوں کی اطاعت قبول نہ کرے۔"

مشاہیر عالم

ولیم نڈسن

اکیالیس برس ہوئے ڈنمارک سے ایک نوعمر لڑکا امریکہ پہنچا۔ اس وقت اس کی جیب میں صرف ۶ پونڈ تھے۔ نیویارک کے ایک جہازی کارخانہ میں اسے ساڑھے سات شلنگ روزانہ اجرت پر ملازمت مل گئی۔ اس کام کے ساتھ ساتھ اس نے گھونسہ بازی کو بھی اپنا شغل بنایا۔ اس نے اتنی محنت سے کام کیا کہ ۱۹۳۳ء میں اس کی تنخواہ امریکہ کی ایک بہت بڑی موٹر کمپنی نے صدر اعظم کی حیثیت سے سوا تین لاکھ ڈالر سالانہ ہو گئی جو پینسٹھ ہزار پونڈ کے برابر ہے۔

اس کا پورا نام تھا سگنس ولیم پال نڈسن۔ اس کے آقا کو اتنا لمبا نام جیسا کہ انگلش میں درج کہنے میں تکلف ہوتا ہوگی۔ اس لئے اس نے کہا "دیکھو لڑکے۔ یہاں تمہارا نام ولیم پال ہوگا۔" اور اب پریذیڈنٹ روزویلٹ سے لے کر ایک ادنی ترین امریکن تک سب اسے بل ہی کے نام سے پکارتے ہیں۔

ولیم پال آج سے اکسٹھ برس پیشتر کوپن ہیگن میں پیدا ہوا تھا۔ ابتداء میں وہ بائیسکلوں کے ایک مستری کے پاس کام سیکھتا رہا۔ امریکہ پہنچ کر وہ مختلف کارخانوں میں بائلر پر کام کرنے لگا۔ دو سال بعد اسے بائیسکلوں کے ایک کارخانہ میں جگہ مل گئی جہاں وہ بائیسکلوں کے پرزے بنایا کرتا تھا۔ ایک سال کے بعد وہ فورمین بن گیا اور بتدریج ترقی کرتے کرتے انسپکٹر اور پھر اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر پہنچ گیا۔ اس وقت اسے ۴۰ پونڈ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ اور بارہ سو کاریگر اس کے ماتحت تھے خرچ زیادہ تھا اور آمدنی اس کے مقابلہ میں کم۔

کیونکہ ولیم بہت خوش پوشش اور نفاست پسند واقع ہوا تھا۔ آخر اس نے اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے گھونسہ بازی کے مقابلوں میں شریک ہونا شروع کیا اس وقت وہ چھوٹے چھوٹے پہلوانوں کا مقابلہ کیا کرتا تھا اور اسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ کسی وقت وہ جرمنی کے خون آشام ڈکٹیٹر کا مقابلہ کرے گا۔ آج جبکہ امریکہ جرمنی کے خلاف جنگ میں اتحادیوں کو سامان جنگ سے مدد دے رہا ہے ولیم نڈسن دنیا کے ان کارخانہ داروں میں جو اسلحہ سازی کے لئے مشہور ہیں۔ تیسرے درجہ پر ہے۔

سنہ ۱۹۱۳ء میں ولیم انجینیئر بن گیا اور فورڈ کے موٹروں کے کارخانہ میں اس نے گزشتہ جنگ میں اسلحہ سازی کا کام کیا۔ جنگ عظیم کے بعد وہ فورڈ کا دست راست بن گیا اور اسے دس ہزار پونڈ سالانہ تنخواہ ملنے لگی اس زمانہ میں شیورلٹ موٹر کمپنی نے اس کی خدمات حاصل کرلیں اور اسے اپنے کارخانہ کا مینیجر بنا دیا۔

اس کے بعد اس نے امریکہ کو اپنی محنت، ہوشیاری اور قابلیت کے معجزے دکھانا شروع کئے۔

جس سال ولیم شورلٹ کمپنی میں گیا اس سے پچھلے برس کارخانہ نے ۷۰ ہزار موٹر کاریں تیار کی تھیں۔ اپنے پہلے برس میں ولیم نے دو لاکھ چالیس ہزار موٹریں تیار کیں۔ دوسرے برس ان کی تعداد چار لاکھ اسی ہزار تک پہنچی۔ تیسرے سال ساڑھے سات لاکھ کاریں تیار ہوئیں اور کمپنی میں شامل ہونے کے چار برس بعد وہ موٹروں کی تعداد کو دس لاکھ سے بھی اوپر لے گیا۔

ولیم اپنی ان عظیم الشان کامیابیوں کے زمانہ میں بھی ٹوپی پہن کر کام کرنے والی عادت کو ترک نہ کر سکا۔ اس کا خیال ہے کہ اس طرح وہ زیادہ اچھی طرح سوچ سکتا ہے فن تقریر سے وہ بالکل ناآشنا ہے۔ ایک دفعہ اسے شورلٹ کار فروخت کرنے والوں کے جلسہ میں تقریر کرنا پڑی۔ اس نے تقریر کی تو سہی لیکن وہ صرف ایک فقرہ پر مشتمل تھی۔

"دوستو! جتنی موٹر کاریں فورڈ بیچتا ہے۔ اتنی ہی فروخت کرنے میں تم میری مدد کرو۔"

امریکہ میں آنے کے ۳۳ برس بعد وہ ان ۳۸ امریکنوں میں سے ایک تھا جنہیں سب سے زیادہ تنخواہ ملتی ہے۔ یہ اس سے پہلے کی بات ہے جب ہٹلر نے ولیم کے وطن میں اپنی فوجیں بھیجدی تھیں۔ اور اس کے ہموطنوں کو جن میں اس کی دو بہنیں بھی شامل ہیں غلام بنا لیا تھا۔

گزشتہ برس جب صدر روزویلٹ نے امریکہ کو جمہوریتوں کا اسلحہ خانہ بنانے کا فیصلہ کیا تو انہوں نے ولیم کو بلایا اور سامان جنگ کے لئے کچا مال خریدنے کا فرض اسے تفویض کر دیا۔ انہوں نے کہا۔

"بل! یہ کام تمہیں کرنا ہی ہوگا۔"

اس طرح اسے چالیس ارب ڈالر خرچ کرنے کے اختیارات حاصل ہو گئے۔

۴ گذشتہ چار سالوں میں چینی ادب کا رخ ہی بدل گیا ہے اور عشق و محبت کے فرسودہ مضامین کو چھوڑ کر ادبا قومی بیداری کے متعلق اپنے تخیل کی جولانیاں دکھلاتے ہیں۔

کمیونسٹ فوجیں جو عرب قومی نوجوانوں کا حصہ بنگئی ہیں۔ جنگ کرنے کے ساتھ ساتھ کسانوں کو بھی لڑائی کے لئے تیار کرتی ہیں۔ کمیونسٹ سپاہی اپنی تنخواہ کا نصف نئے رنگروٹوں کو دے کر اپنے ساتھ رکھ لیتے ہیں اس طرح گورنمنٹ کو صرف ایک سپاہی کے اخراجات کا کفیل ہونا پڑتا ہے۔ اور لڑتے ہیں دو سپاہی۔ ساری قوم ایک ہو کر لڑ رہی ہے۔ یہ جنگ فولاد اور گوشت کی جنگ ہے۔ بہت کم اسلحہ کے ساتھ چینی فوج مسلح جاپانی فوج کا مقابلہ بہادری سے کر رہی ہے اور اس کا سبب ہے چینیوں کی حب الوطنی۔



صدر روزویلٹ نے امریکہ کے اس سب سے بڑے اسلحہ ساز افسر کو بتایا کہ جمہوریت کی حفاظت کے لئے اُسے بے شمار اسلحہ تیار کرنے چاہئیں۔ انہوں نے پوچھا۔

"کیا تم پچاس ہزار جنگی جہاز تیار کر سکتے ہو؟"

اس نے جواب دیا: "میرے لئے یہ ممکن نہ ہو لیکن امریکہ کے لئے ممکن ہے۔"

یہ بارہ ماہ پہلے کی بات ہے۔ اس عرصہ میں اسلحہ سازی کے یکصد بڑے بڑے پلانٹ نصب کر دیئے گئے ہیں جن میں سے کئی اس گفتگو کے تین ماہ بعد ہی کام کرنے لگے تھے۔ اب بیس ہزار سے زیادہ کارخانے اور ہزاروں چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں جنگی پیداوار کا کام کر رہی ہیں۔

ولیم نڈسن نے صرف ایک شہر ... شکاگو میں تین ہزار کارخانوں کو اسلحہ سازی کا ٹھیکہ دیا ہے۔ اب جبکہ اسلحہ سازی پر سے تمام پابندیاں ہٹا دی گئی ہیں۔ ولیم نڈسن کا دفتر زیادہ سے زیادہ آرڈر دے رہا ہے۔ نڈسن کو یقین ہے کہ برطانیہ اور امریکہ جو دنیا کی ۸۰ فی صدی صنعتی طاقت کے مالک ہیں جرمنی سے جو صرف ۲۴ فیصدی صنعتی طاقت رکھتا ہے کبھی مات نہیں کھا سکتے۔

ولیم نڈسن ظریفانہ طبیعت رکھتا ہے۔ حال ہی میں اس نے کہا۔

"میں دنیا میں کسی نہ کسی طرح بسر اوقات کر رہا ہوں۔ جب میں امریکہ کے ساحل پر اترا میری تنخواہ دس ڈالر ہفتہ تھی اب مجھے ایک ڈالر سالانہ ملتا ہے (ایک لاکھ سے مراد ہے)"

ولیم کو امریکہ سے جس کے حقوق شہریت اس نے ۱۹۱۳ء میں حاصل ہوئے تھے گہری محبت ہے۔ اور اب وہ اپنی منہ بولی مادر وطن کے متعلق اپنے فرض سے سبکدوش ہونے کی سعی کر رہا ہے۔ یہ نہایت عجیب بات ہے کہ وہ شخص جو صدر روزویلٹ کے سوائے کسی کے سامنے جواب دہ نہیں۔ جو ہوائی جہازوں کی تعمیر کے لئے تیس کروڑ پونڈ الومنیم جمع کرنے کا حکم دے سکتا ہے جو موٹر والوں کو پیٹرول راشن کئے جانے کی دھمکی دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ وہ نہ تو وردی پہنتا ہے۔ نہ کسی سے سلام لیتا ہے اور نہ جلسہ عام میں تقریر ہی کر سکتا ہے۔ اسے بہت کم لوگ پہچانتے ہیں اور اگرچہ سارا امریکہ اس کے نام سے آگاہ ہے لیکن اگر وہ نیویارک میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پیدل چلا جائے تو کوئی بھی اس کی صورت دیکھ کر ٹھٹکے گا نہیں۔

نڈسن ان لوگوں میں سے نہیں جو شہرت کے پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر ہر دلعزیزی کے خواب دیکھتے ہیں۔ یا شوق سے اپنی تصویریں کھچواتے ہیں۔ وہ محض ایک انجینئر ہے جو مشینری کو سمجھتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ اپنے ملک کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔ وہ بے حد عدیم الفرصت شخص ہے۔ جب بھی اسے فرصت ملتی ہے وہ اپنے دیہاتی مکان پر چلا جاتا ہے۔ اور وہاں کھیتوں اور جنگلوں کی سیر کیا کرتا ہے۔

ولیم نڈسن ایک سادہ دل۔ سادہ مزاج اور سادگی پسند شخص ہے۔ کم گو اتنا کہ کسی سے بھی ایک فقرہ سے زیادہ نہیں کہتا۔ اور اپنے خطوط پر دستخط کرتے وقت صرف "نڈسن" لکھتا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اُسے کروڑوں ڈالر کے جنگی ٹھیکے ٹھیکیداروں کے حوالے کرتے دیکھا ہے وہ اس کے شرمیلے پن اور سادگی کے باوجود یہ جانتے ہیں کہ نڈسن امریکہ کا کتنا بیش قیمت سرمایہ ہے۔

گزشتہ برس جب اس کی تاریخی ملاقات صدر روزویلٹ سے ہوئی تو پریس کے فوٹوگرافروں نے آزادانہ طور پر دونوں بڑے آدمیوں کی تصاویر لیں۔

نڈسن قدامت پسند واقع ہوا ہے۔ اس نے لڑکے کی طرح جھک کر مسکراتے ہوئے صدر جمہوریہ امریکہ کو سلام کیا۔ صدر کے قریب کھڑا وہ چھ فٹ تین انچ لمبا آدمی ایک دیو سا معلوم ہوتا تھا۔ جب فوٹوگرافر چلے گئے تو دونوں باتیں کرنے لگے۔ سب کچھ طے ہو جانے کے بعد نڈسن نے پوچھا۔

"مسٹر پریذیڈنٹ! اسلحہ سازی کے اس نئے محکمہ کا صدر کون ہوگا جسے جواب دہی کرنا ہوگی؟"

"میں" روزویلٹ مسکرا کر بولا۔

"بہت خوب۔ میں اتنا ہی جاننا چاہتا تھا۔" نڈسن نے قدرے مسکرا کر کہا۔ اگر اسے صدر کے سوائے کسی دوسرے شخص کی ماتحتی میں کام کرنے کے لئے کہا جاتا تو شاید وہ انکار کر دیتا۔ صدر روزویلٹ یہ جانتے تھے اسی لئے انہوں نے یہ محکمہ اپنے ماتحت رکھا۔

جب تم آؤ گے

ترک دنیا میں میری نجات نہیں

میں ان بیشمار زنجیروں میں بندھ کر ہی نجات کی مسرتوں کا احساس کروں گا۔ میرے مالک

اور تم مٹی کا برتن اپنے خوشبودار آب حیات سے بھر بھر کر بار بار مجھے دو گے۔

موت کے دن جب تم میرے دروازہ پر آؤ گے تو کیا تم جانتے ہو کہ اس دن میں کونسی دولت تمہاری نذر کروں گا۔

اپنی زندگی کا سرمایہ رکھ دوں گا تمہارے مقدس قدموں میں۔ تمہیں خالی ہاتھ وداع نہیں کروں گا۔

موسم بہار کی کتنی ہی راتوں نے میرے جام حیات میں ایک مخمور کن شراب بھر دی ہے کتنے ہی پھلوں اور پھولوں سے میرے دل کی ڈلیا لبریز ہے۔ دکھ اور سکھ کے تصورات میں میں نے جو تھوڑا بہت سرمایہ فراہم کیا ہے۔ وہ سب تمہارے حوالے کر دوں گا۔ مالک۔ ایک گلدستہ کی طرح سجا کر۔

سیر و سیاحت

موصل اور عراق کے دیگر شہر

(میرلڈ شپ سٹون)

موصل دریائے دجلہ کے کنارے بغداد کے شمال میں ۲۷۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ تیل کے چشمے جن پر قبضہ کرنے کے لئے مغربی طاقتوں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے تھے اسی جگہ واقع ہیں۔ ایسے چشمے کرکوک میں بھی واقع ہیں جو موصل سے ایک سو میل کے فاصلہ پر ہے۔ تیل کے چشموں کی بدولت موصل ایک بہت بڑا اور خوبصورت شہر بن گیا ہے۔

موصل ریلوے گزشتہ موسم خزاں میں مکمل ہوئی تھی۔ امیر عبداللہ کے ہاتھوں اس کی رسم افتتاح ادا ہونے والی تھی۔ مگر ناموافق حالات نے گورنمنٹ کو اسے معرض التوا میں رکھنے پر مجبور کر دیا۔ اس ریلوے کی تکمیل سے پیشتر بغداد سے آنے والی ریل بار یجی پہنچ کر ختم ہو جاتی تھی اور اس سے آگے موٹر کار کے ذریعہ موصل جانا پڑتا تھا۔ برطانوی انجینیروں نے نصیبین تک لائن تعمیر کرائی اور اسے شامی اور ترکی سرحد تک پہنچا دیا۔ اس لائن پر جو ۱۹۸ میل لمبی ہے۔ ساڑھے بتیس لاکھ پونڈ خرچ ہوئے۔ یہ لائن دریائے دجلہ کے کنارے کنارے بہت سے پہاڑوں میں سے گزرتی ہے اور اس کی ایک سرنگ تو ایک کلومیٹر سے بھی زیادہ طویل ہے۔

نصیبین میں اس لائن کا اتصال اس لائن سے ہوتا ہے جو ترکوں نے تعمیر کی ہے۔ گویا اب موصل کا تعلق ریل کے ذریعہ نہ صرف بغداد بلکہ استنبول کے متصل ایک ترکی شہر سے بھی ہے اور مسافر بغداد سے انگلستان چھ دنوں میں پہنچ سکتے ہیں۔ انہیں بصرہ پہنچنے کے لئے صرف باکورا اور بغداد میں گاڑی بدلنی پڑتی ہے۔

موصل آج اپنی اہمیت کے لحاظ سے عراق کا تیسرے درجہ کا شہر ہے۔ لیکن چند برس پیشتر یہ محض ایک بڑا دیہات تھا۔ ۱۹۱۸ء میں پہلی جنگ عظیم کے بعد ترکی نے ولایت موصل کا مطالبہ کیا اور کچھ عرصہ موصل کی قسمت غیر معین رہی۔ اس کے بعد اتحادیوں نے فیصلہ کیا کہ موصل کو عراق سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ معاوضہ کے طور پر ترکی کو موصل کے تیل کے سلسلہ میں تیس برس کے لئے خاص مراعات دے دی گئیں۔

ولایت موصل کو جو رقبہ میں پینتیس ہزار مربع میل ہے عراق میں شامل کئے جانے کی خبر نے موصل کے لوگوں میں خوشی کی ایک لہر پیدا کر دی اور وہ ایک بار پھر اپنے وطن کی خوشحالی۔ ترقی اور دولتمندی کے خواب دیکھنے لگے۔ پرانے وقتوں میں موصل ایک بہت بڑا تجارتی شہر تھا جس میں تاجروں کی کوٹھیاں بکثرت تھیں۔ صنعت اور زراعت کا مرکز ہونے کے باعث یہاں شام۔ ترکی اور ایران سے قافلے آیا کرتے تھے۔ اور یہ مشرق وسطیٰ کی ایک بہت بڑی منڈی تصور کیا جاتا تھا لیکن جب ترکوں کے زیر اقتدار آیا تو نہ صرف اس کی تجارت تباہ ہو گئی۔ بلکہ خوشحالی اور آبادی میں بھی فرق آ گیا۔

زمانہ جنگ سے پہلے کی کتابوں میں لکھا ہے کہ موصل ایک کریہہ منظر اور غلیظ شہر ہے لیکن اب اس کے نام پر سے یہ دھبہ مٹ گیا ہے۔ آج موصل عراق کا سب سے زیادہ صاف اور ہوادار شہر ہے۔ یہ بغداد سے بالکل مختلف ہے بازاروں میں بجلی کی روشنی ہوتی ہے نالیاں صاف ہیں اور پانی کی بہم رسانی کا انتظام مغربی طریقہ پر کیا گیا ہے۔ ہم جدید موصل کو دیکھ کر اس پر جنوبی یورپ کے کسی شہر کا دھوکہ ہوتا ہے اس کے مکان سنگ سفید کے جو اسی علاقہ میں ملتا ہے اور سنگ مرمر سے مشابہ ہے۔ بنے ہوئے ہیں۔ بالخصوص نینوا سٹریٹ کے مکانات اتنے خوبصورت ہیں کہ انہیں دیکھ کر اٹلی کے شہر یاد آ جاتے ہیں۔

موصل کی منڈیوں میں دور و نزدیک سے لوگ بکثرت آتے ہیں۔ وہاں آپ کو چاقوؤں اور آتشیں اسلحہ سے مسلح کرد ملیں گے۔ وہیں آپ وحشی نما یزیدیوں کو دیکھیں گے۔ تندرست و توانا اسیرین بھی جو بلحاظ شکل و شباہت یہودی معلوم ہوتے ہیں آپ کو وہاں دکھائی دیں گے وہیں خستہ پتلون اور رنگدار واسکٹ والے عیسائی بھی ہشاش بشاش نظر آئیں گے۔ نیز بدوؤں کے چہرے دھوپ میں جھلس گئے ہیں بوجھ اٹھائے دکھائی دیں گے غرضیکہ جتنے مذہب اور فرقے موصل میں ملتے ہیں اتنے کسی دوسری جگہ نہیں۔ یہ سب لوگ دور دراز کا سفر پیادہ طے کر کے موصل کی منڈی میں خرید و فروخت کرنے کے لئے آتے ہیں۔

عیسائیوں کے دو فرقے نسطوری اور خالدی یہاں بکثرت ہیں اور ان کے چند قدیم گرجا گھر بھی۔ عیسائیوں کے یہ فرقے جتنے قدیم ہیں اتنے دیگر فرقے نہیں۔ قدیم اسیرین گرجا کے معتقد اب بہت تھوڑے رہ گئے ہیں کیونکہ کچھ عرصہ پیشتر انہیں جلا وطن کر کے شام بھیج دیا گیا تھا۔ شامی کیتھولک بھی موجود ہیں اور شیطان کے پرستار یزیدی بھی۔

ساری ولایت میں یزیدیوں کی آبادی ساٹھ ہزار کے قریب ہے۔ وہ شیطان کی عبادت کرتے ہیں اور احترام کی خاطر اسے ملک طاؤس کے نام سے پکارتے ہیں۔ شیطان کی پرستش ان میں اس لئے رائج ہے کہ شیطان ان سے خوش رہے۔ اور انہیں بدی اور گناہ کی طرف نہ لے جائے۔

کوئی یزیدی شیطان کا نام نہیں لیتا۔ نہ کوئی ایسا لفظ منہ سے نکالتا ہے جو "ش" سے شروع ہوتا ہو یا "ن" پر ختم ہوتا ہو۔ یزیدیوں کی موجودگی میں شیطان کا نام لینا اتنا ہی اشتعال انگیز ہے جتنا کہ مسلمان کے روبرو سؤر اور ہندو کے سامنے گائے کے گوشت کا ذکر کرنا۔ ان کی مقدس کتاب کا نام ہے "الکتاب الاسود"۔ یزیدیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ حضرت آدم اور ایک سیاہ فام عورت کے ملاپ سے جسے شیطان حضرت آدم کے پاس لایا تھا پیدا ہوئے تھے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا اور شیطان کے درمیان سانپ بنانے کے سوال پر جھگڑا ہو گیا تھا۔ اس لئے شیطان کو بہشت سے نکال دیا گیا۔ ان کا سب سے بڑا مقدس نشان سانپ کی تصویر ہے۔ جو موصل سے چالیس میل کے فاصلہ پر ان کی خانقاہ کے دروازے پر بنی ہوئی ہے۔ اسے یزیدیوں کا مکہ سمجھنا چاہئے اندر داخل ہونے سے پہلے زائرین سانپ کی شبیہہ کو بوسہ دیتے ہیں۔ باغ عدن سے نکل کر شیطان ایک گوبھی کے پھول کے پیچھے چھپ گیا۔ لیکن گوبھی نے اسے پناہ نہ دی۔ اس لئے یزیدی اس ترکاری کو بہت برا سمجھتے ہیں اور اسے کھانا گناہ۔ ان کے نزدیک سور۔ مرغ۔ مچھلی اور کئی سبزیاں جنہیں مرغ کھاتا ہے حرام ہیں۔ سرخ رنگ کا لباس انہیں بہت پسند ہے اور ان کا طرز تعمیر بھی عیسائیوں اور مسلمانوں کے طرز تعمیر سے بالکل مختلف ہے۔

موصل کی خوبصورت ترین مسجد جامع الکبریٰ ہے اس کا ایک مینار زمین کی طرف جھکا ہوا ہے۔ روایت ہے کہ جب پیغمبر اسلام بہشت کو تشریف لے گئے۔ اس وقت یہ مینار ان کے سلام کو جھک گیا تھا اور تب ہی سے جھکا ہوا ہے۔ لیکن مورخین کے بیان کے مطابق یہ مسجد سلطان صلاح الدین کے عہد میں تعمیر ہوئی تھی۔ اور سلطان موصوف پیغمبر صلعم کے وصال کے بہت عرصہ بعد تخت پر بیٹھے۔ یہ مینار دو سو فٹ اونچا ہے۔ اور زمین کی طرف اس کا جھکاؤ اٹلی کے پیسہ مینار سے بھی زیادہ ہے۔

موصل سے مشرق کی طرف میں فٹ تک پیدل سفر کر کے ہم نینوا کے کھنڈروں میں پہنچتے ہیں یہ شہر کسی زمانہ میں اسیرین بادشاہوں کا دارالخلافہ تھا۔ لوگ اس کی اینٹیں چرا لے گئے ہیں۔ اس لئے زمین کے اوپر کوئی عمارت باقی نہیں۔ البتہ شاہی محل اور قلعہ کے نشانات موجود ہیں۔ کچھ فاصلہ پر نبی یونس کی درگاہ ہے۔ یہ پیغمبر شاہ نینوا کی مکاری کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے پر شہید کر دیئے گئے تھے۔

عراق کے شہروں میں سب سے زیادہ اہم بغداد ہے۔ لیکن یہ پرانے ڈھنگ کا بنا ہوا ہے شہر کے باہر جو بنگلے اور کوٹھیاں حال ہی میں تعمیر ہوئے ہیں ان کو چھوڑ کر اکثر مکانات پرانی وضع کے ہیں۔ گلیاں تنگ اور غلیظ ہیں۔ بغداد میں خلیفہ ہارون رشید وغیرہ کی کچھ یادگاریں موجود ہیں۔ جنہیں سیاح بڑے شوق سے دیکھتے ہیں لیکن اہل بغداد کی توجہ ان کی طرف کم ہے بغداد میں مسجدیں بھی بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں۔



صنفِ نازک

روس کی دوکروڑ عورتیں

(زبیدہ رگاندھی)

روس میں عورتیں تقریباً تمام شعبوں میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ سنہ ۱۹۲۸ء اور سنہ ۱۹۳۷ء کے درمیان ان کی تعداد مختلف شعبوں میں ۳۰ لاکھ سے بڑھ کر نو سے لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اور اندازہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۴۲ء میں یہاں کام کرنے والی عورتوں کی تعداد دو کروڑ تک ہو جائیگی۔ یہی نہیں کہ ایک بڑی تعداد میں ان شعبوں میں یہ عورتیں لگائی گئی ہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے کاموں میں دلچسپی سے حصہ لے کر ان میں کافی ترقی بھی کی ہے اور اس طرح ملک کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی ہیں۔

زار کے زمانہ میں سنہ ۱۸۹۷ء کی مردم شماری کے مطابق ہر دو عورتوں میں سے ایک عورت گھر کے کام کاج کے لئے وقف ہوتی تھیں اور دوسری عورتیں زیادہ تر کھیتوں پر کام کرتی تھیں بہت کم عورتیں کارخانوں، اسپتالوں اور مدرسوں میں [illegible] کرتی تھیں۔

[illegible] عورتوں سے [illegible] معلوم ہوا کہ سنہ ۱۹۳۷ء میں [illegible] تقریباً بیس [illegible] فیصدی عورتیں تجارت اور [illegible] پندرہ فیصدی دفتروں، دواخانوں، [illegible] اور ہوٹلوں [illegible] فیصدی ڈاکٹر [illegible] اور [illegible] اور صرف [illegible] فیصدی گھر کے کام کاج میں [illegible] بقیہ [illegible] فیصدی دوسرے مختلف صنعتی شعبوں، سائنس اور تجارت وغیرہ میں شامل ہیں۔

روس میں بڑے بڑے کارخانے موجود ہیں جن میں سے جوتہ بنانے کا ایک بہت بڑا کارخانہ لینن گراڈ میں ہے یہاں کے کام کرنے والوں میں عورتوں کی تعداد ½ ہے۔

روسیوں کو مدد دینے اور کاموں میں ان کا ہاتھ بٹانے کے لئے ہر جگہ عورتیں مردوں کے دوش بدوش کام کرتی ہیں۔ یہاں [illegible] تعداد میں پرورش گاہیں، کنڈرگارٹن اور [illegible] اطفال [illegible] کے مدرسے ہیں۔ ان کو کھلونوں وغیرہ کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے، موجود ہیں۔ جہاں عورتیں اپنے بچوں کو چھوڑ دیتی ہیں اور خود کام کاج میں مشغول رہتی ہیں۔ پانچ [illegible] ان مدرسوں میں [illegible] لاکھ بچوں کی نگہداشت و تعلیم کا [illegible] دیا گیا۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ سنہ ۱۹۴۲ء تک اس قسم کے مدرسوں کی تعداد دگنی ہو جائیگی [illegible] لاکھ بچے ان مدرسوں میں رکھے جا سکیں گے اور اس طرح ان کی ماؤں کو موقع دیا جائے گا کہ وہ زیادہ سے زیادہ ملک کے دوسرے صنعتی اور کاروباری کاموں میں حصہ لے سکیں۔

اس کے علاوہ روس میں [illegible] فصل کٹنے کے وقت بہت سے کاشتکار [illegible] موسمی پرورش گاہیں کھول لیتے ہیں جن میں تقریباً [illegible] لاکھ بچے [illegible] اور اس طرح ان کی مائیں اطمینان کے ساتھ کھیتوں پر کام [illegible] ہیں۔

روس کے جیسے بڑے ہوٹل موجود ہیں ان کے علاوہ [illegible] کئی ہوٹل بھی ہیں [illegible] تیار [illegible] [illegible] عورتوں کو [illegible] وقت [illegible] کے پاس گزارنے کے بجائے [illegible] دوسرے کاموں پر [illegible] کرنے کے لئے کافی موقع مل جاتا ہے۔ سنہ ۱۹۳۹ء میں روس کے بڑے بڑے شہروں میں [illegible] لوگوں کے لئے ایسے ہوٹل موجود تھے۔ اس سال ان ہوٹلوں کی آمدنی ایک لاکھ ۵۳ ہزار روبل (ایک روسی سکہ جو تقریباً ڈیڑھ روپیہ کے برابر ہوتا ہے) ہوئی تھی۔

یہاں مردوں کی طرح عورتوں کو بھی دن میں سات گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے۔ بعض کارخانوں میں مرد اور عورتیں چھ گھنٹے کام کرتے ہیں لیکن مقررہ وقت کی مقررہ تنخواہ ہر شخص کو برابر دی جاتی ہے خواہ اس امر کے کہ وہ مرد ہے یا عورت۔ یہاں کام کی دیکھ بھال کے لئے ایک کمیٹی ہوتی ہے اس کا یہ کام ہے کہ زیادہ کام کرنے والی عورتوں کی صحت کو دیکھیں۔ اگر کچھ ایسی عورتیں ہوتی ہیں جن کی تندرستی اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ کام کر سکیں تو کمیٹی ان کو کام کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ عورتیں صرف اس قدر کام کر سکتی ہیں جتنا ان کے لئے مناسب ہو۔ ایسے کارخانوں پر جن میں کام کرنے کی اجازت نہیں۔ جہاں ان کی تندرستی [illegible] ہونے کا اندیشہ ہو اور ایسی عورتوں کو جن کے بچے [illegible] ماہ کی عمر سے کم ہوتے ہیں رات میں کام کرنے کی اجازت نہیں۔

عورتوں نے جتنی ترقی شعبہ زراعت میں کی ہے کسی دوسرے شعبہ میں نہیں کی۔ کھیتوں پر کام کرنے والی کئی لاکھ عورتوں کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ زار کے زمانہ کی عورتوں کے متعلق تھوڑی سے لیا تھا کہ عورتیں کام کرنے والے [illegible] ہیں۔ واقعی اس زمانہ کی عورت صبح سورج نکلنے کے وقت سے لے کر شام کو سورج غروب ہونے تک کام کرتی تھی اور پھر بھی اس کو یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ اس سے کتنا کام [illegible] لیکن آج حالت بہت بدل گئی ہے۔

شعبہ زراعت میں عورتوں کی تعداد بڑھ گئی ہے سنہ ۱۹۳۷ء کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ زراعت پیشہ لوگوں میں سے [illegible] فیصدی عورتیں ہوتی ہیں۔ پچھلے زمانہ میں کسان عورت کے پاس سوائے ہنسیے (درانتی) اور کھرپے کے کچھ نہ ہوتا تھا۔ لیکن آج کل کسان عورت کے پاس فصل کاٹنے والی مشینیں اور دوسری قسم کی زراعتی مشینیں ہوتی ہیں۔ اور یہ عورتیں اتنی ہی خوبی سے ان کو چلاتی ہیں جیسے آدمی [illegible] روس میں [illegible] چلانے والیوں کی تعداد ۱۵ لاکھ [illegible]۔

اسی طرح ملک اس سے زیادہ ترقی عورتوں نے صنعت و حرفت اور سائنس میں کی ہے۔ مثال کے طور پر جب دنیا بھر کے ملک دس ہزار سے زیادہ عورتوں کو انجنیر اور ماہر [illegible] نہیں [illegible] روس فخریہ بیان کرتا ہے کہ اس کے ملک میں [illegible] لاکھ عورتیں انجنیر اور اسی قسم کے دوسرے کاموں کی ماہر موجود ہیں۔

زار کے زمانہ میں شعبہ سائنس میں عورتوں کی تعداد [illegible] ہزار تھی۔ آج اس شعبہ میں ایک لاکھ عورتیں [illegible] کیمیاگروں اور ہوائی جہازوں کی دیکھ بھال کرنے والیوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

کھیلوں اور دوسرے تفریحی مشاغل میں بھی روسی عورت اتنی ہی دلچسپی لیتی ہے جتنی کسی دوسرے ملک کی عورت۔ روس میں اس وقت پانچ لاکھ عورتیں ہیں [illegible] جو فوجی کام اور حفاظت کے لئے بنائے گئے ہیں [illegible] لگاتی ہیں۔

(مترجمہ ایس۔ ایم قنوجی)

عجائبات

جرمنی میں ایک انگریز کا بُت

بہت سے لوگوں کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ جرمنی میں اب بھی آفن برگ کے مقام پر ایک انگریز سر فرانسس ڈریک کا بت نصب ہے۔ جرمنوں کا خیال ہے کہ یورپ میں سب سے پہلے آلو وہی لایا تھا۔

انگلستان کے لوگوں کا خیال اس سے مختلف ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ آلو کی فصل ڈریک سے پہلے بھی ان کے ملک میں ہوتی تھی۔ البتہ ڈریک ایک خاص قسم کا آلو لایا جو عام آلو سے قدرے میٹھا تھا انگریز آلو کی پیداوار کو ترقی دینے کا سہرا سر والٹر ریلے اور جان اکنس کے سر بھی باندھتے ہیں۔ ریلے آئرلینڈ میں ہزار ایکڑ آلو بوتے تھے اور اکنس نے ۱۵۶۳ء میں انگریز کسانوں کو آلو کاشت کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ سپین کے لوگ بہت پہلے سے آلو کے متعلق واقفیت رکھتے تھے ان کا بیان ہے کہ ایک پادری آلو کو یورپ میں لایا تھا۔

لندن میں سانپ کا گوشت

لندن کے چڑیا خانہ میں ایک شخص بندر کی دُم سے ناشتہ اور سانپ کے گوشت سے کھانا تیار کرتا ہے۔ اس کا نام ہے مسٹر جان انجلر۔ جن صحت ور جانوروں کو موت کی سزا دی گئی ہو ان کا گوشت وہ پکا لیتا ہے۔ اور چڑیا خانہ کی انجمن تحقیق کے اراکین کے سامنے رکھتا ہے۔ ایک دفعہ مسٹر انجلر گرمچھ کی دُم پکا کر گھر لے گیا۔ لیکن اس کی بیوی نے اسے کھانا گوارا کیا۔ حالانکہ بقول انجلر اس کا ذائقہ اچھا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ بندر اور سانپ کا گوشت بھی پکایا بندر کا گوشت اچھا نہ بن سکا لیکن سانپ کا گوشت بہت لذیذ ثابت ہوا۔

بجلی سے مچھلی کا شکار

مچھلی کا شکار بجلی کی مدد سے کرنا یقیناً ایک نئی بات ہے تیل سے چلنے والا چھوٹا سا انجن بجلی پیدا کرتا ہے۔ اور

ایک تار کے ذریعہ اس کا تعلق ایک پردہ سے جوڑ دیا جاتا ہے اس پردہ میں اس قدر کارک لگے ہوتے ہیں۔ کہ یہ پانی کی سطح پر تیرتا رہتا ہے۔ دریا کے پانی میں دونوں طرف جال بچھا دیئے جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ بجلی سے پانی میں کھلبلی ہونے لگتی ہے اور مچھلیاں نیم بیہوشی کی حالت میں گرفتار ہو جاتی ہیں۔

اس مشین پر تین آدمی کام کرتے ہیں۔ دو آپریٹر اور تیسرا ماہی گیر۔ جو بیہوش مچھلیوں کو پکڑ پکڑ کر اپنی ٹوکری میں ڈالتا رہتا ہے۔ سب لوگ ربڑ کے دستانے اور ربڑ کے بوٹ پہن کر پانی میں داخل ہوتے ہیں لیکن اگر جسم کا کوئی حصہ غیر محفوظ رہ گیا ہو تو بجلی کا اس پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

گانے والے چوہے

آدمی کی قوت سماع کتوں کی نسبت بہت کمزور ہے۔ حال ہی میں ایک نئی وضع کی سیٹی فروخت کے لئے منڈیوں میں آئی ہے۔ جس کی آواز صرف کتے ہی سن سکتے ہیں۔ انسان اور بہت سے دیگر جاندار نہیں۔

صدیوں سے گھر پر کام کرنے والی عورتیں نہایت حیرانی کے ساتھ ہمیں یہ بتاتی چلی آتی ہیں کہ چوہے بھی گاتے ہیں اور انہوں نے چوہوں کا گانا سنا ہے۔ جو لوگ چوہوں کے گیت سن سکتے ہیں۔ ان کے لئے کتوں کی اس سیٹی کی آواز سننا مشکل نہیں۔

آنکھوں کے بغیر دیکھنا

چمگادڑ جو رات کے وقت خوراک کی تلاش میں نکلتے ہیں اور اندھیرے میں نہایت تیز رفتاری سے پرواز کرتے ہیں بلاشبہ کسی نہ کسی چیز سے ٹکرا جائیں۔ اگر ان کے پروں کی حص میں ایک غیر محسوس قوت حس نہ ہو۔ ان کے پر اتنے ذی حس ہیں کہ آنکھوں کی مدد کے بغیر ہی بتا دیتے ہیں کہ فضا میں کوئی چیز نہاں ہے۔ اکثر اوقات چمگادڑ کو اس سے پیشتر کہ وہ کسی پرندے یا کیڑے کو دیکھے اس کی موجودگی کا علم ہو جاتا ہے کچھ عرصہ ہوا ایک دفعہ چمگادڑ کو ایک کمرے میں جہاں

بجلی کے تار لگے تھے چھوڑ دیا گیا چمگادڑ تیزی سے کمرے میں اڑتا رہا۔ لیکن اس دوران میں وہ برقی تاروں سے ایک مرتبہ بھی نہ ٹکرایا۔

آسٹرنامی ایک جانور آنکھیں نہ رکھنے کے باوجود روشنی اور تاریکی کو بآسانی پہچان لیتا ہے۔ جب تک روشنی ہو وہ اپنا کام کرتا رہتا ہے لیکن جونہی اس پر کسی کا سایہ پڑ جائے وہ اپنی ٹانگیں سمیٹ لیتا ہے۔ اور جب تک سایہ دور نہیں ہو جاتا اسی حالت میں پڑا رہتا ہے۔

جہازوں کا دشمن ریڈیو

ریڈیو جہازوں کا دشمن ہے۔ یہ امر ایک امریکن فوجی افسر کی ایک تازہ ایجاد نے ثابت کر دیا ہے۔ اس نے ایک چھوٹی سی برقی کشتی تیار کی ہے جو ریڈیو کے اشارات کے ذریعہ چلتی ہے اس میں ایک خودبخود چلنے والی بتری بھی لگی رہتی ہے۔ اس افسر نے اپنی کشتی ریڈیو کے ذریعہ گیارہ میل کے فاصلہ پر پہنچا دی تھی۔ یاد رہے کہ اس کشتی میں کوئی انسان سوار نہیں ہوتا۔

جنگ کے دوران میں تارپیڈو اور آتشگیر مادہ جات سے لدی ہوئی کشتی اگر دشمن کے جہاز کی طرف بڑھے اور تارپیڈو مار دے تو جہاز کی غرقابی یقینی امر ہوگی۔ ایک ہوائی جہاز بھی سمندر کے اوپر اڑ کر کشتی کو اس کی نقل و حرکت کے بارے میں ضروری ہدایات دے سکتا ہے۔

مرغیوں پر ہوائی حملوں کا اثر

ہوائی حملوں کے بعد اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر مرغیاں ناقص اور پتلے چھلکے والے انڈے دیتی ہیں۔ دراصل مرغیوں پر گولہ باری کا سب سے زیادہ اثر پڑتا ہے ان کا معدہ خراب ہو جاتا ہے اور جس خوراک سے انڈے کا چھلکا مضبوط ہوتا ہے وہ انہیں ہضم نہیں ہوتی۔ لہذا ہوائی حملہ کے بعد ان کے انڈے کسی کام کے نہیں ہوتے۔ اور ذرا سی ٹھیس لگنے سے ٹوٹ جاتے ہیں۔

ایک دلچسپ چوری

کچھ عرصہ ہوا سان فرانسسکو میں ڈاکٹر ڈکنسن کے ہسپتال میں نقب زنی کی واردات ہوئی۔ لیکن چوروں نے کسی بھی چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔ ڈاکٹر کا آہنی صندوق بھی جس میں دو ہزار پونڈ رکھے تھے۔ محفوظ رہا۔ تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ چور نے ایک پنجرے کو کھولا اور اس میں بند پرندے کو آزاد کر دیا۔ پولیس اس نتیجہ پر پہنچی کہ نقب زن کوئی سزا یافتہ ہے جو حال ہی میں جیل سے رہا ہو کر آیا ہوگا۔

صحت فیزنل

قدرتی طریقہ پر زندہ رہو

(ڈاکٹر سریندر گرگ)

ہم سو برس تک کیسے زندہ رہ سکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب ہے اتنا کہ زندگی کے ساتھ صحت مندانہ زندگی بسر کرنا صحت کے اصولوں پر عمل کرنے میں ہی درازی عمر کا راز مضمر ہے جسمانی صحت کا انحصار ذہنی صحت پر ہے آدمی کی خوراک جتنی قدرتی ہو یا کھانا جس قدر کم پکایا گیا ہو اتنا ہی بہتر ہے روزمرہ کی خوراک میں کچھ کچے ساگ۔ سبزیاں پھل وغیرہ ضرور ہونے چاہئیں۔ روٹیاں موٹی اور نسبتاً چھنے ہوئے آٹے کی ہونی چاہئیں۔ سبزیوں کو کاٹ کر ابال لینا یا پکانا ہی مفید ہے۔ سبزیوں کے چھلکے اتار کر انہیں گھی میں بھونا یا ابال کر ان کا پانی پھینک دینے سے ان کے مقوی عناصر ضائع ہو جاتے ہیں۔ مٹی کے برتن میں سبزیاں پکانے سے ان میں دھات کا زہر شامل نہیں ہوتا۔

اچار و مربہ سے بچنا چاہئے۔ سفید چینی جس کا رواج عام ہے جسم کے لئے زہر کے مترادف ہے اس کی نسبت گڑ یا اور بھوری شکر کم نقصان دہ ہے دودھ بھی قدرتی خوراک نہیں کہا جا سکتا۔ ابال کر پینا تو اور بھی کم مفید ہے جتنی کم چیزیں ایک وقت کھائی جائیں اتنا ہی زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ روٹی کے ساتھ پھل میوہ یا دودھ کا استعمال نقصان دہ ہے۔ افسوس ہیں۔ دودھ اور میوے ایک ساتھ کھائے جا سکتے ہیں مریض کو ایک وقت ایک ہی قسم کے پھل کھانے چاہئیں بھوک کے بغیر کچھ کھانے سے بچاؤ بھی رہبر بن جاتا ہے۔ جسم کو گھی اور مصالحہ جات کی چنداں ضرورت نہیں۔

دس بجے صبح سے پہلے کچھ کھانا بھوک کی قدرتی ترقی کو روکنا ہے دراصل دن کے خاص کھانے کا وقت شام ہے۔ صبح اور دوپہر کے وقت دودھ۔ پھل۔ میوے وغیرہ کھائے جا سکتے ہیں کھانے کے بعد جسمانی یا دماغی محنت کرنا بیماری پیدا کرتا ہے۔ نیز زیادہ گرم روٹی کھانے سے دانتوں کو نقصان پہنچتا ہے کنوئیں کا ٹھنڈا پانی پینا چاہئے سوڈا واٹر برف اور شربت وغیرہ سے پیاس بجھانا غیر قدرتی ہے کھانے کے ساتھ پانی زیادہ نہ پینا چاہئے بالکل نہ پئیں تو زیادہ اچھا ہے ورزش کے بعد پانی پینا مضر ہے کھانے سے کچھ دیر پہلے اور بعد پانی پینے میں کوئی نقصان نہیں صبح اٹھ کر۔ رات کو سوتے وقت صرف پانی پینے سے اور رات کے دوران میں تھوڑا تھوڑا پانی پیتے رہنے سے جسم کی صفائی ہوتی ہے جہاں تک ممکن ہو کھلے کمروں میں سونا چاہئے۔ بند کمرے میں سونے اور وہاں انگیٹھی اور آگ جلانے سے موت تک کی نوبت آ جاتی ہے جاڑے میں بھی کھلے برآمدے میں سونا نمونیہ۔ سردی۔ کھانسی نزلہ زکام وغیرہ سے بچاتا اور عمر کو دراز کرتا ہے رات کو منہ ڈھانپ کر سونا مضر ہے۔ جتنی دیر جسم کو برہنہ رکھا جائے اتنا ہی اچھا ہے سوتے وقت ہوائی غسل۔ برہنہ سونا۔ ایک بستر پر ایک ہی شخص کا سونا جلد کو خوبصورت بناتا ہے ہر روز تھوڑی دیر تک دھوپ تاپنے سے تمام بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور دماغ مضبوط ہوتا ہے۔ سر پر بال نہ ہوں تو دھوپ میں بیٹھتے وقت اسے کسی کپڑے سے ڈھانپ لینا چاہئے۔

ہمارے کپڑے سفید رنگ کے۔ ہلکے پھلکے اور تعداد میں کم ہونے چاہئیں۔ رنگین لباس خصوصاً سرخ کپڑوں کا جسم پر اچھا اثر نہیں پڑتا۔ قدرتی طریق پر زندگی بسر کرنے والے کو کسی خاص ورزش کی ضرورت نہیں۔ مٹی کھودنا۔ پیڑ لگانا۔ کھیتی کرنا اچھی قدرتی ورزشیں ہیں۔ جسم کو آرام کی بھی ضرورت ہے۔ رات کو کم از کم آٹھ گھنٹے سونا ضروری ہے۔ معتدل اور پاکیزہ خوراک کھانے والے اور ریگستان فضا میں سونے والے کو کم نیند کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر روز کم از کم دو مرتبہ ضرور غسل کرنا چاہئے۔ موٹے کپڑے سے رگڑ رگڑ کر نہانا جلد کے لئے مفید ہے۔ تیل اور صابن کا استعمال نقصان دہ ہے۔ ان کی نسبت پیلی مٹی۔ ریت۔ نارنگی وغیرہ کے چھلکے سے اُبٹن کا کام لینے سے جلد ملائم اور خوبصورت ہوتی ہے۔ اور خارش وغیرہ امراض آدمی سے دور رہتے ہیں۔

بال رکھنا قدرتی ہے لیکن انہیں صاف کرتے رہنا چاہئے تیل لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہے عورتوں کی صحت پر قوم کی صحت کا انحصار ہے۔ لہذا انہیں زیادہ قدرتی خوراک استعمال کرنی چاہئے۔ ایام حمل میں تو زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ تنگ کپڑے پہننا ممنوع ہے بچے کو دن میں چار مرتبہ دودھ پلا کر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پانی پلانا چاہئے۔ تجرد بھی صحت کے لئے مفید ہے۔ لیکن خواہشات نفسانی کو دبانے میں کامیابی اس حالت میں ہوتی ہے۔ جبکہ آدمی قدرتی طور پر زندگی بسر کرے۔ قدرتی زندگی بسر کرنا خدا کے حکم کی تعمیل کے مترادف ہے۔ امراض سے متعلق خیالات و تفکرات کا جسم پر اچھا اثر نہیں پڑتا۔ لہذا قدرتی اصولوں کے مطابق رہن سہن جسم کو بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

کسی بھی مرض کے شدید حملہ پر گھبراؤ۔ یاد رکھو کہ ڈاکٹر آ جانے پر ہی جان کا خطرہ ہے ورنہ نہیں۔ ہیضہ۔ طاعون۔ چیچک۔ نمونیہ بخار وغیرہ کی حالت میں بار بار پانی پلانے کے سوائے کچھ نہ دینا چاہئے تاوقتیکہ مرض دور نہیں ہو جاتا۔ مریض کو صاف اور کھلی جگہ میں رکھو اور ہو سکے تو اس کے پیٹ پر ٹھنڈی مٹی کا لیپ یا کچھ ریت بھی ملی ہوئی ہو لیپ کر دو۔ ٹب میں غسل۔ جسم پر بھیگی چادر اوڑھ کر سونا وغیرہ طریقے بھی مفید ہیں۔ مریض ان کے استعمال سے جلد اچھا ہو جائے گا۔

پھوڑے۔ پھنسی۔ خارش۔ گنج اور کسی بھی زہریلے کیڑے کے کاٹ لینے پر وہاں بار بار آدھ آدھ گھنٹے کے بعد مٹی باندھو مٹی نہایت مفید چیز ہے۔ یہ تجربہ تمہیں بہت جلد ہو جائے گا۔

ہندوستان کی نئی سرحدیں

گزر گیا وہ قدیم و بہترین زمانہ جبکہ ہندوستان کی سرحدیں خود ہندوستان ہی کے ساحل تھے اب تو ریڈیو، ہوائی جہاز وں تیز رفتار جہازوں جنگی فوجوں اور پانچویں کالم نے فاصلہ بہت ہی کم کر دیا ہے۔ اور اس طرح فوری خطرہ بہت بڑھ گیا ہے چونکہ امریکہ کی پہلی مدافعتی لائن بحر اطلانتک ہے جس میں اس کی دوست برطانیہ عظمی مدافعتی کارروائیاں کر رہی ہے۔ ہندوستان کی بیرونی مدافعتی چوکیاں مصر۔ فلسطین شام عراق۔ مشرقی افریقہ اور ملایا ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ ہندوستان کی منتخب فوجیں جن میں برطانیہ عظمی آسٹریلیا، نیوزیلینڈ اور اتحادی ممالک کے بہادر جوان بھی شریک ہیں۔ ہندوستان کی ان بیرونی چوکیوں پر دلیری سے عام دشمن کی نگرانی کر رہی ہیں۔ خواہ آپ اس سے چشم پوشی اختیار کریں یا نہ کریں یہ حقیقت ہے کہ ان ہی لوگوں نے، جو ہماری ان نئی چوکیوں پر مدافعت کے لئے تعینات کئے گئے ہیں ہمارے لئے کاروبار کے سلسلہ میں آمد و رفت اور امن کے ساتھ زندگی بسر کرنا ممکن بنا دیا ہے۔



مدافعتی کام میں امداد دیجئے
خریدیئے ڈیفینس سیونگس سرٹیفکیٹس

دلچسپ

لطائف و ظرائف

ایک لڑکا چوری میں پکڑا گیا۔ مجسٹریٹ نے یہ دیکھ کر کہ یہ اس کی پہلی خطا ہے اس کی رہائی کا حکم دیتے ہوئے کہا۔ "دیکھو تمہیں بروں سے دور بھاگنا چاہئے"۔

لڑکا۔ "جی ہاں۔ میں تو بڑوں سے ہمیشہ دور بھاگتا ہوں۔ جب بھی میں بھاگ رہا تھا کہ اس سپاہی نے مجھے پکڑ لیا"۔

ایک شخص تاش کھیلنا نہیں جانتا تھا۔ لیکن کچھ دوستوں نے اسے کھیل میں شریک ہونے پر مجبور کیا۔ کھیلتے کھیلتے اس نے اپنے ساتھی کی یکے کی چال پر بادشاہ لگا دیا۔ ساتھی نے بگڑ کر پوچھا۔ "تم جانتے ہو کہ کوئی پتہ یکے کو کاٹ نہیں سکتا پھر تم نے بادشاہ کیوں لگا دیا؟"

اس نے جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں۔ لیکن میں نے سوچا کہ ایک مرتبہ کوشش کرنے میں کیا ہرج ہے؟"

نووارد نوجوان سے بڈھے نے غضبناک ہو کر پوچھا تمہاری یہ جرأت کہ تم میری لڑکی کے ساتھ بیاہ کرنے کی اجازت حاصل کرنے میرے گھر آئے ہو؟"

"جی نہیں" نوجوان نے جواب دیا۔ "اس کی بیٹی کے سلسلہ میں میں آپ کے پڑوسی کے ہاں گیا تھا۔ سوچا کہ آپ کے ہاں بھی ہوتا جاؤں"۔

کلرک۔ جناب کیا آپ میری تنخواہ بڑھانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے؟ اس وقت تین اور کمپنیاں میرے پیچھے پڑی ہیں۔

مالک۔ کون کونسی کمپنیاں؟

کلرک۔ بجلی کمپنی واٹر ورکس اور محکمہ ٹیلیفون۔

جب موٹر بس کھڑی ہوئی تو ایک ادھیڑ عمر کا آدمی ایک ننھی لڑکی کو گود میں اٹھائے اس میں سے اترا۔ لڑکی کو اس نے زمین پر بٹھا دیا۔ اور پھر ایک بچہ لے آیا بعد ازاں وہ پھر بس میں گیا اور ایک لڑکے کو لا کر زمین پر اتار دیا چوتھی مرتبہ ایک پانچ برس کی بچی کو اس نے گود سے اتارا۔

دو راہگیر اسے چڑھتے اترتے دیکھ رہے ہیں۔ ایک بولا: "دیکھو بھائی۔ شاید اس شخص نے وہاں گھونسلہ بنا رکھا ہے"۔

ایک شریف آدمی نے ملاح کے لڑکے سے جس نے اسے ڈوبنے سے بچایا تھا کہا۔ "بیٹا۔ خدا تمہیں خوش رکھے تم نے میری جان بچا دی۔ میں تمہیں ایک نقدی انعام میں دینا چاہتا ہوں لیکن کچھ روپے میرے پاس نہیں رہے ہیں"۔

لڑکے نے جواب دیا۔ "کوئی مضائقہ نہیں ایک مرتبہ پھر دریا میں کود جائیے"۔

ایک دیہاتی گرجا گھر میں پادری فرشتوں کا ذکر کر رہا تھا۔ ۔ ۔ ہم خدا کو جانتے ہیں۔ روح القدس اور خدا کے بیٹے

واقف ہیں۔ شیطان کا نام بھی ہم نے سنا ہے لیکن یہ کون ہیں؟"

اسی وقت دو تاجر گرجا گھر میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ فوراً بول اٹھے۔ "ہم ـــ ہم آکسفورڈ کے سوداگر ہیں جناب"

موہن اور سوہن بازار میں جا رہے تھے کہ ایک راہگیر نے سوہن سے پوچھا۔ "کیا آپ مجھے وقت بتا سکتے ہیں؟" مگر اس نے کچھ جواب نہ دیا۔

موہن نے پوچھا۔ "تم نے اسے وقت کیوں نہ بتایا؟"

سوہن بولا۔ "بات یہ ہے کہ اگر میں اسے وقت بتا دیتا تو وہ مجھ سے باتیں کرنے لگتا۔ ہم اکٹھے کسی ہوٹل میں چائے پیتے۔ اس کے بعد میں اسے اپنے ہمراہ گھر لے جا کر کھانا کھلاتا وہاں اس کی ملاقات میری بیٹی سے ہو جاتی۔ جو حسین اور دلکش ہے۔ انجام کار وہ دونوں شادی کر لیتے۔ اور کیا تمہیں معلوم ہے کہ کسی ایسے شخص کو اپنا داماد بنانے کو تیار نہیں جو گھڑی خریدنے کی بھی توفیق نہ رکھتا ہو۔

تین آدمی آخری ٹرین پکڑنے کے لئے سٹیشن پر پہنچے۔ لیکن جب وہ پلیٹ فارم پر گئے اس وقت گاڑی حرکت کر چکی تھی۔ گارڈ نے دو آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر اپنے ڈبہ میں سوار کر لیا۔ تیسرا آدمی حیرت زدہ سا وہیں کھڑا رہ گیا قلی نے کہا "جناب۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ رہ گئے"

اس نے جواب دیا "اس کا افسوس اُن دو حضرات کو بھی ہوگا جو مجھے الوداع کہنے سٹیشن پر آئے تھے"۔

ننھا کمل کچھ سوچتا ہوا سکول سے گھر پہنچا

"دادا جان! آپ دادا کب بنے تھے؟" اس نے پوچھا

"جب تم پیدا ہوئے تھے۔ بچے"۔

"اگر میں پیدا نہ ہوتا تو آپ دادا نہ بن سکتے ٹھیک ہے نا"

"ہاں"

"تو میں نے آپ کو دادا جان بنا دیا۔ اس کے لئے آپ مجھے کیا دیں گے؟"

ٹامس تھا تو جوان لیکن اس بات کا کیا علاج کہ محرم کے دنوں میں پیدا ہوا تھا۔ ہر وقت ملول اور زندگی سے بیزار رہتا موت کو اس نے کبھی فراموش نہ کیا۔ بلکہ ایک دن اپنی محبوبہ سے بھی کہہ دیا:

"جان من! میں تمہیں پیار کرتا ہوں۔ کیا تم میری بیوہ بننا پسند کرو گی؟"



مانگ کی زیادتی پر تجارت کی خوشحالی کا دارومدار ہے

اشتہار دینے سے آپ اپنی چیزوں کی مانگ بڑھا سکتے ہیں

"ریاست" اس کے لئے بہترین ذریعہ ہے



فلمستان

"انجان" کی مقبولیت

شمال ہند میں بمبے ٹاکیز کا "انجان" بے حد مقبول ہوا ہے۔ ہندوستان ٹائمز، سٹیٹسمین، بیر لڈ۔ بامبے کرونیکل اور دیگرہ نے سے بہترین اور کامیاب ترین تصویر قرار دیا ہے۔ جنرل ٹاکیز لمیٹڈ دہلی کو اس سلسلہ میں بہت سے خطوط موصول ہوئے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنؤ میں اس تصویر نے ہفتہ کے روز ۱۰۱۲ اور اتوار کو ۱۲۵۰ روپے حاصل کئے۔ شملہ میں جب میاں عبدالحی وزیر پنجاب گورنمنٹ نے اس کا افتتاح کیا تو موسم گرما کے تمام ریکارڈ مات ہو گئے۔ ایبٹ آباد میں ماہ رمضان کے باوجود اسے غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔

دہلی میں اس تصویر سے ۵۲۰ روپے کی آمدنی ہوئی اور اس طرح ایک نیا ریکارڈ قائم ہو گیا۔ بمبئی میں بھی اس نے تمام ریکارڈ مات کر دیئے۔ ہفتہ کے روز ۲۱۲۹ اور اتوار کو ۳۱۳۹ روپے کی آمدنی ہوئی۔

کانن بالا مسٹر بروا کی کمپنی میں

اطلاع موصول ہوئی ہے کہ نیو تھیٹرز کی مشہور اداکارہ کانن بالا نے مسٹر بروا کی نئی کمپنی میں شمولیت اختیار کر لی ہے۔ اب وہ جمنا کے ساتھ بروا کے تازہ فلم میں کام کریں گی ابھی تک اس تصویر کا نام ظاہر نہیں کیا گیا

جگدیش سیٹھی نے پرکاش کی نئی تصویر "سٹیشن ماسٹر" میں کام کرنا منظور کر لیا ہے۔ وہ سٹیشن ماسٹر کا پارٹ ادا کریں گے۔

پربھات کی "سنت سکھو بائی"

پربھات سبق آموز اور مذہبی نوعیت کی تصویریں بنانے کے لئے مشہور ہے۔ سنت تکارام اور سنت گیانیشور کو ہندوؤں کے مذہب پسند حلقوں میں جو مقبولیت حاصل ہوئی تھی اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اب پربھات نے "سنت سکھو بائی" کے نام سے ایک خدا رسیدہ عورت کی تصویر تیار کی ہے۔ سنت سکھو بائی گجرات کی ایک عورت تھی جس نے ہندوؤں کی فلاح و بہبود کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں کیں اور اپنی عمر یاد خدا میں گزار دی۔

اس تصویر کو فتح لال ڈاملے اور راجہ نینے نے ڈائرکٹ کیا ہے۔ اداکاروں میں گوری سینا۔ ذکر اور کلکرنی کے نام قابل ذکر ہیں۔ گوری نے جو سنت تکارام کی بیوی کی حیثیت سے اداکاری کے جوہر دکھا چکی ہے۔ اس تصویر میں سنت سکھو بائی کی ساس کا پارٹ ادا کیا ہے۔ ہنساواڈکر کو ایک بالکل نئی حیثیت اور نئے رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ کلکرنی گوری کے شوہر کی حیثیت سے پردہ پر آتا ہے۔

"سنت سکھو بائی" میں ساس اور بہو کی کشمکش کے مناظر کامیابی کے ساتھ دکھائے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ ساس کی مخالفت کے باوجود کس طرح بہو عبادت الٰہی اور خدمت خلق کو ترک نہیں کرتی۔

"تاج محل کا اجالا"

تاج محل کی پہلی تصویر جس کا نام "پہلے صبح شام" رکھا گیا تھا۔ اب "اجالا" کے نام سے نقرئی پردہ پر آنے کی ایک تصویر کشی دادیا کے نگار خانہ میں ہو رہی ہے اس میں "پکھراج" کی ملکہ و رجیاں نسیم پرتھوی راج کے ساتھ ہیروئن کا پارٹ ادا کر رہی ہے۔ ان دونوں کے علاوہ بنگالی رقاصہ پرتیما داس گپتا ایم اے اور مرزا مشرف کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔ "اجالا" کا افسانہ مسٹر منٹو نے اور مکالمے کمال امروہی نے لکھے ہیں۔

پہلی سندھی فلم کی تیاری

بمبئی میں "نیشنل آرٹسٹس" کے نام سے ایک نئی فلم کمپنی قائم ہوئی ہے۔ جس کی پہلی تصویر کی صدا بندی سندھی زبان میں ہوگی۔ اس کا نام "عمر ماروی" ہے۔ سندھی زبان کا نقد ہے اور افسانہ بھی خالص سندھی ہے۔ اس تصویر میں ہندو مسلم اتحاد کی تبلیغ کی گئی ہے۔

اس تصویر میں جسے مظہر خان ڈائرکٹ کر رہے ہیں مظہر خان خود۔ کرشنا ہری شو داسی گوپ۔ پہلوان نذیر وغیرہ کام کرتے ہیں۔

فلمی دنیا میں تبدیلیاں

مشہور ڈائرکٹر کیدار شرما بمبئی پہنچ کر رنجیت فلم کمپنی میں شامل ہو گئے ہیں اور ایک نئی تصویر بنانے کی تیاری کر رہے ہیں۔

پربھات نے اپنے تازہ فلم کے لئے ایک نو عمر لڑکی "نرملا" کی خدمات حاصل کی ہیں۔ یہ لڑکی خوش گلو اور فن موسیقی سے واقف ہے

درگا کھوٹے جنہوں نے "چرنوں کی داسی" میں بن بالا کی ساس کا پارٹ ادا کیا تھا۔ اب نیشنل سٹوڈیو کی نئی تصویر "دیپ" میں کام کرنے لگی ہیں۔

بمبئی میں سکندر کی عظیم الشان کامیابی

مسٹر سہراب مودی نے بذریعہ تار اطلاع دی ہے کہ دسہرہ کے روز بمبئی کے تینوں تھیٹروں میں "سکندر" کی نمائش شروع ہونے پر تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ ہر شو میں بھاری ہجوم تھا۔ اس تصویر کو حقیقتاً ہندوستان کی دلچسپ اور عظیم تصویر قرار دیا گیا ہے۔

نونہال

چڑیل بدہضمی

موہن۔ کل میں نے ایک عجیب خواب دیکھا میرے سامنے مٹھائیوں کے ڈھیر لگے تھے۔ پوری کچوری۔ مال پوئے کڑاہی سے اتارے جا رہے تھے چٹنی اور اچار پیالیوں میں سجے تھے۔ اور .... کی بہت سی بوتلیں فرش پر رکھی تھیں۔

حامد۔ پھر تم نے ان پر ہاتھ صاف کیوں نہ کیا؟

موہن۔ کیا بتاؤں۔ دوست۔ میں اٹھ بیٹھا ہی چاہتا تھا کہ ایک دیوتا گھر میں سے نکلے اور انہوں نے جھنجوڑ کر جگا دیا

حامد۔ اچھا کیا۔ دیوتا نے تم پر رحم کیا۔ گر وہ سب کچھ کھا جاتے تو بڑی مصیبت آتی جیسے تمہاری عمر کا تھا تو ایک مرتبہ بہت بڑھیا بڑھیا کچوریاں کھالی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد مجھے ایک چڑیل نے پکڑ لیا اور میری مشکیں باندھ کر رات بھر مجھے پیٹتی رہی۔

موہن۔ قصہ تو بہت دلچسپ ہے۔ اچھا پھر کیا ہوا؟

حامد۔ بات یہ ہے کہ ایک چھوٹے سے گھر میں جسے پیٹ کہتے ہیں۔ دو بھائی بہن رہتے تھے۔ بھائی کا نام ہے ہاضمہ دیوتا اور بہن کا بدہضمی چڑیل۔ وہاں ایک سیدھی سڑک سی بنی ہے جس پر چل کر پسیاں کچوریاں پیٹ میں پہنچ جاتی ہیں۔ سڑک کے سرے پر ایک چکی ہے۔ جس میں سب کو آٹے کی طرح پیسا جاتا ہے۔

موہن۔ تمہاری مراد دانتوں کی چکی سے ہے شاید!

حامد۔ ہاں۔ میری اسی چکی سے ہے۔ یہ چکی پہلے خوراک کو آٹے کی طرح خوب باریک پیستی ہے اس میں خوبی یہ ہے کہ جوں جوں یہ خوراک کو پیستی ہے توں توں اس میں سے بہت سی تری نکل کر خوراک میں ملتی رہتی ہے۔ یہ پسی ہوئی خوراک اس سڑک پر پیٹ کی طرف بڑھتی ہے۔ اگر خوراک خوب اچھی طرح پس گئی ہو تو چڑیل بدہضمی بند سوتی رہتی ہے۔ اور ہاضمہ دیوتا اسے اسی کی طرح بلو کر انتڑیوں میں دھکیل دیتے ہیں۔

موہن انتڑیاں کیا چیز ہیں؟

حامد۔ پیٹ میں ایک گول مول تنگ سی سڑک ہے۔ جو مقعد (پاخانہ) پر جا کر ختم ہوتی ہے۔

موہن۔ تو کیا منہ سے پاخانہ تک ایک ہی سڑک جاتی ہے اور انتڑیاں اس کا ایک حصہ ہیں؟

حامد۔ ہاں۔ جب ہاضمہ دیوتا خوراک کو بلو کر اس کا گھی" انتڑیوں میں دھکیل دیتے ہیں تو خون کی نالیاں اسے اپنے میں جذب کر کے جسم کے ہر حصہ تک پہنچا دیتی ہیں۔ اس سے جسم کو طاقت ملتی ہے۔ خوراک کا ردی حصہ آگے بڑھ جاتا ہے اور پاخانہ کے راستے باہر نکل جاتا ہے۔

موہن۔ جب تم نے بڑھیا بڑھیا مصالحہ دار کچوریاں کھائی تھیں تو چڑیل بدہضمی نے تمہیں رات بھر پیٹا کیوں؟

حامد۔ کیونکہ اس کے بھائی دیوتا ہاضمہ مجھ سے ناخوش ہو گئے تھے۔

موہن۔ وہ عجیب دیوتا ہیں۔ اتنی جلدی غصہ میں آجاتے ہیں۔

حامد۔ وہ جلدی غصہ میں نہیں آتے۔ بات یہ تھی کہ کچوری کھانے سے دو گھنٹے پہلے میں کھانا کھا چکا تھا۔ دیوتا ہاضمہ کو یہ بات پسند نہیں کہ کھانا کھانے کے چھ گھنٹے بعد تک کچھ کھایا جائے۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ اپنی بہن بدہضمی چڑیل کو جگا دیتے ہیں اور وہ آدمی کو تنگ کرنا شروع کر دیتی ہے۔

موہن۔ دیوتا ہاضمہ کو اور کیا کیا چیز ناپسند ہیں۔

حامد۔ مصالحہ دار پکوان۔ ہر قسم کی چٹنی اور اچار۔ چٹ پٹی چیزیں تو انہیں بالکل اچھی نہیں لگتیں۔ چائے۔ گوشت۔ انڈے۔ قہوہ۔ ہضم کر لیتے ہیں۔ لیکن زیادہ

مقدا میں ہیں۔

موہن۔ آخر ان کا من بھاتا کھانا کونسا ہے؟

حامد۔ وہ روٹی دال۔ چپاتی۔ اچار پسند کرتے ہیں۔ جس میں مصالحہ کم ڈالا گیا ہو۔ انہیں دودھ۔ گھی۔ مکھن اور میوے بھی اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

جو لوگ ان چیزوں کو مناسب مقدار میں کھاتے ہیں ان کو چڑیل بدہضمی کبھی تنگ نہیں کرتی۔ ان کی عمر بھی لمبی ہوجاتی ہے۔

موہن۔ اب میں سمجھا۔ میرے درجہ میں ایک لڑکا ہے جو دو دو تین تین گھنٹے کے بعد کھاتا ہے۔ چائے خوب پیتا ہے۔ چٹپٹے بھی اسے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے سر میں اکثر درد رہتا ہے۔ اور زکام کبھی پیچھا نہیں چھوڑتا۔

اتنا کوڑ مغز ہے کہ سبق یاد ہی نہیں ہوتا۔ جب کسی مضمون کا امتحان ہوتا ہے تو پچاس میں سے پانچ چھ ہی نمبر آتے ہیں۔

حامد۔ ہاں۔ اس کی یہی وجہ ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ بہت کھانے سے جسم میں طاقت آتی ہے۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ بہت کھانے والے ہمیشہ بیمار رہتے ہیں۔ ان کا دماغ خراب ہوجاتا ہے۔

موہن۔ اب میں سمجھ گیا۔ ایک دن میں بھی کوئی ثقیل (بھاری) چیز کھا گیا تھا۔ چڑیل بدہضمی نے اتنا تنگ کیا کہ وہ دن مجھے کبھی نہیں بھولتا۔

حامد۔ دیکھو اگر تم دیوتا ہاضمہ کو خوش رکھنا چاہتے ہو تو ان باتوں کا ہمیشہ خیال رکھو۔

(۱) خوب چبا چبا کر کھانا۔
(۲) ٹھونس ٹھونس کر پیٹ نہ بھرنا۔
(۳) سادہ طریقہ سے پکی ہوئی خوراک کھانا۔
(۴) زیادہ چائے یا قہوہ نہ پینا۔
(۵) چٹپٹی چیزیں نہ کھانا۔ زیادہ پکوان اور مٹھائیاں استعمال نہ کرنا۔
(۶) صبح ۹ بجے اور رات کو سات بجے پیٹ بھر کر کھانا اور ضرورت پڑے تو صبح سات بجے اور [illegible] سے واپس آکر تھوڑا سا دودھ پی لینا۔ بس۔





خلاف احتجاج کے طور پر استعفیٰ دیدیا جو منظور کر دیا گیا

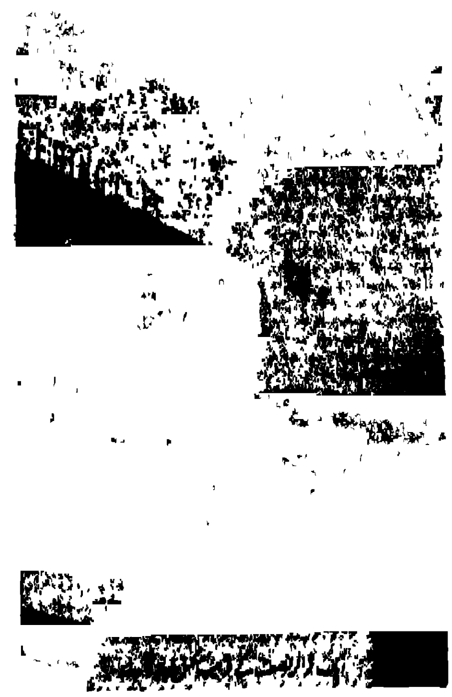
سر ارچیبالڈ ویول

... کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے
... کے واپس ہندوستان آئے ہیں



... تمام ہندوستان میں آپکا ۲۰ واں جنم دن منایا گیا

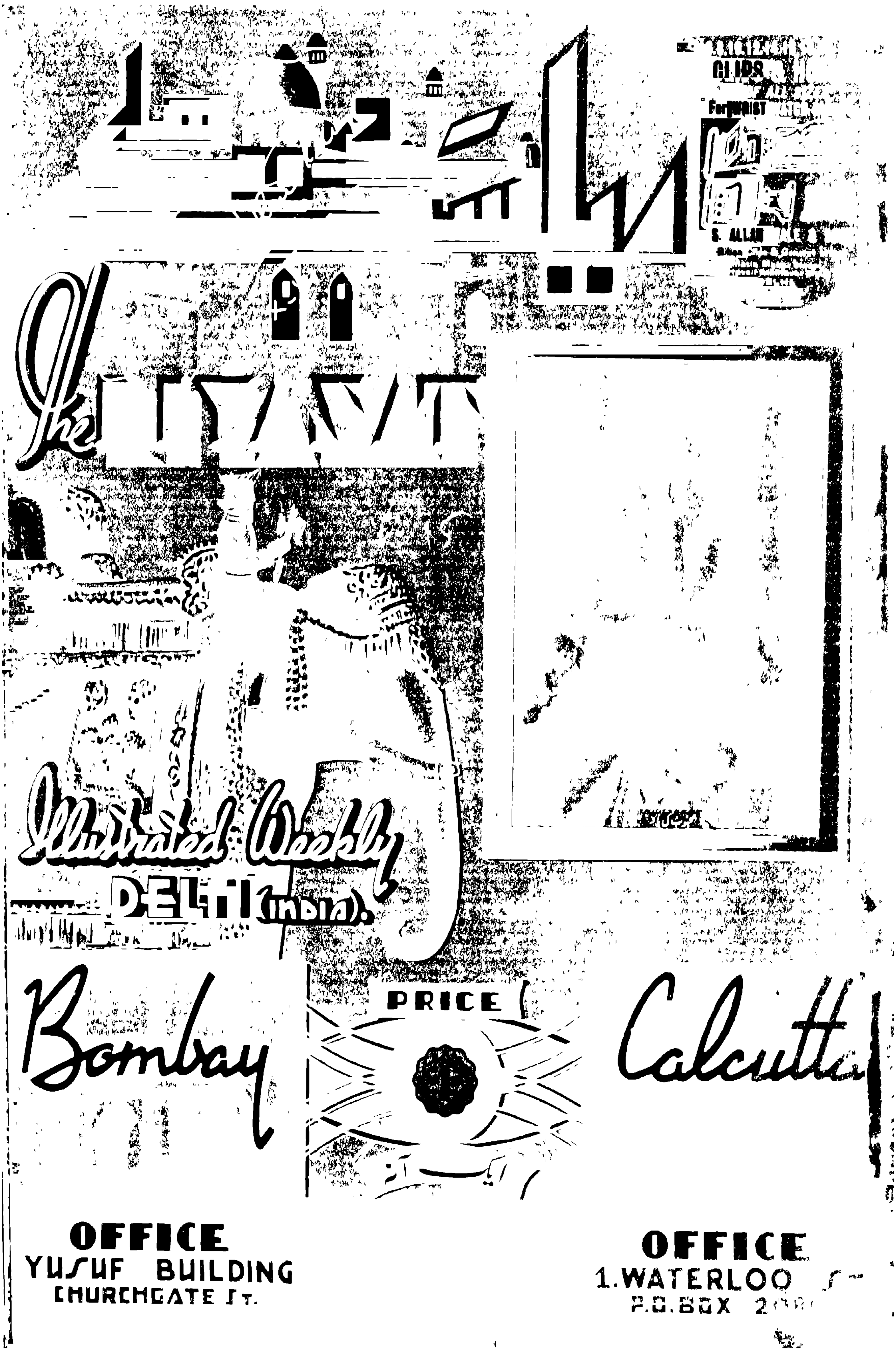
Registered No. L





هر ولن نیورٹ
سابق وزیر خارجہ جرمنی چیکو سلوواکیہ
کے جرمن حاکم ہیں - اس علاقہ
میں سخت شورش بپا ہوجانے
کے باعث ہر ہٹلر نے آپ کو
موقوف کر دیا ہے





Illustrated Weekly
DELHI (India).
Bombay
PRICE
Calcutta
OFFICE
YUSUF BUILDING
CHURCHGATE St.
OFFICE
1.WATERLOO
P.O.BOX 2
CLIPS
ForWRIST
S. ALLAN









ہندوستان کا بہترین ہفتہ وار

جلد — نمبر — مورخہ ۱۳ اکتوبر

قیمت فی پرچہ ایک آنہ — سالانہ — ششماہی

CALCUTTA OFFICE
IWATERLOO ST
PO BOX 2081

BOMBAY OFFICE
YUSUF BUILDING
CHURCHGATE ST

مرحوم بہاری لال کی مرگِ بیکسی

رتلام کے غیر انسانی کارنامہ کی شرمناک حمایت

اخلاقی پستی کی انتہا

تقریباً دو ماہ کا عرصہ ہوا۔ حکومت رتلام نے دنیا کو اپنے "لا اینڈ آرڈر" کا خوفناک نمونہ دکھانے کے لئے سنٹرل انڈیا کے مشہور اور نوجوان قومی کارکن مسٹر بہاری لال ویاس کو "سازش" کے مضحکہ خیز الزام میں گیارہ سال قید سخت کی سزا دی۔ جیل جانے کے چند روز بعد مسٹر بہاری لال ویاس پر ہیضہ کا شدید حملہ ہوا اور ان کی حالت بہت نازک ہو گئی۔ اس بیمار قیدی کے رشتہ داروں نے دیوان ریاست سے درخواست کی۔ کہ اسے چند روز کے لئے پیرول پر رہا کر دیا جائے۔ دیوان نے اس خط کے جواب میں یہ بات تو تسلیم کر لی کہ مریض کی حالت بہت نازک ہے لیکن مسٹر ویاس کو پیرول پر چھوڑنا منظور نہ کیا۔ اس بہادر نوجوان نے خدمت ملک و قوم کے نام پر قید خانہ کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں دم توڑ دیا۔

اوپر کا واقعہ جس قدر افسوسناک ہے اس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ کونسا ایسا انسان ہے جس کے سینہ میں دل ہو اور اس کی آنکھیں حکومت رتلام کی غیر انسانی "پرسٹیج" پرستی پر اشکبار نہ ہو جائیں۔ کہ وہ ایک ایسے قیدی کو جو دنیا میں چند ساعتوں کا مہمان ہے۔ پیرول پر چھوڑنا بھی گوارا نہیں کر سکتی تاکہ وہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کے درمیان دم توڑ سکے۔ چنانچہ "ریاست" نے بھی انسانی ہمدردی کے نام پر یہ سوال اٹھایا اور حکومت رتلام کے جابرانہ رویہ کی مذمت کی۔ ہماری اخلاقی پستی کا اندازہ اس سے کیجئے کہ لاہور کا ایک بے شرم اخبار نویس جس کا نام لکھتے ہوئے بھی ہمیں تکلیف ہوتی ہے اس دردناک واقعہ میں بھی ریاست رتلام کی ذلیل خوشامد کا پہلو تلاش کر لیتا ہے۔ اور "ریاست" کے نوٹ کو "معاندانہ پروپگنڈا" قرار دیتے ہوئے حکام ریاست کے جابرانہ رویہ کی تعریف کرتا ہے۔

شرافت و اخلاق کا بالکل ابتدائی اصول یہ ہے کہ کسی شخص کی موت پر ہر قسم کی مخالفت ختم ہو جاتی ہے۔ اور جو انسان اس دنیا میں موجود نہیں ہے اس کا ذکر نیکی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ مگر ریاستی دوستوں کو جہاں جیل خانوں سے دیکھ دیکھ کر دم توڑنے والے اس اخبار نویس کی شرافت ملاحظہ ہو کہ ایسی حالت میں جبکہ مظلوم بہاری لال ویاس اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ اور اپنے اوپر لگائے ہوئے الزامات کی جوابدہی کے لئے دوبارہ واپس نہیں آ سکتا۔ وہ اس مظلوم مردہ انسان کے خلاف بغاوت۔ سازش اور انقلاب پسندی وغیرہ کے جھوٹے الزامات لگاتا ہے۔ (مسٹر بہاری لال ویاس انڈین اسٹیٹس پیپلز کانفرنس کے ممبر تھے جس کا عقیدہ کانگرس کی طرح عدم تشدد ہے) اور لکھتا ہے کہ:۔

"معاصر "ریاست" کے قومی کارکن کی حقیقت یہ ہے کہ ریاست کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں اور سازشوں کے الزام میں اسے گرفتار کیا گیا۔ گرفتار کرنے کے بعد اس پر باقاعدہ مقدمہ چلا اور انصاف قانون کے مطابق اسے سزا ہوگئی۔

بیماری اور موت پر کسی کا زور نہیں۔ حال ہی میں اس شخص پر ہیضہ کا حملہ ہوا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ جہاں تک حکومت ریاست کا تعلق ہے اس نے اسے ہر ممکن طبی امداد بہم پہنچائی لیکن ہیضہ کا مرض ایک ایسا مرض ہے جس کا فیصلہ دنوں میں نہیں بلکہ گھنٹوں میں ہو جاتا ہے۔ اگر حکومت ریاست مریض کو مناسب طبی امداد بہم پہنچانے میں گریز کرتی تو ہم معاصر "ریاست" کے الزام کو درست تصور کر لیتے۔ لیکن جب امر واقعہ یہ ہے کہ باوجود بہترین طبی امداد کے مریض نے داعی اجل کو لبیک کہا حکومت ریاست کو کنڈم کرنا سراسر لغو اور فضول ہے۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ معاصر "ریاست" کے اس پروپگنڈے سے انتقام کی بو آتی ہے۔ جہاں تک ہماری واقفیت کا تعلق ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر اس مریض کو رہا بھی کر دیا جاتا تو بھی اس کی زندگی محفوظ نہ رہتی۔

سچ کہتے ہیں کہ موت کا دارو نہیں کوئی"

ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ سوال نظر انداز کئے دیتے ہیں کہ پرجا منڈل کی آئینی تحریکات میں حصہ لینے کے جرم میں گیارہ سال قید سخت کی وحشیانہ سزا کہاں تک حق بجانب اور انصاف و قانون ہے؟ ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ تفصیل بھی معلوم کرنا نہیں چاہتے کہ رتلام جیسے مختصر مقام پر جناب اول درجہ کا کوئی ڈاکٹر بھی نہیں۔ مرحوم بہاری لال ویاس کو کیا "بہترین طبی امداد" پہنچائی گئی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ مریض مرگ و زیست کی آخری کشمکش میں مبتلا تھا۔ اس کی زندگی کی تمام امیدیں مفقود ہو چکی تھیں اور خود ریاست کے وزیر اعظم نے تسلیم کر لیا ہے۔ کہ مریض قید خانہ میں چند گھنٹوں کا مہمان ہے۔ اگر مرحوم بہاری لال ویاس کے رشتہ داروں کی درخواست منظور کر کے انہیں پیرول پر رہا کر دیا جاتا تو حکومت رتلام کے نظم و نسق میں کیا قیامت برپا ہو جاتی اور وہ جاں بلب مریض بہاری لال ویاس جو چند گھنٹوں کے اندر دم توڑنے والا تھا۔ قید خانہ سے باہر نکل کر رتلام کا تختہ پلٹنے کے لئے کونسا لشکر جرار بھرتی کر لیتا۔

ہم جانتے ہیں کہ موت کا علاج نہیں ہے۔ ہمیں یہ بھی پتہ ہے۔ کہ موت ہمیشہ معینہ وقت ہی پر آتی ہے۔ اور اگر مرحوم بہاری لال ویاس کو قید خانہ سے رہا کر دیا جاتا تب بھی وہ جانبر نہیں ہو سکتے تھے۔ اور جیل سے باہر پہنچ کر مر جاتے۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں۔ کہ کیا یہ پرلے سرے کی شقاوت اور سنگدلی نہیں ہے۔ کہ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود کہ ایک شخص پر نزع کی حالت طاری ہو چکی ہے۔ اسے جیل خانہ کے اندر کس مپرسی کے عالم میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کے لئے مجبور کیا جائے۔ اور جھوٹے "پرسٹیج" کے زیر اثر حکومت یہ منظور نہ کرے۔ کہ اس قیدی کو جو چند ساعتوں کا مہمان ہے قید خانہ سے باہر نکال کر اس کے گھر میں عزیزوں کے درمیان دم توڑنے کی اجازت دیدی جائے؟

مسلم لیگ کی نظروں میں سر سکندر کا نیا جرم

چند روز ہوئے سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب نے مسٹر چرچل کے اس اعلان پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہ ان کے اور مسٹر روزولٹ کے مشترکہ اعلان آزادی کا اطلاق ہندوستان پر نہیں ہوگا حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ ہندوستانیوں کی مایوسی کو دور کرنے کے لئے ایک نیا اعلان کرے کہ جنگ کے بعد ان یورپین قوموں کی طرح جنہیں جرمنی نے اپنا غلام بنا رکھا ہے ہندوستانیوں کو بھی آزادی کی فضا میں سانس لینے کا حق حاصل ہوگا ساتھ ہی سر سکندر حیات خاں نے حکومت برطانیہ کو یہ الٹی میٹم بھی دیا تھا کہ اگر اس نے تین ہفتوں کے اندر یہ اعلان نہ کر دیا کہ جنگ ختم ہونے کے دو تین سال بعد ہندوستان کو مکمل درجہ نو آبادیات دیدیا جائے گا تو وہ حکومت کے مقابلہ پر ہندوستان کی تمام سیاسی پارٹیوں کا ایک متحدہ محاذ قائم کریں گے۔

سر سکندر حیات خاں جیسے کٹر وفادار حکومت جو آج بھی ہندوستان کی آزادی کا راز برطانیہ کے لئے کٹ کر مر جانے میں پوشیدہ سمجھتے ہیں۔ کیا اس حد تک قدم بڑھانے کے لئے تیار بھی ہو سکیں گے ؟ یہ ایک بالکل مختلف سوال ہے۔ لیکن جہاں تک "تھیوری" یا اصول کا تعلق ہے سر سکندر حیات خاں کے مطالبہ کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور ہر محب وطن ہندوستانی کو برطانوی حکومت سے یہی مطالبہ کرنا چاہئے۔ کہ وہ ۸ راگست والی پیشکش اور مسٹر چرچل کے تازہ افسوسناک بیان کو منسوخ کر کے یہ اعلان کر دے کہ جنگ کے بعد ہندوستان کو آزاد کر دیا جائے گا۔ لیکن اب ذرا مسلم لیگی دنیا کی نئی افتاد سنئے۔

اسی ہفتہ سر سکندر حیات خاں کے مندرجہ بالا اعلان پر غور کرنے کے لئے بمبئی پراونشل مسلم لیگ کا ایک خاص اجلاس طلب کیا گیا جس میں حسب ذیل تجویز متفقہ طور پر منظور ہوئی :۔

"یہ جلسہ سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب کے اس بیان پر اظہار افسوس کرتا ہے جو انہوں نے حال ہی میں دیا ہے۔ جہاں تک ہندوستان کے آئندہ آئین کا تعلق ہے ۸ راگست کے اعلان اور اس کے بعد مسٹر ایمری وزیر ہند کے بیانات اور وضاحتوں سے آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ مطالبہ عملی طور پر منظور ہو گیا ہے۔ کہ برطانوی گورنمنٹ اور پارلیمنٹ ہندوستان میں کوئی ایسا آئین نافذ نہیں کرے گی جسے مسلمانوں کی منظوری حاصل نہ ہو۔ سر سکندر حیات خاں نے اپنے تازہ اعلان میں برطانوی حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ ۸ راگست والی پیشکش اور تمام سابقہ اعلانات واپس لے کر ایک نیا اعلان کرے کہ ہندوستان کو ایک معینہ مدت کے اندر درجہ نو آبادیات عطا کر دیا جائے گا۔ اس مطالبہ کے دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ حکومت ملک میں ایک ایسے آئین کا نفاذ کر دے جو متحدہ اور جمہوری ہندوستان "کی بنیادوں پر ہو۔ اور یہ خیال چونکہ پاکستان کے مسلمہ اسلامی مسلک کے منافی ہے اس لئے مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتا"

مسلم لیگ کے ارباب اختیار کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ ایک طرف تو ۸ راگست کی پیشکش کو صاف الفاظ میں ٹھکرایا جاتا ہے۔ اور اسی کی بنا پر وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل یا ڈیفنس آف انڈیا کونسل کی رکنیت تک منظور نہیں کی جاتی۔ لیکن دوسری جانب اسی پیشکش کو حرز جان سمجھ کر سینہ سے لگایا جا رہا ہے۔ اور مسٹر جناح کے پایہ تخت بمبئی کی پراونشل مسلم لیگ کے خیال میں سر سکندر حیات خاں اس لئے مورد عتاب ہیں کہ وہ ۸ راگست کی پیشکش کو مذاق اور ہندوستانی جذبات کی کھلی ہوئی توہین سمجھتے ہوئے حکومت سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ معینہ مدت کے اندر ہندوستان کو آزاد کرنے کا اعلان واضح الفاظ میں کر دے؟

دتیا سے مسٹر حشمت علی کی علیحدگی

اخبار زریش جس کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین والیان ریاست اور ان کے اعلیٰ حکام کی بدترین خوشامد کرنا ہے۔ اپنی اشاعت مورخہ ۸ راکتوبر میں دتیا کے سابق دیوان رائے بہادر دیوان حشمت علی کی مدح (اس سلسلہ کہ وہ عہدہ سے دست بردار ہو چکے ہیں) کرتے ہوئے نئے دیوان خانصاحب حشمت علی کی تعریف میں حسب ذیل قصیدہ خوانی کرتا ہے:۔

"یہ امر موجب مسرت ہے کہ اس وقت دتیا کی عنانِ وزارت ایک انتہائی مدبر، روشن خیال اور ماہر ریاست اڈمنسٹریٹر

کے سپرد کر دی گئی ہے۔ بہاماروے نے آن خان صاحب حشمت علی کی طرف ہے۔ خانصاحب کو ریاست دتیا کی خان وزارت اقتدار میں سنے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے لیکن اس قلیل عرصہ میں ہی انھوں نے اپنی قابلیت کے جوہر دکھا کر ہر کرد مکا اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ انھوں نے نہ صرف آقائے نامدار کا ہی زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کر لیا ہے بلکہ رعایا میں بھی قابل جنگ ہر دلعزیزی حاصل کر لی ہے۔ ان لیل و نہار کی موجودگی میں توقع کے ساتھ پیشین گوئی کی جا سکتی ہے کہ خانصاحب حشمت علی کا عہد وزارت ریاست کے لئے ہر لحاظ سے زریں عہد ثابت ہوگا۔"

والیان و حکام ریاست کے پرانے رامشگر "ریش" کے اس "انتہائی مدبر۔ روشن خیال اور ماہر سیاست ایڈمنسٹریٹر" ممدوح نے کس طرح اپنے "آقائے نامدار کا زیادہ سے زیادہ اعتماد" حاصل کیا اور کس طرح اس کا "عہد وزارت ریاست کے لئے ہر لحاظ سے زریں عہد" ثابت ہوا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے کہ "زمین اس وقت جبکہ خان صاحب حشمت علی کو "ڈائٹ سیل" کرنے کے لئے "ریش" کے دفتر میں نوٹ لکھا جا رہا تھا۔ اور انہیں مہاراجہ دتیا کے مستند علیہ ہونے کا سرٹیفکیٹ دیا جا رہا تھا مہاراجہ دتیا "ریش" کے اس ممدوح کو اپنے خلاف سازش کے الزام میں ریاست سے نکال رہے تھے! چنانچہ اکتوبر ہی کے معاصر "ویراجن" میں حسب ذیل اطلاع شائع ہوئی ہے

"دتیا سے اطلاع ملی ہے کہ ریاست کے کچھ اعلیٰ حکام نے مہاراجہ دتیا اور ان کے کچھ ساتھیوں کو ریاست سے علیحدہ کرنے کی جو سازش کی تھی وہ وقت پر بھانڈا پھوٹ جانے سے ناکام رہی۔ دیوان کے متعلق بھی سنگین الزامات تھے۔ چنانچہ پولٹیکل ایجنٹ کی اجازت سے دیوان مسٹر حشمت علی کو دیوانی سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اب دتیا کی وزارت پر سابق اسسٹنٹ پولٹیکل ایجنٹ پی این کے لیلے صاحب فائز ہوتے ہیں۔"

ہمیں افسوس ہے۔ کہ مہاراجہ دتیا نے مسٹر حشمت علی کو دتیا سے نکالنے میں جلدی کی۔ اور معاصر "ریش" ان سے اپنے قصیدہ کا صلہ حاصل نہ کر سکا۔ لیکن ہمیں زیادہ فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح ہمارے معاصر نے مسٹر حشمت کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہوئے ان کے پیشرو کی مذمت کی تھی۔ اسی طرح وہ اب مسٹر حشمت علی کی ہجو میں ایک طویل مضمون لکھ کر نئے دیوان مسٹر لیلے کی شان میں قصیدہ خوانی شروع کر دے گا۔

ایران کے بعد افغانستان ڈیموکریسی کے سایہ میں

ایران میں روسی اور برطانوی فوجیں داخل ہونے کے چند روز بعد ہی رائٹر ایجنسی نے اس قسم کی خبریں مشتہر کرنا شروع کر دی تھیں کہ نازیوں نے افغانستان کو بھی اپنی کمین گاہ بنا رکھا ہے اور وہاں جرمن جاسوسوں کے علاوہ ان افغان نوجوانوں کی جنہوں نے جرمنی میں تعلیم حاصل کی ہے ایک ایسی مستقل پارٹی موجود ہے۔ جو موجودہ حکومت افغانستان کی شدید مخالف اور جرمنی کی ہمدرد ہے۔ نیز یہ کہ اس پارٹی کو ایران کے جرمن سفارت خانہ سے روپیہ بھی ملتا رہتا ہے۔

ہمارا اسی وقت ماتھا ٹھنکا تھا کہ اب افغانستان بھی "ڈیموکریسی" کی نعمت سے محروم نہیں رہ سکتا اس کے بعد رائٹر ایجنسی تو خاموش ہو گئی۔ لیکن اینگلو انڈین معاصر "اسٹیٹسمین" کو اپنے دفتر لندن سے اطلاع ملی کہ روس اور برطانیہ نے نازی ایجنٹوں کے اخراج کے متعلق اسی قسم کا ایک مشترکہ نوٹ افغانستان کو بھی بھیجا ہے جس قسم کا ایران کو روسی و برطانوی فوجوں کے داخلہ سے پیشتر بھیجا گیا تھا۔

اب نظر بظاہر (جو درحقیقت ایک امریکن براڈکاسٹنگ کمپنی ہے) اطلاع ہے۔ کہ حکومت افغانستان نے روس و برطانیہ کے تمام مطالبات باوجود سخت مخالفت بے چون و چرا تسلیم کر کے نازیوں کا اخراج منظور کر لیا ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ جرمنی اور اٹلی کے سفارت خانے بھی بند کر دیئے جائیں گے۔ اور ان دونوں ملکوں کا جو روپیہ افغانستان میں جمع ہے وہ بھی ضبط کر لیا جائیگا۔ اس کے بدلے میں روس و برطانیہ نے افغانستان کی حفاظت کی ہے گارنٹی کی ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ کوئی سرکاری اعلان ہمارے سامنے نہ ہو اور ہماری اطلاعات کا ذریعہ ایک اخبار کی ذاتی اطلاع یا کسی غیر ملکی ریڈیو کے پروپیگنڈے تک محدود ہو ہم نہیں کہہ سکتے کہ اصل صورت حال کیا ہے لیکن اگر یہ اطلاعات صحیح ہیں تو اسے ایران کے بعد برطانوی ڈپلومیسی کی دوسری قابل ذکر کامیابی سمجھنا چاہئے۔

افغانستان کے غیر جانبدار ملک میں ڈیموکریسی کے نام پر روس و برطانیہ کی مداخلت اخلاقی اعتبار سے درست ہے یا نہیں اس کے متعلق ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں اور اس کا جواب بھی مستقبل دیگا۔ کہ روس و برطانیہ کی گارنٹی افغانستان کے لئے کس حد تک مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن جہاں تک خالص ملکی سیاست اور ہندوستان کی حفاظت کے لئے سد راہ قائم کرنے کا تعلق ہے۔ برطانیہ نے یقیناً یہ مضبوط قدم اٹھایا ہے۔ اور ظاہر شاہ والئے افغانستان بھی شہنشاہ ایران کے مقابلہ میں زیادہ دور اندیش و معاملہ فہم ثابت ہوئے کہ انھوں نے روس و برطانیہ کی عظیم الشان طاقتوں کے مقابلہ میں اپنے کو بے دست و پا دیکھ کر ان کے مطالبات بے چون و چرا تسلیم کر لئے۔ اور لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہ دیا کہ

اگچہ دانا کند۔ کند نادان
لیک بعد خرابی بسیار

وزیراعظم بنگال کی اپیل ہندو مسلم اتحاد کیلئے

ڈھاکہ کے تازہ فرقہ وارانہ فساد پر اظہار افسوس کرتے ہوئے مولوی ابوالقاسم فضل الحق وزیراعظم بنگال نے "ہندو مسلمانان بنگالہ" سے اپیل کی ہے کہ وہ آپس میں متحد ہو جائیں اور اپنی ہنگامہ آرائیوں سے مادر وطن کو رسوا نہ کریں۔

یہ اپیل یقیناً قابل قدر ہے۔ بشرطیکہ اپیل کرنے والے کے قلب کی گہرائیوں سے نکلی ہو۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں۔ کہ مولوی صاحب کیا خود ہندو مسلم اتحاد کے تہ دل سے قائل ہیں۔ اور وہ مذہب کے جھوٹے نام پر اس قسم کی ہنگامہ آرائیوں کو مادر وطن کی پیشانی کے لئے داغ رسوائی سمجھتے ہیں۔

ہمیں اس صاف بیانی کے لئے معذور سمجھا جائے۔ کہ ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کے شعلے بھڑکانے کی ذمہ داری سے خود مولوی فضل الحق بھی بری قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ انھوں نے ایک صوبہ کے وزیراعظم ہوتے ہوئے دوسرے صوبہ سی پی کی کانگرس منسٹری کے خلاف اسلام دشمنی کے جو طویل و شدید الزامات لگائے۔ اور وہاں کے بہت معمولی معمولی واقعات پر مبالغہ کا رنگ چڑھا کر انہیں مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز ثابت کیا۔ اس سے ملک کی فرقہ وارانہ فضا بہت خراب ہوئی اور مسلمانوں کے دلوں میں ہندوؤں کی جانب سے نفرت کا اس قدر زبردست داغ بیٹھا ہے۔ وہ آسانی رفع نہیں ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ان کی اس قسم کی تقریروں نے کہ سی پی اور یو پی کی کانگرس منسٹریاں مسلمانوں پر جو بے پناہ مظالم ڈھا رہی ہیں ان کا انتقام بھی وہ بنگال کے ہندوؤں سے لیں گے۔ شورش پسند مسلم عنصر کی بہت حوصلہ افزائی کر دی۔ ... اس نے "سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا" کے بمصداق یہ سمجھ کر کہ جب بنگال کے عظیم الشان صوبہ کا وزیراعظم ان کی پشت پر ہے۔ تو ان سے مواخذہ کون کر سکتا ہے۔ انھوں نے وہ اشتعال انگیز حرکتیں شروع کیں جن کا نتیجہ آج ڈھاکہ کے افسوسناک فسادات کی صورت میں ہماری نظروں میں آ رہا ہے۔

اگر مولوی ابوالقاسم فضل الحق سچے دل سے ہندو مسلم اتحاد کے طلبگار ہیں۔ اور وہ نہیں چاہتے ہیں کہ فرقہ وارانہ فسادات مادر وطن کی پیشانی کے لئے داغ رسوائی بنیں تو انھیں خود فرقہ پرستی کی سطح سے بالاتر رہنا چاہئے۔

ڈھاکہ پھر فرقہ وارانہ فساد کے شعلوں میں

افسوس ہے کہ ڈھاکہ میں پھر فرقہ وارانہ فساد برپا ہو گیا جس میں چھ سات آدمی ہلاک اور ایک درجن کے قریب مجروح ہوئے ہیں۔

ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کے لئے اب تک کانپور بہت بدنام تھا کہ وہاں آئے دن مذہب کے غلط نام پر لوگ وحشی درندوں کی طرح ایک دوسرے کا خون بہاتے رہتے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب پچھم کی ہوا پورب کی جانب منتقل ہو گئی ہے اور بدنصیب ڈھاکہ صنعتی اعتبار سے نہیں ہنگامہ خیزیوں ہی کے اعتبار سے بنگال کا کانپور بنتا جا رہا ہے۔ چنانچہ ایک سال کے اندر وہاں کئی خوفناک بلوے ہو چکے ہیں۔ جن میں درجنوں آدمی ہلاک و مجروح ہوئے اور لاکھوں روپیہ کا سامان برباد ہوا۔

مسٹر فضل الحق وزیراعظم بنگال نے اس تازہ ہنگامہ پر اظہار افسوس کرتے ہوئے ہندو مسلمانوں سے اتحاد کی اپیل کی ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں اس قسم کی اپیلوں سے کام نہیں چلا کرتا ہے۔ ضرورت ہے کہ حکومت فسادات کی روک تھام کیلئے کوئی سخت قدم اٹھائے۔ جن لوگوں پر جرم ثابت ہو انہیں عبرت خیز سزائیں دی جائیں۔ اور جس بازار یا گلی کوچہ میں بھی کوئی ہندو مسلمان لڑا جائے اس کے تمام باشندوں کو قابل مواخذہ قرار دے کر بلا استثنا ہر شخص پر تعزیری ٹیکس لگا دیا جائے۔ یہی طریقہ کانپور میں بھی فسادات کی روک تھام کے لئے موثر ثابت ہوا تھا۔

مسٹر ساورکر کی نئی مشعل جرمنی لتحاد کیلئے

آل انڈیا ہندو مہا سبھا کے پریذیڈنٹ مسٹر ساورکر نے چند روز ہوئے مدراس میں تقریر کرتے ہوئے عیسائیوں کو مشورہ دیا کہ وہ مسلمانوں پر کبھی اعتبار نہ کریں کیونکہ وہ ان کے موروثی و تاریخی دشمن ہیں۔ اور آپ نے ان خونریز لڑائیوں کا حوالہ دیتے ہوئے جو سلطان صلاح الدین اور رچرڈ شاہ انگلستان وغیرہ کے درمیان سالہا سال تک جاری رہی تھیں اور تاریخ میں جنگ صلیبی کے نام سے مشہور ہیں۔ عیسائیوں کو بتایا کہ مسلمانوں نے مشرق قریب میں ان پر کیسے کیسے مظالم ڈھائے ہیں اور کس طرح عیسائیوں کو یمن، شام، فلسطین، ٹرکی اور مصر وغیرہ کی عظیم الشان سلطنتوں سے محروم کر دیا گیا۔

بڑھاپے کے اثر یا فرقہ پرستی کے جراثیم سے ہمارے لیڈران کی دماغی حالت کس قدر قابل رحم ہو جاتی ہے۔ اس کا اندازہ مسٹر ساورکر کی تغیر طبع اور ان کے مندرجہ بالا "انکشافات" سے کیجئے۔ کسی زمانہ میں مسٹر ساورکر ہندو مسلم اتحاد کے سچے حامی۔ سچے قوم پرست اور صرف قوم پرست ہی نہیں بلکہ سچے انقلابی بھی تھے جن کی دلیری ایثار اور قربانی کی گزشتہ داستانیں پڑھ کر آج بھی رگوں میں خون گرم ہو جاتا ہے۔ لیکن جس شخص نے اپنی ساری جوانی کالے پانی کی پر عذاب دنیا میں گزاری ہو۔ آج بڑھاپے میں برطانوی امپریلزم کو تقویت پہنچانے کے لئے فرقہ پرستی کی تال پر ڈانس کرتا ہے اور وہ جو کبھی ہندو مسلم اتحاد کے لئے پھانسی کے تختے پر چڑھ جانا بھی باعث فخر سمجھتا تھا۔ آج اس کی ہر گفتگو میں ان دونوں بھائیوں میں افتراق حائل کر رہی ہے۔

مسٹر ساورکر جیسے سابق محب وطن میں فرقہ پرستی کا جذبہ اب کس حد تک بڑھ چکا ہے اور وہ کس طرح ہندوستان کی مختلف جماعتوں کو متحد دیکھنا نہیں چاہتے اس کا اندازہ اس سے کیجئے۔ کہ ملک میں ہندو مسلم فسادات کے شعلے تو آئے دن بھڑکتے ہی رہتے تھے۔ اب مسٹر ساورکر اپنے مندرجہ بالا تاریخی "انکشافات" سے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان بھی نفرت کی دیوار کھڑی کرنا چاہتے ہیں ورنہ ہمیں بتایا جائے کہ ٹرکی، عرب یا مصر وغیرہ کے مسلمانوں نے اگر ان ممالک کے عیسائیوں پر آج سے سینکڑوں برس پیشتر کوئی ظلم کیا بھی تو اس کی ضرورت کیا ہے کہ ان جھوٹے یا سچے واقعات کا حوالہ دیکر بدنصیب ہندوستان میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان فرقہ وارانہ جنگ کا ایک نیا دروازہ کھولا جائے۔ کاش ہمارے فرقہ پرست لیڈر اپنی ستم ظریفیوں کے افسوسناک نتائج پر کبھی ٹھنڈے دل سے غور بھی کر لیا کریں۔

شملہ میں ڈیفنس کونسل کا ڈرامہ

اس ہفتہ شملہ میں ڈیفنس آف انڈیا کونسل کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں ابھی مسٹر چرچل کی جانب سے جو صاف طور پر اعلان کر چکے ہیں کہ خاتمہ جنگ کے بعد آزادی کی فضا میں سانس لینے کی مستحق صرف یورپین قومیں ہیں۔ ہندوستانی نیز ہندوستانیوں کی پیٹھ ٹھونکی گئی کہ وہ برطانیہ کیلئے جان و مال کی قربانیاں کر کے روزانہ اپنی دستار غلامی میں ایک نئے طرہ کا اضافہ کر رہے ہیں۔ وائسرائے نے شاندار خدمات جنگ کے لئے ہندوستان کو مبارکباد دی اور اس کے بعد اجلاس کی اہمیت بڑھانے کے لئے اسے "خفیہ اجلاس" میں منتقل کر دیا گیا۔ حالانکہ کچھ "وہ" پہلے ہی کہہ چکا ہے کہ ع

نہادہ کے مانند آں رانہ کز وسازند محفلہا

ہم حکومت سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھتی ہے کہ ہندوستان اس نام نہاد نیشنل ڈیفنس کونسل کی پشت پر ہے؟ اگر وہ ایسا سمجھتی ہے تو اس کی سخت غلطی ہے۔ ہندوستان یعنی اصلی ہندوستان۔ اس وقت ڈیفنس آف انڈیا کونسل میں نہیں بلکہ اس کے باہر اور زیادہ تر جیل خانہ کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں مقید ہے۔ جس ڈیفنس کونسل میں قوم کا ایک بھی ہندو یا مسلمان نمائندہ شامل نہ ہو۔ اسے "نیشنل" کا خطاب دینا۔ کیا لفظ "نیشنل" کی توہین اور خود اپنے نفس کو دھوکا دینا نہیں۔

جرمنی اگر ناروے کے ایک مدبر ایم۔ کوئسلنگ کو اپنے ڈھب کا پا کر اس کے ذریعہ ناروے کی "نیشنل" گورنمنٹ قائم کر لیتا ہے تو تمام دنیا میں جرمنی کی بد دیانتی مشتہر کی جاتی ہے۔ اور کوئسلنگ جو جرمنی کا آلہ کار بنگیا تھا اس کا نام انگریزی لٹریچر میں ایک مستقل لفظ کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے جس کے معنی ہی غدار قرار دیئے جاتے ہیں۔ لیکن کیا ستم ظریفی ہے کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت چند ہندوستانیوں کو جنہیں پبلک کا ذرہ برابر اعتماد حاصل نہیں۔ جو عامۃ الناس کے منتخب کئے ہوئے نہیں۔ جو ہندوستان کی کسی سیاسی جماعت کے نمائندہ نہیں۔ محض اپنے ڈھب کا پا کر ایک کمرے میں بند کر دیتی ہے اور ان کے اجتماع کو کہا جاتا ہے مدافعت ہند کی قومی کونسل۔ ضرورت ہے کہ حکومت اب زیادہ عرصہ تک تاریکی میں نہ رہ کر اس تلخ حقیقت کو محسوس کرے کہ شملہ میں ڈیفنس آف کونسل کے نام پر جو کچھ ہوا وہ ہندوستان کے قومی جذبات کا مظاہرہ نہیں بلکہ حکومت کے تار پر چند تھرکنے والی کٹھ پتلیوں کا ڈرامہ تھا۔ حکومت ہندوستانیوں کا اشتراک صرف اسی وقت حاصل کر سکتی ہے جب کہ کانگریس کی جانب دست صلح دراز کرے۔

آپ کے بال بھی ریشم کی مانند نرم اور پھولوں جیسے معطر ہو سکتے ہیں

بشرطیکہ آپ



کاہن آملہ ہیر آئیل

متواتر استعمال کریں

کاہن آملہ ہیر آئیل ۲۵ سال سے متواتر ایک ہی نسخہ ایک ہی ترکیب سے تیار کیا جا رہا ہے۔

کاہن آملہ ہیر آئیل کی ہر بوند میں بالوں کے لئے طاقت صحت اور توانائی پوشیدہ ہے۔

کاہن آملہ ہیر آئیل خاص کوہ ہمالیہ اور خطہ کشمیر کی جنگلی جڑی بوٹیوں سے بغیر کسی دیسی یا بدیسی رنگ و بو کی ملاوٹ کے تیار کیا جاتا ہے۔

سینکڑوں سونے اور چاندی کے تمغہ جات کاہن آملہ ہیر آئیل کی عمدگی پر مل چکے ہیں۔

آپ بھی ایک مرتبہ استعمال کریں۔ ہر جگہ ملتا ہے

مکمل فہرست مفت طلب کریں

کاہن آملہ ہیر آئیل ڈپو صدر بازار دہلی

دن بھر کی تازگی



بیداری اور چستی کے لئے ... یا شب میں سوتے وقت ... آپ ... چاہتے ہیں کہ آپ کا دن ... شروع ہو؟ تو آپ ... بوسفا ... استعمال شروع کیجئے ... اور ... دن بھر شگفتہ اور تازہ رکھے گی۔

Bosco

دہلی اور پنجاب کے ایجنٹس

جشتی ایجنڈ کمپنی لمیٹڈ۔ چاندنی چوک دہلی

تیار کردہ بمبئی سوپ ... دی بمبئی نمبر ۳

ملاحظہ کے لئے اس نے

کھجلی

سے کس طرح نجات حاصل کی

کوئی بھی وجہ نہیں ہے کہ آپ جلد کے اس تکلیف دہ موذی مرض کی تکلیف برداشت کرتے رہیں کیونکہ یہ آسان ہے اور بہت جلد ڈی ڈی

D.D.D. Prescription.

ڈی پرسکرپشن سے شفا پائی ہے۔ اس خط کا فریدہ اس امر کو ثابت کر سکتا ہے۔ ... سے میں کھجلی کی تکلیف برداشت کر رہا تھا ... مختلف ادویات استعمال کرنے کے بعد مجھے ایک ... D.D.D. ڈی۔ ڈی۔ ڈی استعمال کرنے کی سفارش کی ... ایسا ہی کیا ... مجھے اس خطرناک مرض سے قطعی شفا حاصل ہو گئی ... اگر آپ ... یا جلد کی کسی اور تکلیف دہ یا بد صورت کرنے والے مرض کی شکایت ہے۔

D.D.D. ڈی۔ڈی۔ڈی آپ کو یقینی شفا دے گا ... جلد کے اندر ... جراثیم کو ... D.D.D. ڈی۔ڈی۔ڈی کی ... ایک ... سے ... شفا حاصل کرنا شروع کر دیگا۔

لورالائی بلوچستان میں اخبار ریاست

ہر ہفتہ جگت رام اینڈ سنز سے ایک آنہ میں خرید فرمائیے۔

سکندرآباد (دکن) میں اخبار ریاست

ہر ہفتہ کرشنا نیوز ایجنسی سے ایک آنہ میں خرید فرمائیے۔

چند چیدہ

ینگ انڈیا

YOUNG INDIA

YOUNG INDIA

گراموفون ریکارڈ ماہ اکتوبر ۱۹۴۱ء

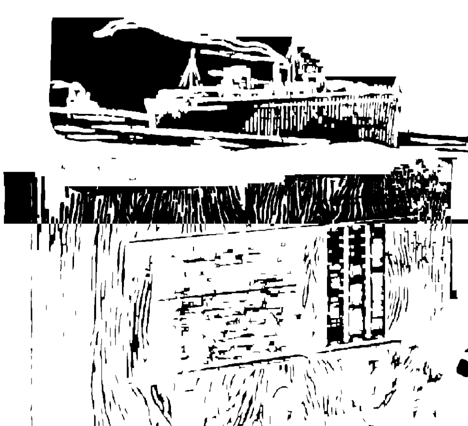
ہندی ریکارڈ			اردو ریکارڈ		
کملا دلتا	DA-6485	پنچھی ہوتا کیوں ڈھمیر / چل بجنی چل ساجن	محمد شکور	DA-6494	میں دل میں محمد کے .... / محمد مصطفےٰ .....
روشن آرا بیگم	DA-6489	اس نگری سے دور / ہماری سیجریا	فضل قوال	D-A-6493	مدینہ ہے رشک چمن / محمد کا روضہ
مس ستارا (کانپوری)	MM 7175	جائے نہ پیو ہماری گلی آ بیکے / میں نے لاکھوں کے بول سہے	ماسٹر اشرف خاں	MM-7176	گلشن میں آج کل .... / دل لگی ہے دل لگی۔

علاوہ ازیں اس ماہ اور بھی بہت سے ریکارڈ نکلے ہیں جن کی مکمل فہرست اپنے شہر کے باضابطہ ڈیلر سے طلب کریں۔ نیز پرکاش پکچرز کی مشہور و معروف فلم ہڑدوسی و نیو تھیٹرز کی فلم "بارجیت" اور پرکاش پکچرز کی فلم درشن کے گانے ینگ انڈیا ریکارڈوں پر سنئے۔ مارواڑی ریکارڈ بھی اس ماہ بہت جلد نکلنے والے ہیں۔ جن کا شوق سے انتظار کریں۔

ایجنسی کے لئے مسٹر جے ڈی راجپال ۱۸ فائر بریگیڈ لین نئی دہلی کو لکھئے۔

المشتہر۔ دی نیشنل گراموفون ریکارڈ مینوفیکچرنگ کمپنی لمیٹڈ۔ ۱۰ امیڈو سٹریٹ فورٹ بمبئی

ہز ماسٹرس وائس



جدید

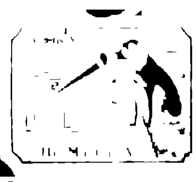
ہائی کیو ریڈیو

ماڈل نمبر 1020

یہ بالکل نئی قسم کا دیدہ زیب اور نظر فریب ریڈیو ماڈل اے سی اور ڈی سی کرنٹ پر نہایت خوش اسلوبی سے کام کرتا ہے۔ یہ پانچ ویلو کا سیٹ آٹومیٹک والیوم کنٹرول، گراموفون پک اپ کے علاوہ غیر معمولی طاقت کے لاؤڈ سپیکر سے مزین ہے۔ اس کی ویو رینج ۱۳ میٹر سے ۲۰۔ ۹۰ اور ۱۹۰۔ ۵۷۰ تک ہے۔ اس کی مضبوط خوشنما اور اعلیٰ ساخت کی کیبنٹ خاص طور سے میز پر رکھنے کیلئے نہایت موزوں ہے مزید برآں یہ ریڈیو سٹ ہر طرح کے ضروری سامان اور جدید آلات سے مرصع ہے۔

باوصف ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف تین سو روپے رکھی گئی ہے

اپنے شہر کے گراموفون ڈیلر کے شوروم میں جا کر ایک نظر ملاحظہ فرمائیے



المشتہر۔ دی گراموفون کو لمیٹڈ

دمدم ● کلکتہ ● مدراس ● دہلی

حکایت و افسانہ

فرض کی راہ

بھیٹ بھابی کے ساتھ جب دیا گھر آئی تو وہ [illegible] بہت [illegible] ایک [illegible] پر چڑھ رہا تھا۔ دیا کو آتا دیکھ [illegible] دو منہ کا آم منہ میں [illegible] ہاتھ میں [illegible] وہاں سے اٹھا اور ایک کر غسل خانہ میں ہو گیا۔ پیچھے سے بھابی نے پربھو پربھو پکارا لیکن وہ رکا نہیں۔

جب [illegible] پانی میں [illegible] ہو گیا، کپڑے [illegible] جس طرح بھاگ [illegible] نے تو [illegible] خیال [illegible] اپنی دھوتی [illegible] انگوچھا تو وہ [illegible] ہرگز [illegible] ہوں [illegible] بھابی شاید اسی سے اسے پکار رہی تھیں لیکن جب بھابی یہ جانتی تھیں [illegible] دھوتی انگوچھا [illegible] کیوں [illegible] یہ لاکھ سر پٹکنے پر بھی پربھو کی سمجھ میں نہ آیا۔ سب سے بڑا سوال جو اس کے سامنے آیا تھا [illegible] تھا کہ [illegible] اور جیسے [illegible] نے بھابی کو لاکھ آوازیں [illegible] مرتبہ [illegible] ملبکا وغیرہ کو پکارا۔ لیکن [illegible] معلوم ہوتا تھا کہ سب کانوں میں [illegible] دیے بیٹھی ہیں۔ اب وہ کیا کرتا؟ [illegible] تہمد لئے برہنہ بدن دیا کے سامنے جانا ناممکن تھا۔ اس لئے اس نے فیصلہ کیا کہ جب تک کوئی ادھر نہیں آتا برابر غسل کئے جاؤں گا۔ [illegible] پھر دن بھی گرمیوں کے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد اسے غسل خانے کے باہر کسی کے چپل کی آواز سنائی دی۔ آخر کوئی آ ہی گیا۔

پربھو نے یہ سوچ کر دروازہ کھولا اور سر باہر نکال کر دیکھا تھوڑے ہی فاصلے پر دیا ایک سٹول پر رونق افروز تھی۔ باپ رے [illegible] تو بیرے [illegible] پہرے پر بیٹھی ہے [illegible] اس نے سوچا۔ اور دروازہ بند کر لیا۔

[illegible] بولی جیسے کوئی جادو [illegible] سوچا [illegible] جائے تو [illegible] دھوتی انگوچھے [illegible] اس نے دروازہ کھولا ہی تھا قدم باہر کی طرف بڑھایا [illegible] دیکھا کہ سامنے دیوار کا سہارا لئے دیا صاحبہ [illegible] اس نے ایک [illegible] پھونک [illegible] دیکھ بھی لیا۔ پربھو [illegible] پاؤں لوٹ آیا اور دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی۔ [illegible] سوچنے لگا کہ [illegible]

[illegible] دروازہ کھٹکھٹایا۔ پربھو نے [illegible] ہاتھ میں دھوتی اور انگوچھا لئے دیا سامنے کھڑی تھی [illegible] دوسری طرف دھوتی انگوچھا [illegible] ہنس [illegible]

[illegible] اس کی پہلی [illegible] تھی اور [illegible] پربھو دیا [illegible] کرم فرمائی سے [illegible] کیا یا معنی لگانے لگا۔

(۲)

دیا بھابی کی دور کے رشتے سے بہن تھی۔ اس کی ماں کا انتقال حال ہی میں ہوا تھا اور بھابی نے اس کا دل بہلانے کے لئے اسے اپنے ہاں بلوا لیا تھا۔

پربھو بی اے میں پڑھتا تھا۔ وہ شاعر تھا اور ایک مذاقی نوجوان۔

اور بھابی [illegible] ان کے بارے میں کوئی کیا کہے۔ اچھی بھلی تھیں اور بڑی بھی۔ چھوٹی ہونا چاہتیں تو چھوٹی ہو رہتیں اور اگر بڑی ہونے لگتیں تو [illegible]

دیکھنے میں دبلی پتلی گوری جیسی [illegible] گھر انہیں چاہتا تھا لیکن انہیں سمجھنا بہت مشکل تھا۔ معلوم ہی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ خوش ہیں یا ناراض۔ چہرہ پر مسکراہٹ ہو اور [illegible] جلی کٹی باتیں نکل رہی ہیں۔ پھر اس وقت رنگ بدل گیا [illegible] ہنسی مذاق۔ وہی خندہ پیشانی۔ وہی مزے مزے کی باتیں۔

اور پربھو سے پوچھتیں: "میری بہن ٹھیک لگی ہے [illegible] میرے [illegible] اچھی لگی ہے یا [illegible]"

اور یہ تو اکثر ہوا کہ بھابی نے پربھو سے فرمائش کی: "ذرا میرے بالوں میں کلپ تو لگا دے۔" یا بھابی کپڑے پہن رہی ہوں اور پربھو سے آکر پوچھیں: "اس بلاؤز پر نیلے رنگ کی ساڑھی پہنوں یا [illegible] لے لوں؟"

اور یہ بھی اکثر ہوا کہ پربھو ان کے کمرے میں گیا اور وہ چلا اٹھیں "کیا ہے؟" یا پربھو ان کے پاس جا بیٹھا اور وہ بات کئے بغیر وہاں سے چلی گئیں۔

بعض کئی مرتبہ اس کے پاس بھابی کی شکایت لے کر آئی تھیں کہ نیا [illegible] نوکر مجھے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔

بھابی کہتی تھیں کہ جب پربھو کے دوست باہر آتے ہیں تو [illegible] لڑکی [illegible] نہیں [illegible] سکتی ہے۔ بھلا بھابی کو کیا کہنا چاہیئے۔ [illegible]

بھابی کہتی ہیں [illegible] کسی نے مایا کی چوٹی کو پکڑ کر کھینچا تھا۔ مایا منہ پھلائے بیٹھی ہے۔

پربھو سب کچھ سنتا لیکن بھابی کے خلاف ایک لفظ بھی اس کی زبان پر نہ آتا تھا۔ [illegible] ہمیں ہی نصیحت کرتے ہیں آپ۔ بھابی کے سامنے تو زبان بند ہو جاتی ہے۔"

لیکن پربھو بھابی سے ہیبت [illegible] تھی۔ اس نے بھابی کی کسی بات پر کبھی [illegible] نہ مانا تھا۔ یوں تو گھر میں ماں تھیں۔ بیوہ چچی تھیں۔ دور کی رشتہ دار [illegible] بھی تھی۔ لیکن پربھو کو سب سے اچھی لگتی تھیں بھابی۔

(۳)

اس دن صبح اخبار پڑھتے پڑھتے پربھو کہنے لگا: "بھابی تم جیسے کبھی لڑا مت"

بھابی پربھو کی کھاٹ کے پاس مونڈھے پر بیٹھی ترکاری کاٹ رہی تھیں [illegible] دیا بھی تھی۔ لڑکیاں سب سکول گئی ہوئی تھیں۔

پربھو چاہتا تھا۔ بھابی پوچھیں: "کیوں؟" لیکن بھابی نے ترکاری کاٹتے کاٹتے کہا: "اچھا" پھر کھلکھلا کر ہنس پڑیں اور بولیں: "بیوقوف کیسے؟ ہم نے بات بھی تم نے مان لی جیسا کہ چاہیئے تھا۔"

"ہاں۔ ہاں" بھابی نے ہنس کر کہا: "ہمیں بنانے کی کوشش مت کرو۔" پھر بولیں: "اب کہو کیا کہتے ہو؟"

"کچھ بھی نہیں۔" پربھو نے جواب دیا۔

"تم اخبار کی کوئی خبر سنا رہے تھے نا؟ اچھا سناؤ"

پربھو نے دیکھا کہ دیا مسکرا رہی ہے۔ اس نے بھابی کی طرف اس انداز سے دیکھا گویا کہہ رہا ہو۔ میرا مذاق کیوں اڑاتی ہو دیا کے سامنے؟

لیکن بھابی نے شرارت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا بتاؤ! کیوں ڈرتے ہو تم دیا سے؟"

پربھو تھوڑی دیر چپ بیٹھا رہا۔ پھر پڑھنے لگا۔ "لکھنؤ ۴ اکتوبر۔ خبر آئی ہے کہ"

تب اس نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ بھابی ندارد ہیں اور صرف دیا اس کے سامنے بیٹھی ہے

شرم اور غصہ کے مارے وہ پانی پانی ہو گیا۔ اٹھ کر جانا چاہتا تھا کہ دیا نے کہا: "خبر آئی ہے کہ ؟"

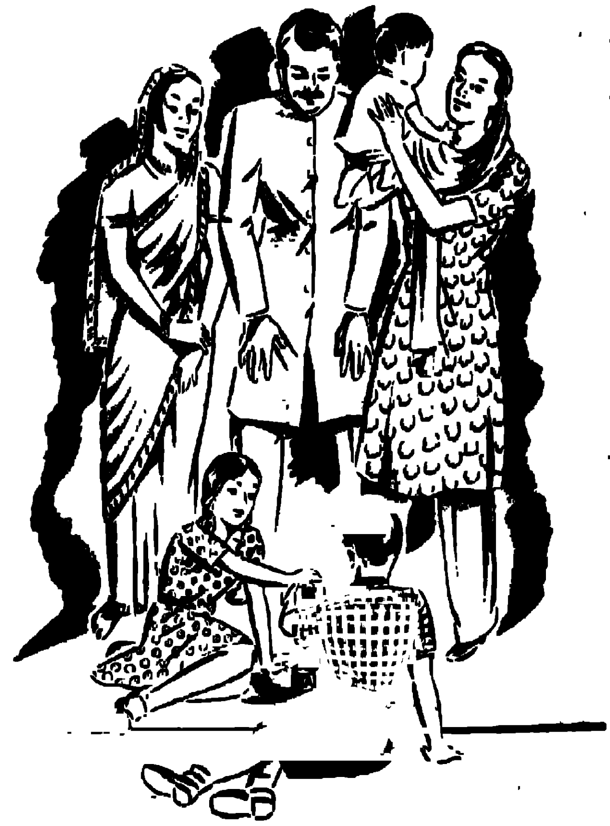
پربھو کی جان میں جان آئی۔ اس نے پڑھ کر سنایا کہ کس طرح ایک معمولی جھگڑے کے بعد رام [illegible] نے اپنی بیوی پھول کلی کی ناک کاٹ ڈالی۔

بھابی نے آتے آتے یہ خبر سن لی اور بولیں: "تمہارے بھائی میں اتنی طاقت کہاں کہ میری ناک کاٹ لیں۔ مجھے یہ سننے کی ضرورت تھی۔ اچھا کیا جو تم نے دیا کو سنا دیا۔ نہ جانے کیسے آدمی سے اس کا پالا پڑے گا۔"

نہ جانے پربھو کیوں شرمندہ سا ہو گیا اور اٹھ کر وہاں سے بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے اس نے سنا۔ دیا کہہ رہی تھی: "تو آپ سن رہی تھیں چھپ کر؟"

بھابی نے جواب دیا: "اور کیا تم دونوں کو اکیلے چھوڑ دیتی!"

اپنے خاندان کی تندرستی کی حفاظت کیجئے



اگر آپ اپنے خاندان کے افراد کی تندرستی کی قدر کرتے ہیں تو ان کو وائیلا (رجسٹرڈ) کے کپڑے پہنا کر زکام اور سردی سے ان کی حفاظت کیجئے۔ وائیلا (رجسٹرڈ) برطانیہ میں تیار کیا جاتا ہے۔ اس کی تیاری میں بہترین خام مصالحہ استعمال ہوتا ہے۔

دھوپ اور دھلائی سے اس کا رنگ نہیں اُڑتا۔ نیز سکڑتا نہیں۔ اس کے ایسا ہونے کی ضمانت کی جاتی ہے۔

یہ کفایت بخش بھی ہے۔ یہ برسوں تک چلے گا اور تب بھی اس کی بناوٹ کی خوبصورتی قائم رہے گی۔ دغاباز تاجروں کے دھوکہ میں نہ آیئے جو آپ کو اتنا ہی اچھا ہونے کا یقین دلا کر گھٹیا کپڑا خریدنے کی تلقین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں بہت سے بددیانت بھی ہوتے ہیں۔ اور وہ ان گھٹیا کپڑوں کو وائیلا بتا کر بیچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کپڑے کے کنارے پر نام چھپا ہوا ہمیشہ دیکھ لیا کیجئے۔

وائیلا (رجسٹرڈ) تمام اچھی قسم کے بزازوں کے ہاں ملتا ہے

'Viyella'

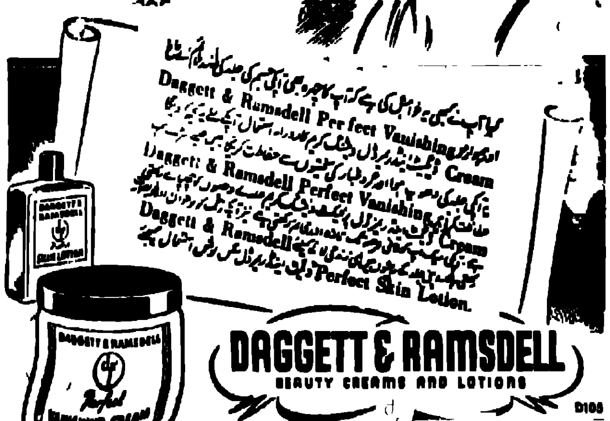
DAY & NIGHT WEAR

تیار کرنیوالے:۔ ولیم ہالنز اینڈ کمپنی لمیٹڈ۔ ویکسل ہولی وارڈ نوٹنگھم انگلستان

خوردہ فروش اپنی ضروریات کے لئے متوک نرخوں پر مندرجہ ذیل جگہوں سے مال خرید سکتے ہیں۔ ہرگوبند براادرس کٹرہ چوپڑہ چاندنی چوک دہلی یا حاجی محمد جان موسیٰ کراچی والا چکلہ سٹریٹ بمبئی اور حاجی اسماعیل حاجی عمرا اینڈ کمپنی چکلہ سٹریٹ بمبئی۔

حُسن
جو آپ چاہتی ہیں





ڈیگٹ اینڈ رامزڈیل بیوٹی کریمز اور لوشن

ایک بڑی قوم کی رُوح

LONG JOHN



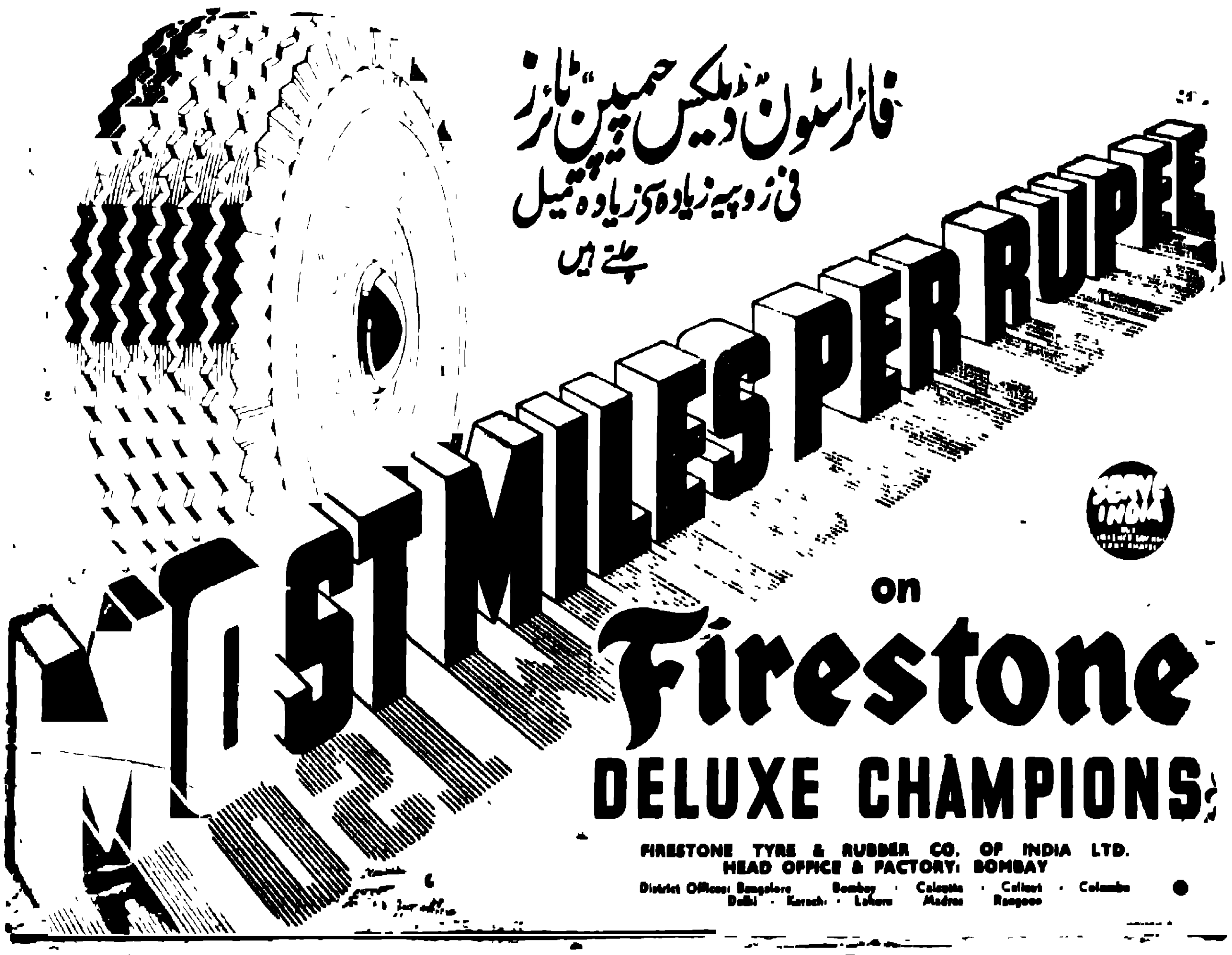
پُرانی اور نفیس وسکیوں سے کشیدہ لانگ جان سکاچ وسکی کی بہترین خوبیاں کی آئینہ دار ہے۔

تمام شراب کی دوکانوں سے مل سکتی ہے

سول ایجنٹس:۔ ٹی بومن داس اینڈ کمپنی وائن اینڈ پروویژن مرچنٹس
کلیرنگ فارورڈنگ اینڈ شپنگ ایجنٹس۔ بندر روڈ۔ کراچی
ٹیلیفون نمبر ۳۰۹۷ وسٹ آفس بکس ۱۰۳


Good Whisky—
JOHNNIE
WALKER
BORN 1820—STILL GOING STRONG
Sole Agents for India and Ceylon: CUTLER PALMER & CO.
BOMBAY · CALCUTTA · COLOMBO · LAHORE · MADRAS


اگر آپ کو
قابلِ اطمینان بیٹری
کی تلاش
ہو
Willard
وِلارڈ
بیٹری خریدیئے
گریوز کاٹن اینڈ
کرامپٹن پارکسن لمیٹڈ


فائرسٹون ڈیلکس چیمپین ٹائرز
فی روپیہ زیادہ سے زیادہ میل
چلتے ہیں
MOST MILES PER RUPEE
on
Firestone
DELUXE CHAMPIONS
FIRESTONE TYRE & RUBBER CO. OF INDIA LTD.
HEAD OFFICE & FACTORY: BOMBAY
District Offices: Bangalore · Bombay · Calcutta · Calicut · Colombo
Delhi · Karachi · Lahore · Madras · Rangoon

دیا یا۔ ایک منٹ بھی نہیں۔ بہت بڑی ذمہ داری ہے مجھ پر"
اس نے دیا کو یہ کہتے سن لیا تھا کہ پربھو بہت شرمیلے ہیں۔ نہ جانے کیوں تب سے اسے دیا کے سامنے جاتے شرم محسوس ہوتی تھی۔ بالخصوص جب بھابی بھی موجود ہوں وہ ایسی اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگتیں کہ پربھو کو وہاں سے بھاگتے ہی بنتی۔ لیکن تنہائی میں وہ حتی الوسع دیا پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا کہ درحقیقت وہ اتنا شرمیلا نہیں ہے جتنا کہ دیا اسے سمجھتی ہے۔

بھابی کو معلوم تھا کہ پربھو دیا سے کچھ جھینپتا ہے۔ چنانچہ جب پربھو کالج سے گھر آتا تو اسے اپنے کمرے میں بھابی اور دیا بیٹھی ملتیں۔ زبردستی وہ کوئی نہ کوئی بات کہہ دیتیں اور پربھو کو جواب دینا پڑتا۔ یا اگر بھابی کو پربھو کی لکھی ہوئی نظمیں یا نامکمل کہانیاں مل جائیں تو وہ دیا کو سنانے لگتیں دیا بھی بھابی کا اشارہ پاکر کہتی "اوہ! آپ تو بہت اچھا لکھتے ہیں۔ پھر مکمل کیوں نہیں کر ڈالتے ان کہانیوں کو؟" پربھو مارے شرم کے زمین میں گڑ جاتا۔ پھر کھانا کھاتے وقت جب لڑکیاں سکون میں ہوتیں۔ بھابی کھانا پروسنے کا فرض دیا ہی کو تفویض کر دیتیں اور خود بیٹھی مسکرایا کرتیں۔

اور پھر تو دیا کے بھی پر نکل آئے۔ سیر کرنے جاتے تو پربھو اکثر اسے اپنے ہی ساتھ ساتھ چلتے دیکھتا۔ کبھی تو وہ اس کے اتنا قریب ہو جاتی کہ اس بیچارے کو خود پیچھے ہٹنا پڑتا۔ دن میں دو کئی مرتبہ آکر پوچھتی ۔ "اس وقت کتنے بجے ہیں ——— آج کونسا دن ہے ——— کیا تاریخ ہے آج؟"

کبھی کبھی پربھو سے سوال کیا جاتا: "آج آپ کی چھٹی ہے؟" پربھو پوچھتا: "کیوں؟" جواب ملتا: "میں نے سوچا۔ شاید ہو۔"

پربھو جانتا تھا کہ ان سب باتوں کا مطلب یہ ہے کہ آئیے۔ باتیں کریں۔ لیکن اسے بھابی کا خوف تھا اس لئے وہ اس معاملہ کو طول دینے کو تیار نہ تھا۔ پھر بھی وہ دونوں ایک دوسرے کے دلی جذبات سے واقف نہیں تھے۔

وقت پاکر غیریت کی دیواریں گر گئیں۔ ایک دن کالج سے واپس آکر اس نے دیکھا کہ دیا اس کی نئی کہانی "محبت" کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہے۔

"آپ نے پڑھ لیا اسے؟" پربھو نے گھبرا کر پوچھا

"ہاں"

پربھو چپ رہا۔

دیا نے پوچھا: "کیوں"

"جب آپ نے پڑھ لیا ہے تو مجھے جھینپنے کی کیا ضرورت۔ چیز کیسی ہے؟"

"بہت اچھی"

"میں ایک بات آپ سے کہوں گا۔ یہ کہانی پڑھ کر آپ یہ رائے قائم نہ کریں کہ اس کا تعلق مصنف کی زندگی کے کسی واقعہ سے ہے۔ یہ محض ایک تخیل ہے جیسا کہ اس قسم کی تمام کہانیاں ہوتی ہیں۔"

"آپ صفائی پیش کر رہے ہیں۔" دیا بولی

پربھو کوئی جواب نہ دے سکا۔ اور وہاں سے کھسک گیا۔

(۴)

تب سے دیا کی ہر حرکت پربھو کو معنی خیز معلوم ہونے لگی۔ اس کی نظریں پراسرار معلوم ہوتی تھیں۔ اور اس کی ہنسی کسی خاص مقصد کی حامل

اپنے اندر پربھو کو ایک جھجک سی معلوم ہونے لگی غیریت کے جو پردے اٹھ گئے وہ پھر آ پڑے۔ اکثر اس کا دل اس سے سوال کیا کرتا تھا: "کیا یہ مناسب ہے؟"

بھابی بھی بدل ہو گئیں۔ ان کے تیور بدلے رہنے۔ ہنسی ان کے ہونٹوں سے بالکل کافور ہو گئی۔ اب اگر کہیں پربھو اور دیا ان کے پاس بیٹھے ہوتے تو وہ پربھو کو وہاں سے ٹالنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ نکال ہی لیتی۔ "پربھو۔ دیکھو۔ تمہارے بھائی کیا کر رہے ہیں ——— ذرا بازار ہو آؤ۔"

اور اگر کوئی بہانہ نہ ملتا تو "پربھو۔ یہاں آؤ" کہہ کر کسی پرانی بات پر اچھا خاصہ لیکچر جھاڑ دیتیں یا پھر دیا کی خبر لیتیں۔ "دیا۔ آؤ۔ میرا جمپر اپنے جمپر جیسا بنا دو۔ آج ترکاری تم بناؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔"

پربھو نے دیکھا۔ دیا بھی سمجھی۔ بات دونوں کو بری لگی اب پربھو کہہ دیتا۔ ذرا ٹھہرو۔ آتا ہوں۔ دیا بھی جواب دیتی۔ ابھی آئی ——— اور کچھ دیر تک آتی ہی رہتی۔

بھابی اس پر اور بھی جھنجھلا اٹھیں۔ لیکن کھل کر کچھ نہ کہہ سکتیں۔ پربھو ان کا دیور تھا۔ دیا ان کی بہن۔ کس سے کہیں۔

بھابی نے پربھو ہی پر وار کیا۔ جب پربھو لڑکیوں میں بیٹھا ہوتا اور دیا بھی وہاں ہوتی۔ اور بھابی وہاں آجاتیں تو پربھو کو سننا پڑتا۔ "ہمارے پربھو کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے دن بھر لڑکیوں میں بیٹھا رہتا ہے۔"

پربھو یہ سنکر چپ رہ جاتا۔ وہ لڑکیوں میں ہمیشہ سے بیٹھتا تھا۔ گھر میں لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں۔ وہ مرد پر جاکر تھوڑے ہی دیر بیٹھ سکتا تھا۔ لڑکیوں کا مطلب وہ بخوبی سمجھتا تھا۔ پھر بھی کرتا تو کیا کرتا۔

کبھی وہ سوچا کرے۔ وہ جواب دیگا۔ بھابی سے لڑے گا وہ۔ اس کے چال چلن پر حملہ؟ کون ہوتی ہیں بھابی ایسا کہنے والی۔ کیا حق ہے انہیں دیا کے سامنے ایسی باتیں کہنے کا؟

لیکن وہ چپ رہتا۔ بات بڑھانے سے فائدہ؟ بھابی جواب دیں گی۔ بڑی ہیں نہ۔ جو منہ میں آئے گا کہیں گی۔ سب ان کی تائید کریں گے۔ اکیلا پربھو کیا کہہ سکے گا۔ وہ بھی دیا کے سامنے۔ بھابی کہتی ہیں کہنے دو۔ وہ نہیں چاہتیں کہ پربھو ان کی دیا کے پاس اٹھے بیٹھے ——— یہی سہی۔ دیا ان کی بہن ہے۔ پربھو کون ہے؟ کیا حق ہے اسکو دیا پر؟ اجنبیت کی دیوار پھر سے بلند ہو گئی۔

ادھر دیا نے بھی پربھو کے سامنے آنا چھوڑ دیا۔ پربھو جانتا تھا کہ وہ کیوں نہیں آتی۔ اس لئے کہ بھابی کو پربھو پر غصہ اگلنے کا موقعہ نہ ملے۔

دیا ایک ادھورا میز پوش گھر سے لائی تھی۔ پربھو سے بات چیت بند ہوتے ہی اس نے میز پوش میں پھول بنانے شروع کئے۔ لیکن اس کام میں بھی جی نہ لگتا تھا۔

صرف شک ہی تھا بھابی کو۔ شک ٹھیک ہو سکتا ہے۔ غلط بھی۔ لیکن انہوں نے کبھی سنجیدگی سے غور نہ کیا ہر شخص کی مانند انہوں نے بھی یہی فیصلہ کیا کہ جو بات انکی سمجھ میں آئی۔ وہ درست ہے۔ جو کچھ وہ کر رہی ہیں وہی ان کا فرض ہے۔ بھابی کے فرض کی راہ پر دو بکروں کی بھینٹ چڑھا دی گئی اور قربانی کے بکرے تھے پربھو اور دیا۔

پربھو گوشہ نشین ہو گیا۔ سب سے بات چیت بند ہر وقت اپنے کام میں مصروف رہتا۔ بھابی دیکھتیں اور خاموش ہو رہتیں۔ کبھی کبھی پوچھتیں۔ "آج کل کہاں رہتے ہو؟" کبھی کہتیں: "تم تو پورے شاعر ہو گئے ہو۔ کوئی نئی کہانی لکھ رہے ہو کیا۔"

چہرہ سے بھی شعریت ٹپکنے لگی ہے اب تو کیوں نہ دیا؟"

پربھو ہنس دیتا اور اپنی راہ لیتا۔ کیا چاہتی تھیں بھابی! پربھو ان سے کہنا چاہتا تھا۔ کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا؟ میرے پیچھے کیوں پڑی ہو ہاتھ دھو کر؟ کیوں ناحق تنگ کرتی ہو۔ میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں لیکن یہ نہیں۔ میری تضحیک کرا کرو؟

ایک دن بھابی نے آکر کہا: "پربھو۔ دیا کے سر میں سخت درد ہے۔ بڑی بیکل ہے بیچاری۔"

پربھو نے جواب دیا: "تو میں کیا کروں؟"

بھابی پر سکوت طاری ہو گیا۔ پھر بولیں: "یہ بات ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا۔"

اس وقت پربھو بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن خاموش رہا۔

جب بھابی گئیں تو اسے بڑی پشیمانی ہوئی۔ اسے خیال آیا کہ اگر بھابی یہی بات دیا سے جا کر کہہ دیں تو ؟ کیا سمجھے گی دیا؟

دوسرے دن صبح ہی وہ دیا کے کمرے میں گیا۔ دیا نے دیکھا اور استفسار آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" پربھو نے پوچھا

"اب اچھی ہے۔" دیا نے جواب دیا

اب وہ کیا بات کرے۔ یہ پربھو کی سمجھ میں نہ آیا۔ دونوں چپ رہے۔

دفعتاً پربھو کی نظر دیا کے میز پوش پر پڑی۔ اس نے اسے اٹھا لیا۔ فریم میں جکڑے ہوئے میز پوش پر نامکمل کلیاں بھی بہت خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔ "آپ بنا رہی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں لیکن جی نہیں لگتا۔" دیا نے جواب دیا

"جب بن گیا تو بہت خوب صورت معلوم ہوگا۔" پربھو نے کہا۔

(۵)

پربھو کو کیا معلوم تھا کہ تیسرے ہی دن وہ میز پوش اس کی نذر کیا جائے گا

دیا اس کے کمرے میں داخل ہوئی اور دوپٹہ میں چھپی ہوئی کوئی چیز نکال کر اسے دیتے ہوئے بولی: "یہ لیجیے۔"

وہ ایک مجرم کی طرح خاموش کھڑی رہی۔

"اوہ! میز پوش۔ اس دن والا؟ بن گیا۔" پربھو نے اس کی تہ کھولتے ہوئے کہا۔ چاروں کونوں پر چار خوبصورت پھول کھلے تھے سبز سبز پتوں کے درمیان اور چاروں طرف ایک ریشمی

بڑا دوشالہ سی تھی۔ سب کچھ بہت خوبصورت اور کتنا صاف۔

"بہت خوبصورت ہے۔" پربھو نے فیصلہ سنا دیا

میں آپ کو دینا چاہتی ہوں۔ آپ کو دینے آئی ہوں۔"
دیا نے کہا

"مجھے!" پربھو کے لہجہ میں استعجاب تھا۔

"ہاں۔ آپ کو یہ پسند ہے؟"

"ہاں۔ مجھے بہت پسند ہے۔ اگر آپ مجھے دے سکیں تو بہت اچھا ہو۔ لیکن ———"

"لیکن؟"

"مجھے یہ چیز پسند ہے اس لئے مجھے مل جائے یہ تو کل بات نہ ہوئی۔ دنیا میں کتنی ہی چیزیں مجھے پسند ہیں لیکن کیا وہ سب مجھے مل سکتی ہیں؟" کہتے کہتے آواز پربھو کے گلے میں پھنس گئی۔

"آپ اسے قبول کریجئے۔" دیا بولی

"بڑی خوشی سے۔" پربھو نے کہا

"لیکن اگر میں اس کے عوض آپ کو کچھ دینا چاہوں تو کیا دوں گا۔"

لیکن بھابی نے آکر دیا کو جواب دینے کی زحمت سے بچا لیا۔ وہ چپ چاپ چلی آئیں جیسے انہیں پربھو اور دیا کو دیکھ کر ذرا بھی تعجب نہ ہوا ہو۔ پربھو بول اٹھا

"بھابی: میز پوش دیکھا؟"

"دیکھوں" بھابی نے کہا پھر میز پوش کو ایک ہاتھ میں لے کر دوسرا اس پر پھیرنے لگیں کچھ دیر بالکل خاموش رہیں

پھر بھابی نے کہا "تم نے بنایا ہے نہ دیا؟"

دیا نے سر ہلا کر کہا: "ہاں"

"ایک ہمارے لئے بھی ویسا ہی بنا دو گی؟"

"اچھا" دیا بولی۔

پھر بھابی کچھ سوچ کر کہنے لگیں: "نہیں دیا۔ یہ بہت اچھا ہے۔ میں یہی لے لوں گی تم اپنے لئے اور بنا لینا پھر۔"

ایک لمحہ کے لئے پربھو اور دیا کی نگاہیں ملیں دیا کی ... لیکن

پربھو نے منہ پر انگلی رکھ کر اشارہ کیا کہ خدا کے لئے چپ رہو۔

"لیکن ———؟" بھابی نے پوچھا

"یہ بہت اچھا نہیں بن سکا۔ میں آپ کے لئے دوسرا بنا دوں گی۔"

"اچھا تو ہے۔ میں یہی لے لوں گی۔" یہ کہہ کر بھابی نے میز پوش بغل میں دبا لیا اور وہاں سے چل گئیں۔ دیا بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لی

اور پربھو وہ سر پر ہاتھ رکھ کر چپ چاپ بیٹھا رہ گیا

(۴)

دیا کے چچا کا خط آیا کہ دیا کی چچی بیمار ہیں۔ گھر پر دیا کی سخت ضرورت ہے۔ اگر وہ چلی آئے تو اچھا ہو۔

پربھو نے سنا اور اسے دیا کے چچا پر بہت غصہ آیا۔ وہ جانتا تھا کہ دیا کو ہمیشہ یہاں نہیں رہنا ہے۔ پھر نہ جانے وہ کیوں کف افسوس ملنے لگا کیوں اسے یہ محسوس ہونے لگا کہ اس کی بھابی اور دیا کے چچا نے آپس میں سازش کر لی ہو۔

دیا کے جانے کی بات چیت ہونے لگی۔ ادھر ہی کسی کو جانا تھا۔ وہاں سے کون پہنچانے آتا۔ چچا بیمار چچی کو تنہا چھوڑ کر نہیں آسکتے تھے۔

بھابی نے کہا: "پربھو دیا کو پہنچا آؤ گے؟"

پربھو کو جیسے ساتوں آسمانوں کی بادشاہت مل گئی لیکن اس نے بظاہر لاپروائی سے کہا

"تم کہتی ہو تو چلا جاؤں گا"

بھابی بولی: "میرے کہنے نہ کہنے کی کیا بات ہے جی چاہے تو جاؤ ورنہ رہنے دو۔ وہ خود ہی دفتر سے چھٹی لے لیں گے۔"

پربھو نے کہا "چلا جاؤں گا"

"تو تیاری کرو۔ کل جانا ہے۔" بھابی نے کہا

اچھا کہہ کر پربھو نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیا اور خوب اچھلا کودا پھرا۔ اسے ایسا معلوم ہوا گویا اس کی گئی ہوئی زندگی دوبارہ واپس آگئی ہے۔ وہ جا رہا تھا اور جا رہا تھا دیا کے ساتھ۔ اس سے زیادہ کس بات کی خواہش ہو سکتی تھی اسے۔

لیکن جب مسرت کا نشہ کچھ اترا تو وہ سوچنے لگا۔ اتنے دنوں کے بعد دیا جا رہی ہے۔ شاید پھر کبھی اس سے ملاقات بھی نہ ہو۔ وہ دیا کو کچھ دیگا۔ کوئی نشانی۔ جو دیا کو اس کی یاد دلاتی رہے۔ دیا کا وہ میز پوش اسے نہ مل سکا تو کیا ہوا۔ دیا نے تو دے ہی دیا تھا۔ دیا کی اس عنایت کو وہ کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ نہ سہی تو وہ ——— دیا سے کچھ مانگے گا وہاں ——— بھابی کی پہنچ سے دور۔

لیکن وہ دیا کو کیا دے کونسی شے ایسی ہو جو دیا کو پسند ہو۔ اور کوئی یہ بھانپ نہ سکے کہ اسے کس نے دی ہے۔ وہ اپنے کمرے میں تیزی سے قدم اٹھا کر چکر لگانے لگا۔

اس نے کوٹ پہنا اور چل دیا۔ انتخاب کچھ مشکل نہیں۔ جب بہت سی چیزیں سامنے آئیں گی تو کوئی نہ کوئی نظر میں جچ ہی جائے گی۔

——— اور گھر واپس آکر جب وہ لیمپ کی روشنی میں اپنے تحفہ کا معائنہ کر رہا تھا تو بھابی نے اس کے کمرے میں قدم رکھا۔

"کہاں گئے تھے؟" انہوں نے پوچھا

جلدی میں پربھو اسے چھپا بھی نہ سکا۔ خالی انگوٹھی ہوتی تو لاکھوں جگہ چھپ جاتی۔ ہاتھ میں ہی پہنی جا سکتی تھی۔ لیکن مخملی ڈبہ بھابی کی نظروں سے بچ نہ سکا اس لئے جب پربھو نے کہا کہ وہ دوست کے ساتھ گھومنے نکل گیا تھا۔ تب بھی بھابی کی نظر اسی ڈبہ پر رہی۔

"کیا ہے۔ دیکھوں؟" انہوں نے کہا

پربھو نے چپ چاپ انگوٹھی بڑھا دی۔

"اوہ! انگوٹھی بہت اچھی ہے۔" انہوں نے کہا

"اسی دوست کی ہے۔" پربھو نے کہا: "آج ہی خریدی تھی اس نے غلطی سے میرے پاس رہ گئی۔"

"بڑی اچھی ہے۔" بھابی نے انگوٹھی کو الٹتے پلٹتے ہوئے پڑھا۔

پربھو سوچنے لگا کہ اب کیا ہونے والا ہے۔

"پربھو۔ یہ مجھے دے دو۔" یکایک بھابی نے عاجزانہ لہجہ میں کہا

"نہیں۔ بھابی۔ یہ تو ایک لڑکے کی ہے۔ میں ——— تم چاہو تو کل تمہارے لئے ایسی ہی لا دوں گا۔"

"یہی مجھے دے دو۔"

"یہ میں نہیں دے سکتا۔"

"دیا کو بھی نہیں؟"

"کیا؟" پربھو نے پوچھا۔ پھر کچھ دیر خاموشی رہی گویا بھابی یہ دیکھ رہی تھی کہ اس کے الفاظ کا پربھو پر کیا اثر ہوا ہے۔

"دیکھو پربھو!" بھابی نے کہا

"میں اپنے لئے نہیں لے رہی ہوں۔ میں دیا کو کچھ دینا چاہتی تھی۔ کیا دوں۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اسے بڑی نکھا ہے اور یہ اچھی بھی ہے۔

"میں اسے لے لیتی ہوں۔ تم "نہ" نہیں کر سکتے۔"

پربھو نے کچھ نہ کہا۔ لیکن اسے بھابی پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ یہاں بھی ٹپک پڑیں۔ وہ مانا کہ انگوٹھی دیا کے پاس پہنچ جائے گی لیکن کیا پربھو اس لئے اسے بازار سے لایا تھا کہ بھابی اسے پہنچائے۔

اس کا خواب شیریں منتشر ہو کر رہ گیا۔

بھابی کہتی گئیں "میں پیسے دیدوں گی۔ تم دوست کو دوسری انگوٹھی لے دینا۔ لیکن یہ میں دیا کو ضرور دوں گی۔ اگر کہو تو تمہارے نام سے دیدوں؟"

"میرے نام سے کیوں!" پربھو نے پوچھا

"اس میں کیا ہرج ہے؟ میں کہدوں گی۔ تم لاؤ سکے۔ دیتے ہوئے جھینپتے تھے۔ اس لئے میں لے رہی ہوں"

"نہیں۔ میرا کیا حق ہے؟"

"حق! حق جتانے سے ہوتا ہے۔ اس کی فکر تم مت کرو۔"

"سنو، سنو۔" پربھو کہتا رہا۔ لیکن بھابی چلی گئیں۔

(۷)

رات کو پربھو بڑی دیر تک جاگتا رہا۔ خواب میں دیکھا کہ وہ ریل میں جا رہا ہے۔ دیا اس کے ساتھ ہے۔ ریل چل رہی ہے۔

پربھو نے دیا کے ہاتھ میں دیکھی وہی انگوٹھی۔ اس نے ملائمت سے دیا کا ہاتھ تھام لیا اور پوچھا: "یہ انگوٹھی بہت اچھی ہے۔"

"تحفہ میں ملی ہے۔" دیا نے کہا

"کس نے دی ہے؟"

"آپ کو اس سے مطلب؟"

"میں نے یونہی پوچھا۔ آپ بتانا نہیں چاہتیں تو نہیں۔"

"جیسے آپ جانتے ہی نہیں!" دیا کی آنکھوں سے شرارت ٹپک رہی تھی۔

"میں نہیں جانتا" پربھو نے کہا

وہ بولی: "خیر۔ میں اس سے محبت کرتی تھی۔ وہ مجھ سے۔ تب ہی تو یہ انگوٹھی ملی۔"

"آپ نے کیا دیا اُسے؟"

"کچھ نہیں۔"

"انگوٹھی میں نے دی تھی دیا؟"

"میں جانتی تھی۔" دیا نے مسکرا کر جواب دیا۔

پربھو بھی مسکرا اٹھا۔

لیکن جب نیند سے بیدار ہو کر پربھو آئینہ کے سامنے کھڑا کچھ گنگنا رہا تھا تو بھابی نے آکر پوچھا

"پربھو! تیاری کرلی؟"

"ابھی کہاں؟ کروں گا۔ گاڑی تو شام کو جاتی ہے۔" وہ بولا۔

بھابی کہنے لگیں: "تم کس لئے تکلیف کروگے۔ وہ خود ہی جانے کو کہہ رہی ہیں۔ دیا کو پہنچا آئیں گے۔ تمہاری پڑھائی میں ہرج ہوگا۔"

پربھو کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ وہ گرتے گرتے بچا۔

اس دن وہ بھابی کے سامنے نہ گیا۔ دن بھر کوستا رہا کبھی بھابی کو اور کبھی اپنی قسمت کو۔

شام کو تانگہ آیا۔ اسباب باہر لایا جانے لگا۔ دیا بھی باہر آئی۔ تانگے میں بیٹھ کر اس نے سب کو نمستے کہی۔ م

ایک بار لوگوں کی نگاہیں بچا کر ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کو پونچھ لیا اور پربھو سے بھی کہا: "نمستے" پربھو پاس کھڑا تھا دو بوندیں اس کے ہاتھ پر گر پڑیں۔

بھائی باہر آکر دیا کے پاس بیٹھ گئے۔ اسی جگہ جہاں پربھو بیٹھتا۔ اور تانگہ چل دیا۔

بہنوں کے جھنڈ کی نگاہ بچا کر پربھو چپ چاپ اپنے کمرے میں گھس گیا اور میز پر سر رکھکر آنسو بہانے لگا۔

دفعتاً بھابی نے اندر آکر کہا۔

"پربھو یہ تم اپنے دوست ہی کو دینا۔ میرے پاس اتنے پیسے نہ نکل سکے کہ اس کی قیمت چکا دیتی۔"

بھابی کا چہرہ غمگین سا تھا اور آواز بھی گلے میں پھنسی جاتی تھی۔ پربھو نے پیلا ٹکٹ ڈبہ ان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے دیکھا کہ ان کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں میں ہمدردی کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اس نے سوچا کہ بھابی کو اس پر رحم آرہا ہے۔ وہ ابھی کہیں گی: "پربھو۔ مجھے معاف کردو۔"

لیکن بھابی بغیر کچھ کہے کمرے سے باہر چلی گئیں۔

تاریخ و تمدن

یورپ کا طریق معاشرت

(سردار بیگ اندوری)

انگلستان اور مغربی یورپ کا تمدن ایک ہے۔ پوشاک میں بھی کوئی خاص فرق نہیں۔ جس طرح ہندوستان میں ہندو دھوتی اور مسلمان پائجامہ پہنتے ہیں اسی طرح یورپ میں پتلون کا رواج عام ہے۔ عورتیں پہلے لہنگے یا سائے پہنتی تھیں لیکن اب تو وہ بھی مردانہ لباس میں ملبوس نظر آنے لگی ہیں۔ انگلینڈ میں آج نوجوان مرد و عورت میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ کسی زمانہ میں عورتیں "پتلی کمر" کو ایک نسوانی لوازمہ تصور کرتی تھیں۔ لیکن اب کی پروا نہیں کی جاتی، عورتیں ہر لحاظ سے مرد نظر آنے کی سعی کرتی ہیں۔ پیرس فیشن کی جائے پیدائش ہے اور نئے سے نئے فیشن کی جتنی زیادہ تقلید انگلستان کرتا ہے۔ اتنا کوئی دوسرا ملک نہیں کرتا۔

لندن نہ تو بہت اچھا ہے نہ بہت برا۔ یہاں اچھی بری چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ سڑکوں پر تھوکنے، ردی کے ٹکڑے اور کوڑا کرکٹ سڑکوں پر پھینکنے کی ممانعت ہے۔ اس حکم کی پابندی بھی کرتے ہیں پھر بھی کئی بستیوں میں بدعت دکھائی دیتی ہے۔ لندن کے اس حصے میں جہاں معالیشن واقع ہیں۔ پیشاب گھر بھی ہیں اور ان کے پاس سے نکل جاؤ تو بدبو کے مارے دماغ پھٹنے لگتا ہے۔ اس علاقہ پر مچھروں کی بھی نظر عنایت ہے لیکن مجموعی طور پر لندن میں ایسی جگہیں کم ہیں۔ سڑک پر غلاظت پھینکنے والوں کو روکنے اور انہیں سہولت پہنچانے کے لئے ایک خاص عملہ موجود ہے اس کے علاوہ تار اور بجلی کے کھمبوں کے ساتھ کوڑا کرکٹ ڈالنے کے لئے بڑے بڑے صندوق رکھ دیئے گئے ہیں۔ لندن میں آپ کو جگہ بجگہ پیشاب خانے ملیں گے۔ وہاں پانی ہوگا اور اس کے ساتھ صابن اور تولیہ بھی۔

لندن کی پولیس دنیا میں بہترین پولیس تسلیم کی جاتی ہے۔ اور سڑکوں کی آمد و رفت کو باقاعدہ رکھنے میں خاص مہارت رکھتی ہے۔ لوگ قواعد کی پابندی کرتے ہیں۔ لیکن بہت سے ان کی خلاف ورزی کرنے میں بھی تامل نہیں کرتے۔ فرانس کی حالت برعکس ہے۔ وہاں سڑکوں پر پولیس دکھائی نہیں دیتی لیکن لوگ ہمیشہ اپنے بائیں ہاتھ چلتے ہیں۔ برلن میں صفائی زیادہ ہے۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں مالی مشکلات کے باعث میونسپل کمیٹی صفائی کا انتظام کرنے سے قاصر تھی۔ پھر بھی لوگ خود صفائی کا خیال رکھتے تھے۔ بازاروں میں ٹریفک پولیس نظر نہیں آتی۔ گاڑیوں کی آمد و رفت کو روکنے اور جاری کرنے کا انتظام کرنے کے لئے ... سبز برقی قمقمے روشن کئے جاتے ہیں اگرچہ موٹروں کی رفتار تیز ہے تاکہ سرخ بتی دیکھتے ہی ڈرائیور انہیں روک لیتے ہیں۔ ہندوستان کی مانند وہاں ٹریفک کے چالان نہیں ہوتے۔ علاوہ ازیں پیدل چلنے والوں کے لئے سڑکوں سے نیچے اتر کر راستہ بنا ہوا ہے۔ اس لئے حادثات کم ہوتے ہیں۔ فرانس میں بھی ڈرائیور بڑے ماہر ہیں اور پیرس میں بھی پولیس کے انتظامات زیادہ کڑے ہیں۔

نہ صرف لندن بلکہ سارے انگلستان میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہے۔ جنگ عظیم کے بعد ہی سے ان کی تعداد بڑھنے لگی تھی۔ جس میں اب مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ اس کے نتیجہ کے طور پر مردوں کی بیکاری بھی بڑھی اور عائلی امن خطرہ میں پڑ گیا۔ موجودہ جنگ کی وجہ سے مردوں کی بیکاری دور ہوگئی لیکن خانگی امن اب بھی ندارد ہے بچے نیس پر دوسروں کو پرورش کے لئے دے دئے جاتے ہیں۔ مرد عورت کی تفریح کے طریقے جداگانہ ہیں۔ خاوند بیوی میں رات کو ایک آدھ مرتبہ ملاقات ہو جاتی ہے۔ ورنہ عام طور پر الگ الگ ہی رہتے ہیں مرد ہو یا عورت بیماری کی حالت میں اسے ہسپتال میں داخل ہو کر اپنا علاج کرانا پڑتا ہے۔ گھر میں تیمارداری نہیں ہوسکتی اس کے لئے لوگوں کی مالی حالت بھی ایک بڑی حد تک ذمہ دار ہے۔

ہندوستان اور مشرقی ممالک سے جو نوجوان حصول تعلیم کے لئے یورپ جاتے ہیں۔ انہیں عورتوں کا ایک ہجوم ہر وقت گھیرے رہتا ہے۔ اکثر اوقات وہ ان میں کسی کو ہمراہ لے کر طعام خانہ میں

چلے جاتے ہیں۔ ہوسٹل میں بھی عورتیں طلباء کا پیچھا نہیں چھوڑتیں لیکن بورڈنگ ہوس۔ یا مہمان خانے کی وارڈن جو ایک تجربہ کار عورت ہوتی ہے اوباش عورتوں کو اپنے ہاں آنے نہیں دیتی۔ البتہ لوگوں کو رقص گاہوں میں ملنے جلنے کے مواقع آسانی سے مل جاتے ہیں۔ عورتوں اور مردوں میں اس قدر اختلاط ہے کہ مرد سے بار بار چھوئے جانے پر بھی عورتیں برا نہیں مانتیں آج انگریز عورت ہر بات میں مرد کی برابری کرنا چاہتی ہے اس لئے بچوں کی مصیبت کون مول لے عورتوں کی صحت بھی اچھی نہیں۔ اس کا اثر ولادت پر بھی پڑا ہے۔ چنانچہ لندن پولیس میں قد آور اشخاص کو بھرتی کرنے کا جو قاعدہ تھا اس پر بھی عمل نہیں ہوتا۔ قد آور آدمی ملتے ہی نہیں۔

نہال میں یا دروازے بند کئے بیٹھے وارڈن بھی موجود ہے اس لئے مرد عورت کو باہمی تعلقات پیدا کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے ہندوستانی طلباء کے رہنے اور سونے کا کمرہ ایک ہی ہوتا ہے۔ یہ نوجوان سمجھتے ہیں کہ یورپین لڑکیوں سے شادی کرکے انہیں وہ اسلام یا ہندو مذہب میں لے آئیں گے لیکن ہوتا ہے اس کے برعکس۔ جرمن عورتوں کی حالت مختلف ہے۔ وہ گھر کے کام کاج کی طرف زیادہ توجہ دیتی ہیں ہٹلر نے اب ان پر مزید پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ لیکن انگلستان میں عورتوں اور مشرقی نوجوانوں کا میل ملاپ زیادہ خوفناک شکل اختیار کر رہا ہے۔ دن بھر کی محنت کے بعد انہیں کسی نہ کسی ساتھی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ سینما یا کسی اور تفریح گاہ میں جا سکیں۔ ... تعداد بڑھتی جاتی ہے

انگلستان میں موسم ایک جیسا نہیں رہتا۔ اس لئے جیسا موسم ہو ویسی ہی پوشاک پہن کر لوگ گھر سے نکل جاتے ہیں دوسرے ممالک میں ایسا نہیں ہوتا اب تو انگلستان میں بڑی تبدیلیاں ظہور پذیر ہو رہی ہیں۔ سردیوں میں موسم کا صاف ہونے پر بھی عورتیں اپنے جسم کا ایک بڑا حصہ برہنہ رکھتی ہیں۔ یورپ میں جولائی اور اگست میں گرمی پڑتی ہے جن کو خدا نے توفیق دی ہے وہ ان مہینوں میں سمندر یا کسی جھیل کے کنارے چلے جاتے ہیں۔ ایسے مقامات پر مرد صرف ایک کمر بند اور عورتیں کمر بند کے علاوہ ایک چولی پہن کر گھومتی رہتی ہیں۔ اس پوشاک میں لوگ موٹروں کی سواری بھی کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ سے مادر زاد برہنہ ہو کر غسل کرنے کا رواج بھی جاری ہو گیا ہے۔ لیکن اس قسم کی باتیں کسی چار دیواری کے اندر ہوتی ہیں۔ کھلے عام نہیں۔

کھاؤ پیو اور خوش رہو یہ عوام الناس کا اصول ہے

ریلوں کا انتظام تقریباً ہندوستان جیسا ہی ہے۔ تعطیلات شروع ہونے پر ریل کے ڈبوں میں خوب بھیڑ ہوتی ہے اور کبھی کبھی گھونسہ بازی بھی۔ وقت کی پابندی نہیں کی جاتی۔ ہندوستان کی طرح انگلستان میں بھی زیادہ بھیڑ ہونے پر مسافر مال گاڑی کے ڈبوں میں بھر دئے جاتے ہیں سرکاری ملازم اپنے آپ کو لوگوں کے لئے مفید بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ان کا اولین فرض ہے۔ لندن پولیس اس ضمن میں بہت نیک نام ہے۔ سارے لندن میں آپ کو ایک بھی پولیس کانسٹیبل ایسا نہیں ملے گا جو لندن یونیورسٹی کا میٹرک پاس نہ ہو کئی ایک تو کیمبرج اور آکسفورڈ کے گریجوایٹ بھی ہیں انضباط کی تعلیم بچوں کو ابتدا ہی سے دی جاتی ہے۔ ٹینس کے کھیلوں میں اتنی بھیڑ ہوتی ہے اور تماشائیوں کی دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ ایک دن پہلے ہی سے لوگ کھیل کے میدان میں جا بیٹھتے ہیں۔ ان مواقع پر دھکم دھکا نہیں ہوتا۔

جاپان اور روس میں جنگ؟

(کالکا پرشاد مصرا۔ بی۔ اے)

یورپ جنگ کے شعلوں میں جھلس رہا ہے لیکن کیا آگ مشرق بعید میں بھی پھیل جائے گی؟ وقت نازک ہے۔ دنیا کے ممالک موقعہ کی تاک میں ہیں۔ ایسی حالت میں ہمیں یہ سوچنا ہے کہ کیا جاپان روس پر حملہ نہیں کرے گا؟ بظاہر یہ ایک ناممکن سی بات معلوم ہوتی ہے۔ آج روس کو مغرب میں ایک خطرناک دشمن کا سامنا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایسی حالت میں اس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر جاپان بھی اس پر حملہ کر دے یہ خدشہ صرف سیاسیات کے طلباء ہی کو نہیں بلکہ ہر دو ممالک کے مدبروں کو بھی ہونے لگا ہے۔

جاپان ہمیشہ سے ہی روس کے مشرق قریب کے مقبوضات پر دندان آز جمائے ہوئے ہیں۔ اور اب بھی وہ بڑے صبر کے ساتھ مغربی جنگ کے نتائج کے منتظر ہیں ایسے حالات میں ناممکن نہیں کہ موقع پاتے ہی جاپان روس پر حملہ آور ہوگا

جاپان کی ہوس ملک گیری ۱۸۹۴ء ہی سے بڑھ رہی ہے اس سال کے بعد جاپان اور روس میں ایک جنگ ہوئی تھی۔ ۱۹۰۵ء میں پھر ٹھن گئی۔ اس وقت انگریز جاپان کی پشت پر تھے اس لئے روس ہار گیا۔ اور جنگ ختم ہونے پر فریقین میں جو معاہدہ ہوا اس کے مطابق سخالین کا جنوبی حصہ جاپان کو مل گیا گزشتہ جنگ عظیم میں جب برطانیہ روس فرانس وغیرہ اتحادی جرمنی کے ساتھ جنگ کرنے میں مصروف تھیں۔ جاپان کو چین کی طرف بڑھنے کا خوب موقعہ ملا۔ معاہدہ ورسیلز میں یہ شرط رکھی گئی تھی کہ شانٹنگ کے تمام جرمن مقبوضات جاپان کو دیدئے جائیں۔ یہ تجویز منظور بھی ہو گئی لیکن کچھ دنوں کے بعد ریاستہائے متحدہ امریکہ نے اس کی مخالفت کی جس کے نتیجہ کے طور پر جاپان کو شانٹنگ اور سائبیریا کا کچھ حصہ جس پر وہ قابض ہو چکا۔ چھوڑنا پڑا۔

منچوریا پر جاپانی قبضہ کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ سائبیریا میں وہ اپنا اقتدار قائم کرے۔ سرخ روس کو جاپان کے ان ارادوں کا پتہ چل گیا اور اس نے مشرقی ایشیا میں ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی۔ سائبیریا کی مدافعت کے لئے ایک خاص پروگرام مرتب کیا گیا۔ اور وہاں ایک بہت بڑی فوج رہنے لگی۔ اب تو یہ فوج اتنی طاقتور ہو گئی ہے کہ اسے کسی بات کے لئے ماسکو کی امداد کی احتیاج نہیں۔ اشیائے خوردنی اور دیگر سامان بھی آس پاس کے مقامات سے آسانی مل جاتا ہے۔

روسیوں نے ٹرانس سائبیرین ریلوے کے متصل شمال بعید میں ایک اور ریلوے لائن تعمیر کی ہے۔ یہاں بھی جاپانی گولہ باری کا اتنا ہی خطرہ ہے جتنا ٹرانس سائبیرین ریلوے پر۔ [illegible] سے چھ سو میل ارکٹسک کے شمال مغرب میں یہ ریل بیکال جھیل کے شمالی علاقہ سے گزرتی ہے۔ اور دریائے لینا اور

گرد و نواح کی کانوں سے ملحق ہے۔ آمور کے شمال میں پہنچ کر یہ ریل خباروسک سے مل جاتی ہے۔

جاپان بہت دنوں سے یہ خواہش ظاہر کر رہا ہے کہ منگولیا میں ایک آزاد حکومت قائم کی جائے۔ اس علاقہ میں منگول بھی بستے اور روسی آباد ہیں۔ لیکن جاپان کو ابھی تک حصول مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔ بارہا روس کے ساتھ اس کی لڑائیاں بھی ہوتی ہیں۔ مگر بیرونی منگولیا پر ابھی تک روس مسلط ہے۔ روس کی تیاری مکمل ہے اس لئے جاپان بھی اب کچھ کچھ جھینپنے لگا ہے۔ اگر اس نے کسی وقت بھی روس پر حملہ کیا تو وہ اپنے دیرینہ دشمن کو مقابلہ کے لئے بالکل تیار پائے گا۔ حالات اس قسم کے ہیں کہ روسی ہوائی جہازوں کو جاپان پر بم پھینکنے میں زیادہ آسانی ہوگی۔ روس نے ولاڈی واسٹک سے خباروسک تک درجنوں ہوائی اڈے بنا لئے ہیں اور ان اڈوں میں جو طیارے رکھے گئے ہیں وہ پانچ سے سات سو میل تک کے دائرہ میں بڑی آسانی سے پرواز کر سکتے ہیں اور اس طرح جاپان کے چھ بڑے بڑے شہروں کو جلا کر خاک کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ جاپان میں جہاں گھر لکڑی اور کاغذ سے بنے ہیں آگ پھیلنے میں دیر نہیں لگے گی۔ کارخانوں کے لئے تو ایک ہفتہ کی گولہ باری کافی ہے۔ دوسری طرف امریکہ اور برطانیہ کی عائد کردہ تجارتی پابندیوں سے جاپان کو اور بھی زیادہ نقصان پہنچ رہا ہے۔

کوریا کے ساحل سے ولاڈی واسٹک کے نیچے تک کے شہروں میں راشین سب سے زیادہ اہم ہے۔ یہاں قدرتی بندرگاہ بھی ہے۔ جاپانی اگر روس پر گولہ باری کریں تو ان کا مرکز راشین ہی ہو سکتا ہے۔ روس کے نزدیک ترین ہوائی اڈے سے راشین تک کا ہوائی سفر صرف نصف گھنٹے کا ہے۔

لہٰذا روسی طیارے بڑی آسانی سے وہاں پہنچ سکتے ہیں کوریا کے ساحل سے پچاس میل کے فاصلہ پر راشین سے بڑی بندرگاہ سائیشین ہے۔ لیکن روسی حملہ آوروں کے لئے آسان تر ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی ایسے اسباب ہیں جن کی بنا پر جاپان کی صورت حالات خراب نظر آتی ہے جاپان کے فوجی اخراجات پہلے کی نسبت بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ چین اور منچوکو میں مقیم اپنی فوجوں کو واپسی کا حکم کسی قیمت پر بھی نہیں دے سکتا۔ اور اگر وہ ایسا کرنے پر آمادہ ہو جائے تو بھی اس کے تفکرات میں کمی واقع نہیں ہوگی۔ اس وقت جاپان ایک کروڑ فوج رکھنے پر مجبور ہے۔ جاپان کی مخصوص یا ریز رو افواج پر جاپانیوں کی روایتی اندھی عقیدت کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا۔ انہیں معلوم ہے کہ ان کے ملک کی حالت کیا ہے۔ دوسری کمزوری جو جاپانیوں میں پائی جاتی ہے یہ ہے کہ وہ اچانک حملوں سے جلد ہی خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ چین میں سپاہ کے ثبوت مل چکے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہوائی حملہ آور ناگہانی حملہ کرتے ہیں۔ اطلاع دے کر نہیں آتے

ان حالات میں اگر روس اور جاپان کی جنگ چھڑ جائے تو چین جاپان کی مشکلات سے فائدہ اٹھا کر اس پر دوبارہ حملہ کر دے گا۔ اس کے علاوہ منگولیا بھی جاپان کی تشویش کا موجب بن جائے گا۔ دراصل جاپان روسی علاقوں اور منچوکو کے باشندوں سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا مفسد اور امن شکن

ہندوستان کوآپریٹو انشورنس سوسائٹی لمیٹڈ

قائم شدہ:— سن ۱۹۰۷ء

جس کی ترقی اور مضبوطی کا اظہار مندرجہ ذیل اعداد بخوبی ظاہر کرتے ہیں:—

۱۹۴۰ کا نیا بزنس	تقریباً	۳ کروڑ روپیہ
کل جاری شدہ پالیسی	زائد از	۱۸ کروڑ روپیہ
لائف فنڈ	"	۳½ کروڑ روپیہ
جملہ مالیت	"	۴ کروڑ روپیہ
بیموں کی چکاوٹ	"	۲½ کروڑ روپیہ

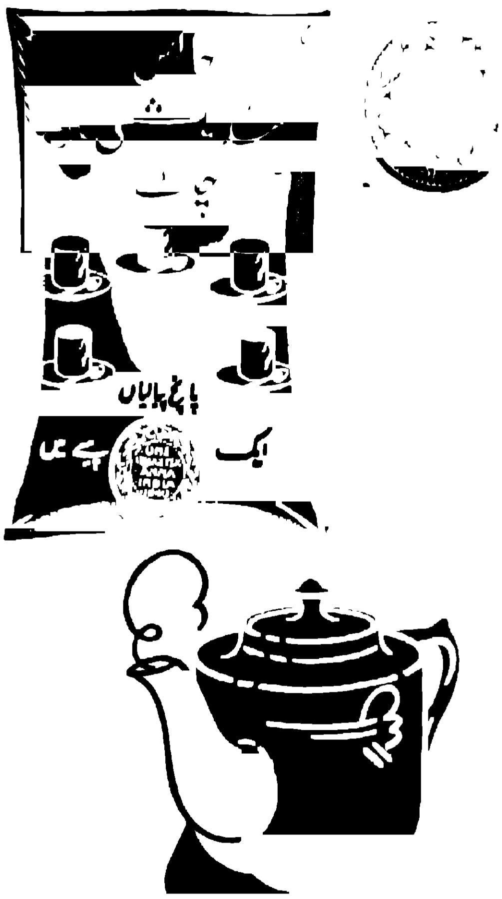
پراسپکٹس، فارم اور ایجنسیوں کے قواعد برانچ منیجر ہندوستان کوآپریٹو انشورنس سوسائٹی لمیٹڈ ہندوستان بلڈنگ کوئنز روڈ نئی دہلی سے طلب کیجئے۔

پیٹ کی صفائی کے لئے سب سے پہلے اینوز

اینوز فروٹ سالٹ پینے سے تندرستی ٹھیک رہتی ہے۔ پیٹ سے زہریلے مادہ کے خارج ہو جانے سے خون صاف رہتا ہے۔ اور جگر کا فعل درست رہتا ہے۔ کوئی شخص اینوز فروٹ سالٹ کا عادی بھی نہیں ہوتا اسلئے جب پیا جاتا ہے تو اثر ضرور کرتا ہے۔

اینوز فروٹ سالٹ

ENO'S "FRUIT SALT"



چائے دانی اور پانچ پیالیاں

ایک پیسے والی چائے کی پڑیا سے آپ نہایت آسانی سے پانچ پیالی عمدہ اور نفیس چائے تیار کر سکتے ہیں۔ اس سے بڑھکر اور کوئی پینے والی چیز اتنے سستے داموں میں نہیں ملسکتی۔ اور کوئی ایسی چیز نہیں جس سے آپکے دام پورے طور سے وصول ہوں۔ چائے اسقدر سستی ہے کہ آپ دن بھر میں کئی بار پی سکتے ہیں اور اسے ہر کس و ناکس حاصل کر سکتا ہے۔ چائے صرف سستی ہی نہیں بلکہ خوش ذائقہ بھی ہے۔ یہ آسانی سے تیار ہو سکتی ہے اور ہر موقع کیلئے موزوں ہے



چائے کس طرح تیار کرنی چاہئے:— تازہ پانی اُبال لیجئے اور پھر ایک صاف برتن کو گرم کر کے اسمیں ہر شخص کے لئے ایک ایک چمچہ ہندوستانی چائے کا ڈال دیجئے اور ایک چمچہ فالتو ڈال لیجئے۔ جونہی پانی اُبلنے لگے اسکو چائے والے برتن میں ڈال دیجئے اور ۵ منٹ تک دم کرنے دیجئے۔ بعدازاں دودھ اور کھانڈ ملا کر پیالیوں میں ڈال کر استعمال کیجئے۔

ہندوستانی چائے

تمام دنیا کے پینے کی چیز

1K 145V

انڈین ٹی مارکیٹ ایکسپینشن بورڈ کی طرف سے شائع کیا۔

منگولوں سے۔

اگر حالات اس قدر پیچیدہ نہ ہوتے تو یہ عین اغلب تھا کہ جاپان سب سے پہلے سائبیریا پر حملہ آور ہوتا۔ اور شاید اُسے کامیابی بھی ہوتی لیکن ابھی تک وہ اپنے ہی مسائل حل نہیں کر سکا۔ چین کی جنگ ختم نہیں ہوئی تھی کہ برطانیہ اور امریکہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

ہند چینی پر قبضہ کر کے اس نے ایک خفتہ شیر کو بیدار کرا لیا ہے۔ اب امریکہ پہلے سے زیادہ ہوشیار ہے وہ جاپان کی حرکات پر پوری نظر رکھتا ہے۔ ہر روز جاپان کے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی جاپان کا رجحان جنگ کی طرف ہے۔ سوال یہ نہیں ہے جواب طلب ہے کہ کیا وہ روس پر حملہ کرے گا؟ شاید وہ جنوب کی طرف بڑھے۔ وجہ یہ کہ سائبیریا پر حملہ کرنے سے جاپان کی سب بوجھ ہلکا نہیں کر سکتا کیونکہ سائبیریا کی فوجیں اسٹالن کے فوجی نظام سے بالکل علیحدہ ہیں۔ دوسرے شاید جرمنی بھی یہ چاہتا ہے کہ وہ جنوب کی طرف بڑھ کر برطانیہ کے لئے مشکلات پیدا کرے۔ جہاں تک سائبیریا کا تعلق ہے وہ صبر و استقلال سے ساتھ حالات کے تغیرات کا منتظر رہے گا۔ مغربی جنگ کا نتیجہ اس کی حکمت عملی کے لئے فیصلہ کن ہوگا۔ وہ سائبیریا پر اسی وقت حملہ کر سکے گا جب برطانیہ اور امریکہ اس کا پیچھا چھوڑیں گے۔ ان دونوں ملکوں سے وہ لڑنا نہیں چاہتا۔ اس میں شک کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

لیکن ایک اور عنصر بھی بروئے کار ہے اور وہ ہے جاپانی فوج۔ جاپان کی سیاسیات میں فوجی عنصر ہمیشہ غالب رہا ہے۔ جاپانی جرنیل حکومت کو اپنی انگلیوں پر نچانے کے عادی ہو چکے ہیں۔ ایک سے زیادہ مرتبہ ہر وہ حکومت جس نے فوج کا اقتدار کم کرنا چاہا یا اس کی خواہشات کے خلاف کوئی کام کرنے کی کوشش کی ہے۔

زوال پذیر ہو چکی ہے۔ چونکہ اب چنگ کی شکست کے باعث فوج کا وقار خطرے میں پڑ گیا ہے اس لئے وہ اسے بحال کرنے کیلئے کسی نئی جنگ کی خواہشمند ہے۔

مذاکرۂ علمیہ

مال لیجانے والے آبدوز جہاز

جب سے جنگ شروع ہوئی ہے اور مال لے جانے والے جہاز غرق ہونے لگے ہیں۔ برطانیہ اور بہت سے دیگر ممالک میں خوراک کا مسئلہ نازک شکل اختیار کر گیا ہے۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ پیشتر مال کے جہازوں کی حفاظت کے لئے اُن کے ساتھ مسلح جہاز بھیجنے کی اسکیم اختراع کی گئی تھی۔ بحر اوقیانوس میں جرمنوں نے امریکہ سے برطانیہ جانے والے جہازوں کو اتنی بھاری تعداد میں غرق کیا کہ انگلستان کے ارباب بست و کشاد کو تحفظ کے مزید طریقے ایجاد کرنا پڑے۔ ان سب میں تازہ ترین ایجاد ایک بہت بڑا اور لمبا سا آہنی ڈھول ہے جس میں اشیائے خوردنی رکھنے کے لئے بڑے بڑے کمرے بنے ہوئے ہیں۔ اس کے دروازے کو بند کیا جائے تو اس میں پانی داخل ہو سکتا ہے نہ ہوا۔ اوپر لوہے کا ایک بہت موٹا خول چڑھا ہے چونکہ یہ ڈھول جنہیں کنٹینر کا نام دیا گیا ہے۔ آبدوز کشتیوں کی طرح پانی کے نیچے نیچے چلیں گے۔ اس لئے دشمن کے لئے انہیں غرق کرنا آسان نہیں ہوگا۔ مزید برآں یہ سطح آب سے اتنی گہرائی میں رہیں گے جہاں تک طیاروں کے بم بھی مار نہیں کر سکتے۔

اس سے پہلے جو جہاز مال لے جانے پر مامور تھے۔ ان کی دو قسمیں تھیں۔ ایک قسم ٹرمپ کہلاتی ہے۔ ان جہازوں میں گندم، چاول وغیرہ بھر کر لے جاتے ہیں۔ جہاز کے نیچے ایک بہت بڑا کمرہ ہوتا ہے۔ جس میں غلہ بھر دیا جاتا ہے ان جہازوں کی رفتار بھی اچھی ہے۔ اور ان کا حجم چھوٹے ہونے کے باعث ان کے ذریعہ باربرداری پر طرح بھی کم اُٹھتا ہے لیکن مشکل یہ ہے۔ کہ گوشت، پھل اور اس قسم کی دیگر جلد خراب ہونے اور نمی کو پکڑ لینے والی اشیاء ان میں انگلستان نہیں پہنچ سکتیں۔

اناج بوریوں میں بھر کرلے جانے کی نسبت لوہے کے بڑے بڑے صندوقوں میں مشینوں کی مدد سے بھر لینا زیادہ آسان ہے کیونکہ بوریوں کو ایک ایک کر کے جہاز پر چڑھانا اور اس پر سے اُتارنا پڑتا ہے۔ اس طرف نہ صرف زیادہ محنت بلکہ اس کے نتیجہ کے طور پر روپیہ بھی زیادہ درکار ہوتا ہے۔

گزشتہ جنگ اور موجودہ لڑائی میں سب سے زیادہ نقصان ان ٹرمپ جہازوں کو پہنچا۔ وجہ یہ کہ باربرداری کے جہازوں کی تعداد کم ہو گئی تھی۔ اس سے برطانیہ کو غیر جانبدار ممالک سے جہاز کرایہ پر حاصل کرنا پڑے۔ زمانہ قبل از جنگ میں ایک ٹن اناج کا کرایہ ۳ شلنگ تھا۔ لیکن آغاز جنگ کے بعد سے خطرہ کا بیمہ ملا کر یہ خرچ چھ سات گنا ہو گیا۔ لیکن برطانیہ کی مشکل اس وقت آسان ہو گئی جب ناروے اور بعض دیگر ممالک پر نازک وقت آیا۔ ان کے جہاز بہت کم کرایہ پر برطانیہ کے حوالے کر دیئے گئے۔

لیکن یہ تمام جہاز مقدار و صورت ہی کے کام آتے ہیں۔

دوسری قسم لائنر جہازوں کی ہے جو قد و قامت میں ٹرمپ کی نسبت بہت بڑے ہوتے ہیں۔ ان کی تہ میں بیشمار کرے بنے ہوتے ہیں جن میں جانے ... گوشت دلیر ... الگ الگ بھرا جا سکتا ہے۔ برطانیہ ہر سال پچاس کروڑ پونڈ کا ... درآمد کرتا ہے ... کی باربرداری سب سے مشکل کام ہے۔ کیونکہ ذرا سی بے خیالی سے اس پر ... کا اثر ہو جاتا ہے اور یہ ناکارہ ہو جاتی ہے پھلوں کے ساتھ رکھے جانے سے بھی اس کا ذائقہ ... ل جاتا ہے سب سے مزا ... جاتا رہتا ہے۔ جو سیب کے ساتھ جہاز میں لادی گئی ہو۔ گوشت اور پھلوں کی باربرداری بھی آسان کام نہیں گوشت کی حفاظت کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ اسے پانی سے تر رکھا جائے تاکہ اس کی تازگی برقرار رہے۔ لیکن سب سے اچھا طریقہ برف میں رکھ کر لے جانے کا ہے۔ جہاں تر گوشت کو اس طرح لٹکاتے ہیں کہ اس کے ٹکڑے ایک دوسرے سے ٹکرا کر خراب نہ ہو جائیں۔ بہت زیادہ جگہ درکار ہوتی ہے وہاں برف میں ... ہوا گوشت بہ آسانی صندوق میں بند کیا جا سکتا ہے۔ اس کی بہت بڑی مقدار تھوڑی سی جگہ میں آ جاتی ہے۔ پھل بھی زیادہ جگہ گھیرتے ہیں اگر انہیں ... کی طرح نیچے اوپر رکھ دیا جائے تو چند ہی دنوں میں خراب ہو جاتے ہیں۔

لائنر جہاز دو جاہل کے جہاز ہیں۔ ان کی رفتار ان کی قد و قامت کے مقابلہ میں کافی تیز ہے اور دور افتادہ مقامات پر مقیم فوجوں کو جو کوک مرنے سے بچانے کا فرض بھی جہاز انجام دیتے ہیں۔ ناروے کی شکست کے سبب سے ان کا کام بہت بڑھ گیا ہے۔ کیونکہ جو دودھ مکھن وغیرہ ڈنمارک، ناروے اور سویڈن جیسے قریبی ممالک سے برطانیہ پہنچتا تھا۔ اب اسے لانے کے لئے ان جہازوں کو آسٹریلیا اور کینیڈا جانا پڑتا ہے پچھلی بار جہازوں پر بھی جرمنوں نے شدید حملے کئے تھے۔ اس لئے پچھلی ہی اب غیر ممالک اور سلطنت کے مقبوضات سے لانا پڑتی ہے چونکہ ان جہازوں کا تعلق ملک کی زندگی سے ہے اس لئے بحری بیڑا ہر قیمت پر ان کی حفاظت کرتا ہے۔

مال کے نئے آمد و رفت جہاز سمندر کی تہ میں چالیس فٹ کی گہرائی میں رہتے تھے ان جہازوں میں جو ایک بہت ... اور لمبے آہنی ڈھول سے ... ہیں ... برقی ... ان کا تعلق ایک ... سے ... تھا ... مسلح جہاز سے جوڑ ... مسلح جہاز اور اس ڈھول کے درمیان ایک ... کشتی ہوتی۔ جو ڈھول کو مسلح جہاز میں ... سے بچاتی۔ ... مسلح جہاز اور آمد و رفت جہازوں کی حفاظت کے لئے جہاز ... طرف چاروں دیگر مسلح جہاز بھی پہرہ دیتے ہوئے چلتے تھے اور اگر ہر موجودہ ... توقع ہے کہ اس طرح یہ قافلہ ... سلامتی کے ساتھ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جایا کرے گا۔

آمد و رفت جہازوں کو جو مسلح جہاز ... گے وہ اتنے چھوٹے بنتے ہیں کہ ان پر بہت کم خرچ آئے گا۔ مگر یہ حفاظت کے ساتھ ... میں کفایت بھی ہوگی۔

صنفِ نازک

شہزادی زیب النسا

خاندانِ مغلیہ میں شہزادی زیب النسا کا مرتبہ بہت بلند ہے اس لئے اپنی پھوپھی جہاں آرا کی مانند سیاسی جوڑ توڑ میں کبھی حصہ نہیں لیا تھا۔ اس کا شغل شعر و شاعری تھا۔ اس کا فارسی کلام اتنا اونچے درجہ کا ہے کہ ایران کے لوگ اب بھی اس کے دیوان کو بصد شوق پڑھتے ہیں۔ اس کا دیوان مخفی (زیب النسا مخفی تخلص کرتی تھی) کے قلمی نسخے اب بھی کئی ادب نوازوں کی الماریوں کی زینت بنے ہوتے ہیں۔ وہ ایک حسین و جمیل، وسیع النظر اور تعلیم پسند عورت تھی۔ شاعری کے ساتھ مصوری بھی آتی ہے۔ اس نے قدرت نے اسے بھی فہم و دیعت کر دیا تھا۔ حسین و جمیل ہونے کے باوجود اس نے کبھی سنگار نہ کیا۔ مسی اور حنا سے بھی اسے نفرت تھی۔

زیب النسا ۱۶۳۹ء میں ایرانی بیگم کے بطن سے پیدا ہوئی۔ چار برس کی عمر میں اسے قرآن شریف کی تعلیم دی جانے لگی۔ دو سال میں اس نے قرآن ختم کر لیا۔ اور آٹھ برس کی عمر میں حافظہ بن گئی۔ اورنگ زیب نے اس خوشی میں اس کی معلمہ حافظہ مریم کو تیس ہزار اشرفیاں انعام میں دیں۔ اس کے بعد عربی و فارسی ادب کی تدریس کے لئے اس نے کئی دیگر معلم ملازم رکھے۔

زیب النسا کے سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ اس نے تیرہ چودہ برس کی عمر میں ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ بچپن میں بھی اکثر اس کے منہ سے موزوں فقرے نکل جاتے تھے۔ بیس برس کی عمر تک اس کی شعر گوئی ایک سربستہ راز بنی رہی۔ کیونکہ وہ اپنا کلام چپ چاپ اپنی بیاض میں لکھ لیتی تھی۔ کسی کو سناتی نہ تھی۔ جب ملا سعید اس کے معلم مقرر ہوئے تو ان کی نگاہ شہزادی کی بیاض پر پڑ گئی۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا یہ اشعار آپ نے کہے ہیں؟ شہزادی نے حیا سے نظریں جھکا لیں۔ ملا صاحب نے شہزادی کے کلام کی دل کھول کر تعریف کی۔ اور اس میں اصلاح کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ اس حوصلہ افزائی سے شہزادی شعر و شاعری کے میدان میں چل نکلی۔

اورنگ زیب نے تخت پر بیٹھنے کے بعد دربار کے مغنیوں اور شعرا کو نکال دیا تھا اور ملک الشعرا کا عہدہ بھی ختم کر دیا تھا۔ لیکن جب زیب النسا کے کلام کی شہرت ملک میں پھیل تو شعرا دہلی میں جمع ہونے لگے۔ تب اروں پر وہ قصیدے لکھ لکھ کر شاہ کی خدمت میں بھیجتے اور ہزاروں روپیہ انعام پاتے۔ کچھ لوگ تو کہتے ہیں کہ شہزادی کی سفارش پر اورنگ زیب نے شاہی محل میں بھی مشاعرے منعقد کرنے کی اجازت دے دی تھی۔

شہزادی زیب النسا تاعمر ناکتخدا رہی۔ کہتے ہیں کہ اس کی سگائی دارا شکوہ کے فرزند سلیمان شکوہ سے ہوئی تھی اور شہزادی اسے چاہتی بھی تھی لیکن سیاسی اعتبار سے اورنگ زیب کو یہ رشتہ پسند نہ آیا۔ تیز سگائی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سلیمان شکوہ سیاسی سازشوں کا شکار ہو کر مارا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے شہزادی کے دلِ نازک کو ٹھیس لگی اور اس نے تاعمر کنواری رہنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد اعزہ کے سمجھانے سے وہ شادی کرنے پر رضامند بھی ہوئی تو کوئی شہزادہ اسے پسند نہ آیا۔ ایران کے شہزادہ فرخ نے جب زیب النسا کے حسن و صورت و سیرت کا چرچا سنا تو وہ دہلی چلا آیا اور کئی ماہ شاہی مہمان رہا لیکن زیب النسا کے معیار پر پورا نہ اترا۔ ایک اور شہزادے کا بھی یہی انجام ہوا۔ انگریز مورخوں نے اس ضمن میں لاہور کے نواب عاقل خاں سے متعلق بعض واقعات کا بھی ذکر کیا ہے لیکن ان میں صداقت معلوم نہیں ہوتی کیونکہ شاہی حرم میں کسی غیر شخص کا داخل ہونا ناممکنات سے تھا۔

اس کے بعد شہزادی نے نکاح کا خیال ہی ترک کر دیا۔ اس سے پہلے کی غزلیات میں جہاں محبت کی پیاس جھلکتی تھی وہاں مابعد کے کلام سے یاس۔ دل شکستگی اور بے ثباتیٔ عالم کی بو آنے لگی۔ بادشاہ کی بیٹی ہونے پر بھی وہ زیور پہننے سے گریز کرتی تھی۔ اور صاف ستھرے کپڑے پہننے ہی پر قانع تھی۔ کسی نے اسے رنگین کپڑے پہنے نہیں دیکھا تھا۔ حرم کی لونڈیوں کا بیان ہے کہ اس نے کبھی سرمہ اور مسی استعمال نہ کی تھی۔ اس نے خود کہا ہے ؎

دخترِ شاہم ولیکن رو بفقر آوردہ ام
زیب و زینت بس ہمینم نام من زیب النسا ست

یہ سب ہونے پر بھی اس کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ اپنی خواصوں سے بہنوں کا سا سلوک کرتی تھی اور ان سے بڑے سے بڑا قصور سرزد ہونے پر بھی ناراض نہیں ہوتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ اس کی خادمہ ارادت فہم اس کی بیاض لئے آ رہی تھی کہ حوض کے کنارے پاؤں پھسل جانے سے بیاض پانی میں گر گئی۔ ایک شاعر کے لئے اس کی بیاض کا ضائع ہو جانا بہت بڑا صدمہ ہے لیکن شہزادی نے ایک حرف زبان سے نکالے بغیر لونڈی کی خطا معاف کر دی۔

ایک مرتبہ ایک دوسری لونڈی کے ہاتھ سے چینی آئینہ گر کر ٹوٹ گیا۔ یہ آئینہ شاہ چین نے شاہجہاں کو بطور تحفہ بھیجا تھا۔ اور شاہجہاں نے خوش ہو کر زیب النسا کو دے دیا تھا۔ لونڈی بید مجنوں کی طرح تھر تھر کانپتی ہوئی شہزادی کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور بار بار پوچھنے پر صرف اتنا ہی کہہ سکی ؎

از قضا آئینۂ چینی شکست

زیب النسا نے فوراً جواب دیا ؎

خوب شد، سامانِ خود بینی شکست

زیب النسا کو سیاسیات سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس لئے وہ دربار کے معاملات سے ہمیشہ دور دور رہی۔ اس کے باوجود وہ ایک دفعہ سیاست کی لپیٹ میں آ گئی۔ ۱۶۸۱ء میں جب درگا داس راٹھور کے زیرِ رہنمائی راجپوتوں نے اپنی آزادی کا علم بلند کیا اور شہزادہ اکبر کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا تو وہ خود راجپوتوں سے مل گیا۔ وہ زیب النسا کا سگا بھائی تھا اس لئے اس زمانہ میں بھی اس سے شہزادی کی خط و کتابت جاری رہی۔ اورنگ زیب کو شہزادی کی وفاداری پر شبہ ہوا اور اس نے حکم دیا کہ اسے قلعہ سلیم گڑھ میں نظر بند کر دیا جائے۔ زیب النسا کو چار لاکھ روپیہ سالانہ تنخواہ ملتی تھی وہ بند کر دی گئی اور اس کی جاگیر کی ضبطی کے احکام صادر ہوئے۔ ایک دو برس کے بعد جب بادشاہ کو اس کی











صنعت و حرفت

ہندوستان میں شکر سازی

ہندوستان روئی کی طرح گنے کی بھی جائے پیدائش ہے۔ لیکن گزشتہ ایک سو سال میں انگریزی حکومت نے شکر سازی کی طرف ذرا بھی توجہ نہ دی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ۱۹۲۶ء میں کمیشن نے اور ۱۹۲۹ء میں زراعتی ریسرچ کونسل نے حکومت ہند کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ لیکن اس کے باوجود گورنمنٹ اپنے کانوں میں تیل ڈالے رہی۔

اس ملک میں آخرکار ۱۹۳۱ء میں جبکہ اس صنعت کے تحفظ کے لئے ایک ٹیرف بورڈ قائم کیا گیا۔ اور اپریل ۱۹۳۲ء میں حکومت نے وعدہ کیا کہ پندرہ برس تک وہ صنعت شکر سازی کو تحفظ دیتی رہے گی۔ ۱۹۳۱ء تک ہندوستان اپنی ضروریات کے لئے غیر ملکی کھانڈ کا محتاج تھا لیکن اب وہ پندرہ لاکھ ٹن چینی خود بنا لیتا ہے جو اس ملک میں چینی کی موجودہ کھپت کے برابر ہونے کے قریب ہے۔

اس صنعت میں غیر معمولی ترقی ہونے کے باعث ہندوستان کا ۔۔۔ کروڑ روپیہ بچ گیا ہے جو سرد ممالک سے نو لاکھ ٹن چینی منگانے پر صرف ہوتا تھا۔ پہلی مرتبہ ۱۹۳۶-۳۷ء میں شکر ساز کارخانوں نے اتنی چینی ۔۔۔

کے بعد بھی دو لاکھ ٹن چینی بچ رہی۔ اس کے بعد گنے کی خراب فصل ہونے کے باعث ۱۹۳۸-۳۹ء میں ہمیں کمی پوری کرنے کے لئے پھر تین لاکھ ٹن چینی باہر سے منگوانی پڑی۔ ۱۹۳۹-۴۰ء میں کل تیرہ لاکھ ۳ ہزار ٹن شکر تیار ہوئی۔ لیکن چونکہ صوبہ متحدہ اور بہار کی حکومتوں نے گنے کی کم از کم قیمت ایک روپیہ فی من اور ایک من شکر تیار کرنے کے لئے چودہ من گنے کی ضرورت ہوتی ہے) مقرر کر دی اس لئے شکر کی کھپت میں بھی تخفیف ہوئی۔ ۱۹۴۰ء میں سارے نو لاکھ ٹن شکر فروخت ہوئی اور چار لاکھ ٹن آئندہ سال کے لئے بچ رہی۔

۱۹۳۶ء تک ہمیں اپنی شکر باہر بھیجنے کی ضرورت کا احساس ہوا تھا۔ چنانچہ ۱۹۳۷ء میں جب بین الاقوامی معاہدہ پر دستخط کرتے وقت ہندوستان اس بات پر متفق ہوا کہ کوئی ملک کسی دوسرے ملک کو شکر برآمد کرے اس وقت ہمارے لئے یہ محض ایک زبانی جمع خرچ کا مضمون تھا کسی کو یہ خیال تک نہ تھا کہ ہندوستان میں شکر کی پیداوار اس قدر بڑھ جائے گی کہ ہمیں برآمد کرنے کی ضرورت پڑے گی۔

۱۹۳۹ء میں جب جنگ شروع ہوئی تو یہ معاہدہ بیکار ہو گیا اور نہ صرف برطانیہ بلکہ بعض دیگر ممالک کو بھی ہندوستانی کھانڈ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ہندوستان میں فالتو کھانڈ کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود تھا کہ کارخانہ دار ایکسائز ڈیوٹی نکال کر چار روپیہ فی من

کے حساب سے اپنی کھانڈ ہندوستان میں بیچنے پر آمادہ ہو گئے تھے لیکن اندرون ملک کھانڈ کا خرچ بارہ روپیہ فی من سے کم نہ تھا۔ اس شرح پر ہندوستانی کھانڈ کی مانگ بہت تھی لیکن مصیبت یہ آ پڑی کہ ٹنکرون جن کے پاس یہ کھانڈ جمع تھی۔ اتنے کم نرخوں پر کھانڈ دینے سے انکار کر دیا اور حکومت ہند کا یہ فیصلہ بھی کہ ایک لاکھ ٹن کھانڈ برطانیہ کو بھیجی جائے عملی شکل اختیار نہ کر سکا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ ریاستہائے متحدہ کے بعد برطانیہ کھانڈ کی منڈی میں سب سے بڑا خریدار ہے۔ ۱۹۳۸-۳۹ء میں برطانیہ نے اپنی کھپت کا ۴۵ فیصدی حصہ سلطنت کے ممالک سے اور باقی غیر ممالک سے درآمد کیا تھا۔ برطانیہ میں کھانڈ کی سالانہ کھپت ۲۳ لاکھ ٹن ہے جو ۱۹۳۹-۴۰ء میں راشن ہو جانے کی وجہ سے اب انیس لاکھ رہ گئی ہے۔ برطانیہ میں پانچ لاکھ دس ہزار ٹن کھانڈ پیدا ہوتی ہے اس لئے اسے اب بھی چودہ لاکھ ٹن کھانڈ بیرونی ممالک سے درآمد کرنا پڑتی ہے۔ ۱۹۳۹-۴۰ء میں اس نے حسب ذیل ممالک سے کھانڈ درآمد کی:

آسٹریلیا	پانچ لاکھ چونسٹھ ہزار ٹن
جنوبی افریقہ	دو لاکھ پندرہ ہزار ٹن
ماریشس	دو لاکھ باسٹھ ہزار ٹن
فجی	ایک لاکھ ستائیس ہزار ٹن
برطانوی جزائر غرب الہند	پانچ لاکھ اٹھارہ ہزار ٹن

اندازہ کیا گیا ہے کہ ہندوستان ۱۹۳۹-۴۰ء اور ۱۹۴۰-۴۱ء میں تین تین لاکھ ٹن کھانڈ برطانیہ کو برآمد کر سکتا تھا۔ اگر حکومت ہند پہلے بعض مہلک غلطیاں نہ کر بیٹھتی اس وقت ہندوستان اعلیٰ درجہ کی کھانڈ پیدا کرتا ہے جو جاوا کی کھانڈ سے کسی طرح بھی کمتر نہیں۔ اور اگر کوشش کی جائے تو سال بسال بہتر سے بہتر قسم کی کھانڈ تیار کر کے غیر ممالک کو بھیجی جا سکتی ہے۔

اس وقت گنے کی کاشت ہندوستان میں تمام ممالک کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ ۱۹۳۰ء میں تیس لاکھ ایکڑ زمین میں گنا بویا جاتا تھا۔ ۱۹۳۶-۳۷ء میں یہ رقبہ ساڑھے چالیس لاکھ ایکڑ ہو گیا۔ ۱۹۳۹-۴۰ء میں ۳۴ لاکھ ۵۲ ہزار ایکڑ۔ اور ۱۹۴۰-۴۱ء میں ۴۴ لاکھ پندرہ ہزار ایکڑ اسی طرح فی ایکڑ کے حساب میں گنے کی پیداوار میں بھی اضافہ ہوا۔ شکر سازی کی صنعت کا بیان مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ تاوقتیکہ گڑ کی صنعت کا ذکر نہ کیا جائے جس میں چینی کی نسبت گنے کی چار گنا زیادہ کھپت ہوتی ہے گزشتہ سالوں میں جو شکر تیار ہوئی ہوگی اندازاً آٹھ لاکھ اور تیرہ لاکھ ٹن کے درمیان ہے اور گڑ کے اعداد و شمار ستائیس لاکھ ۲۰ ہزار سے ۴۲ لاکھ ۸۰ ہزار ٹن تک ہیں۔

میسور کو چھوڑ کر جہاں سال میں نو ماہ شکر ساز کارخانے کام کرتے رہتے ہیں۔ ہندوستان میں یہ صنعت موسمی حیثیت رکھتی ہے اور کارخانے صرف چار پانچ ماہ چلتے ہیں جاوا میں کارخانہ دار اپنی زمینوں میں گنے کی کاشت خود کراتے ہیں۔ یہاں کارخانہ داروں کو گنا کسانوں سے خریدنا پڑتا ہے صرف بمبئی میں بعض کارخانے گنے کی کاشت خود کراتے ہیں گنے کی فصل پر کارخانوں کا قابو نہ ہونے کے باعث بھی صنعت کو نقصان پہنچ رہا ہے لیکن امید کرنی چاہئے کہ کسانوں اور کارخانہ داروں کے باہمی تعاون کی کوئی سبیل نکل آئے گی۔ اور وہ دونوں کر ایسا انتظام کر سکیں گے جس سے کارخانوں کی ضروریات



Reliable REMEDY

Kamla Works (R)
Panch Pota (Bengal)




افغان
ای ایس پاٹن والا کے افغان گلیسرین سوپ سے آپ کی جلد مخمل جیسی ملائم اور خوبصورت ہو جاتی ہے اس کے بیش قیمت خالص تیل جلد کو تر و تازگی دیتے ہیں
جلد ملائم صاف اور پھول جیسی خوشبو سے معطر ہوتی ہے۔
سول ڈسٹری بیوٹرز۔ ای۔ ایس پاٹن والا لمیٹڈ ۸۴ عبدالرحمٰن سٹریٹ بمبئی
ایم آہوجہ اینڈ کمپنی دہلی و لاہور
GLYCERINE SOAP


امید افزا مستقبل تقریباً برباد ہو چکا تھا
کبھی یہ ایک ہونہار نوجوان تھا لیکن اب تو اس کی تمام ذہانت و قابلیت غارت ہو گئی
زندہ باد!
ہر شب ہارلکس کے استعمال نے اسے نئی قوت بخشی
اس کا یہ دورہ تو آندھی اور بگولے کی طرح رہا۔ اس مستعدی اور قوت کے ساتھ اسکا کامیاب ہونا یقینی ہے۔
اور اب میں ضلع کے دورے کا نقشہ تیار کرتا ہوں۔
یہ فجر کی کمزوری سے محفوظ رکھتا ہے اسے پی کر آپ گہری نیند سوئیں گے ترو تازہ اٹھیں گے اور آپکی قوت و پھرتی واپس آ جائے گی۔
ہارلکس استعمال کیجئے
بیماری کی حالت میں، زمانہ صحت یابی میں، یا جب آپ نڈھال یا سست سے ہوں تو
HORLICKS
H. 1601



اعصاب کی کمزوری سے اپنی زندگی برباد نہ کیجئے

اکثر لوگوں کے اعصاب بہت جلدی یا دیر میں کمزور ہو جایا کرتے ہیں۔ ان کی طبیعت میں تھکاوٹ رہتی ہے اور صحت خراب ہو جاتی ہے۔ اگر خدانخواستہ آپ کی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہو گئی ہو تو اس عظیم الشان مفرح اور مقوی غذا کو جسے "اوولٹین" کہتے ہیں فوراً پینا شروع کر دیجئے۔ چند روز پینے سے آپ کی حالت میں زمین و آسمان کا فرق ہو جائے گا۔ آپ کے اعصاب مضبوط ہوتے جائیں گے۔ ماندگی دور ہو جائے گی اور رات میں بہت میٹھی نیند آیا کرے گی۔

"اوولٹین" رگوں کو غذا پہنچا کر ان میں پوری طاقت پیدا کرتی ہے۔ ہاضمے کی خرابیوں کو دور کرتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ دماغ اور جسم کو تیزی اور پھرتی بخشتی ہے۔ روزانہ "اوولٹین" پیا کیجئے۔ اور اس کا لطف اٹھایئے اور یقین جانئے کہ آپ کی صحت ہمیشہ بہترین رہے گی۔

پکنا جو کے نشاستہ اور گائے کے تازہ عمدہ روغن دار دودھ سے بنتی ہے۔ اس میں وٹامن اپنی قدرتی صورت میں موجود ہیں ایسے اجزا ملائے گئے ہیں جن میں کمال درجہ کی غذائیت موجود ہے۔ دنیا میں جتنی پینے کی چیزیں موجود ہیں ان میں "اوولٹین" بلاشبہ ہر حیثیت سے بہترین ہے۔ نقلی چیزوں سے بچئے!

"اوولٹین" ایک خوش ذائقہ قوت بخشنے والی غذا ہے۔ اسے گرم اور سرد دونوں طرح پی سکتے ہیں۔ بنانا بھی بہت آسان ہے۔ ہر ٹین کے ساتھ بنانے کی مکمل ہدایتیں ہوتی ہیں۔

'اُوولٹین'

ٹانک جو غذا اور شربت دونوں ہے۔ OVALTINE

ہر دواخانہ اور اسٹور سے مل سکتی ہے

ڈسٹری بیوٹرس:
گراہمس ٹریڈنگ کمپنی (انڈیا) لمیٹڈ بمبئی۔ کلکتہ۔ کراچی۔ مدراس۔ رنگون



BEWARE OF IMMITATION
BUY ADVERTISED GOODS

Printed at Jayyad & Ranjit Press Delhi and Published from the "Riyasat" Office Delhi. Printer, Publisher & Editor Mr Zaffar Ahmad

فلمستان

"سکندر" "پکار" سے بھی بازی لیگیا

بمبئی سے مسٹر سہراب مودی نے بذریعہ تار اطلاع دی ہے کہ "منروا" کا "سکندر" بیک وقت تین سینماؤں میں چل رہا ہے "پکار" بھی پہلے ہفتہ تین سینماگھروں میں نمائش کے لئے پیش کیا گیا تھا لیکن "سکندر" کی آمدنی "پکار" کی پہلی ہفتہ کی آمدنی کے مقابلہ میں تقریباً دوچند ہے۔ تماشائیوں کے ہجوم کے پیش نظر فیصلہ کیا گیا ہے کہ دوسرے ہفتہ میں بھی "سکندر" کی نمائش تینوں سینماگھروں میں برابر جاری ہے۔

دہلی کے "منروا" "مناکیز" میں "سکندر" کی نمائش ۱۶ اکتوبر سے شروع ہوگی

"ایشیاٹک پکچرز"

ہندوستان کی فلمساز کمپنیوں میں "ایشیاٹک پکچرز" کے نام سے ایک نئی فلم ساز کمپنی کا اضافہ ہونے والا ہے جسکی بنیاد ہندوستان کے مشہور اداکار مظہر خان رکھ رہے ہیں۔ ابتدائی انتظامات مکمل ہوچکے ہیں اور بہت جلد "ایشیاٹک پکچرز" فلمسازی شروع کردے گی۔

مظہر خان کے پیش نظر تعمیری اور اصلاحی فلموں کے تیار کرنے کا ایک شاندار پروگرام ہے جسے وہ "ایشیاٹک پکچرز" کے ذریعہ عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں۔ توقع کی جاتی ہے کہ مستقبل قریب میں یہ فلم کمپنی وہی نام پیدا کرے گی جو مظہر خان نے اداکاری کے میدان میں حاصل کیا ہے۔

بمبئی میں "خزانچی" کی سلور جوبلی

۱۸ ستمبر ۱۹۴۱ء کو مسٹر دل سکھ پنچولی مالک کمپنی و مسٹر گرداری لال "خزانچی" کے خالق بذریعہ فرنٹیر میل عازم بمبئی ہوتے۔ لاہور اور دہلی اسٹیشن پر فلمی دنیا سے متعلقہ اصحاب نے آپکا خیر مقدم ہوتے ہوئے حوصلہ افزا تقریریں کیں۔ بمبئی سنٹرل

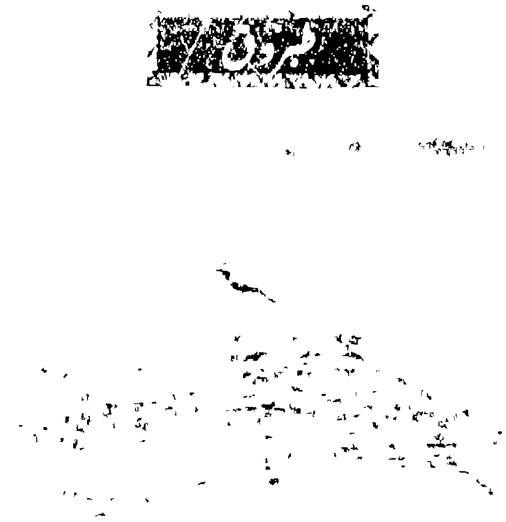
اسٹیشن پر مسٹر بابوراؤ پائی اور فیمس پکچرز وغیرہ دیگر اصحاب کے ہمراہ آپ کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ دوران قیام میں بہت سے اصحاب نے پر تکلف دعوتیں دیں جن میں سے مسٹر پائی مسٹر بھیو ریاست حاؤ پا پیٹا ڈنٹ مسٹر لال آف ہزاشرودا کی طرف سے دیگئی دعوتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔
مسٹر مودی مالک ویسٹرن تھیٹرز لمیٹڈ جو کرشنا ٹاکیز میں خزانچی کی سلور جوبلی منانی گئی۔ سینمائے مالک نے ایک پر تکلف لنچ تاج محل ہوٹل میں دیا۔ تقریباً پانچسو مہمان موجود تھے۔
سرکردہ حضرات نے مسٹر پنچولی اور مسٹر آڈوانی کو خزانچی کی مقبولیت پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے یقین دلایا کہ بہت جلد اسی طرح خزانچی کی گولڈن جوبلی منانے کے لئے اکٹھے ہوں گے۔ باوجود بمبئی میں ایک نئی فلم ریلیز

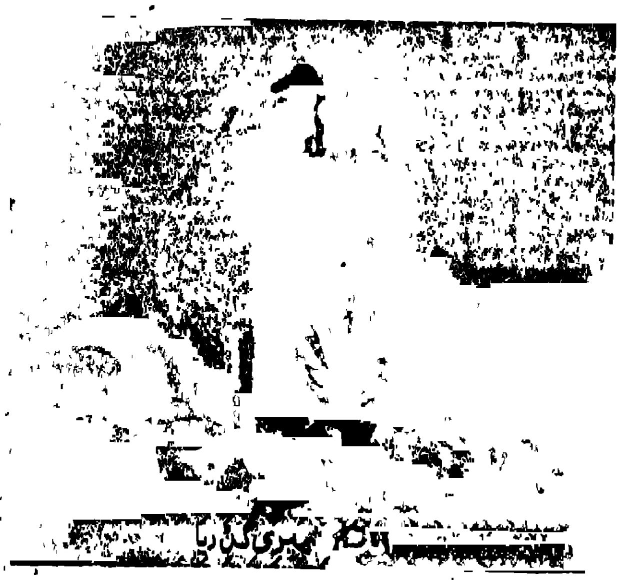
پاکستان فلم پروڈکشن کا بھرت ملاپ

ہندوستان کی نئی سرحدیں



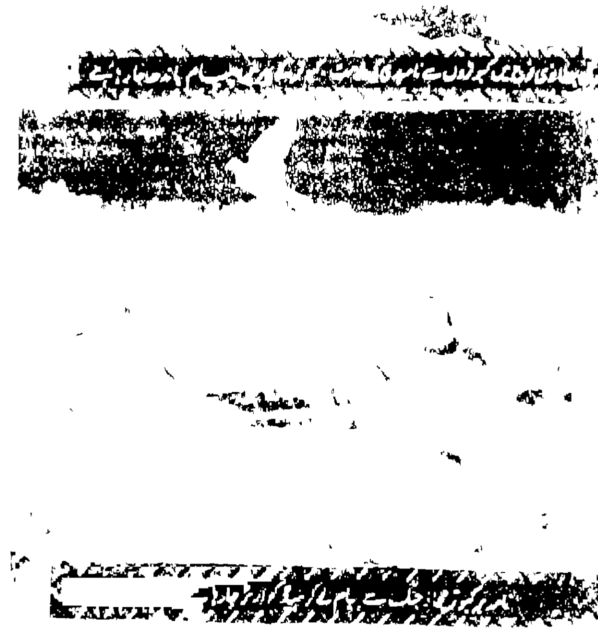
دورۃ کے کارخانہ میں تیار شدہ ہوئی جہاز کا
انجن جو تیز رفتاری کے تمام ریکارڈ مات کردیگا













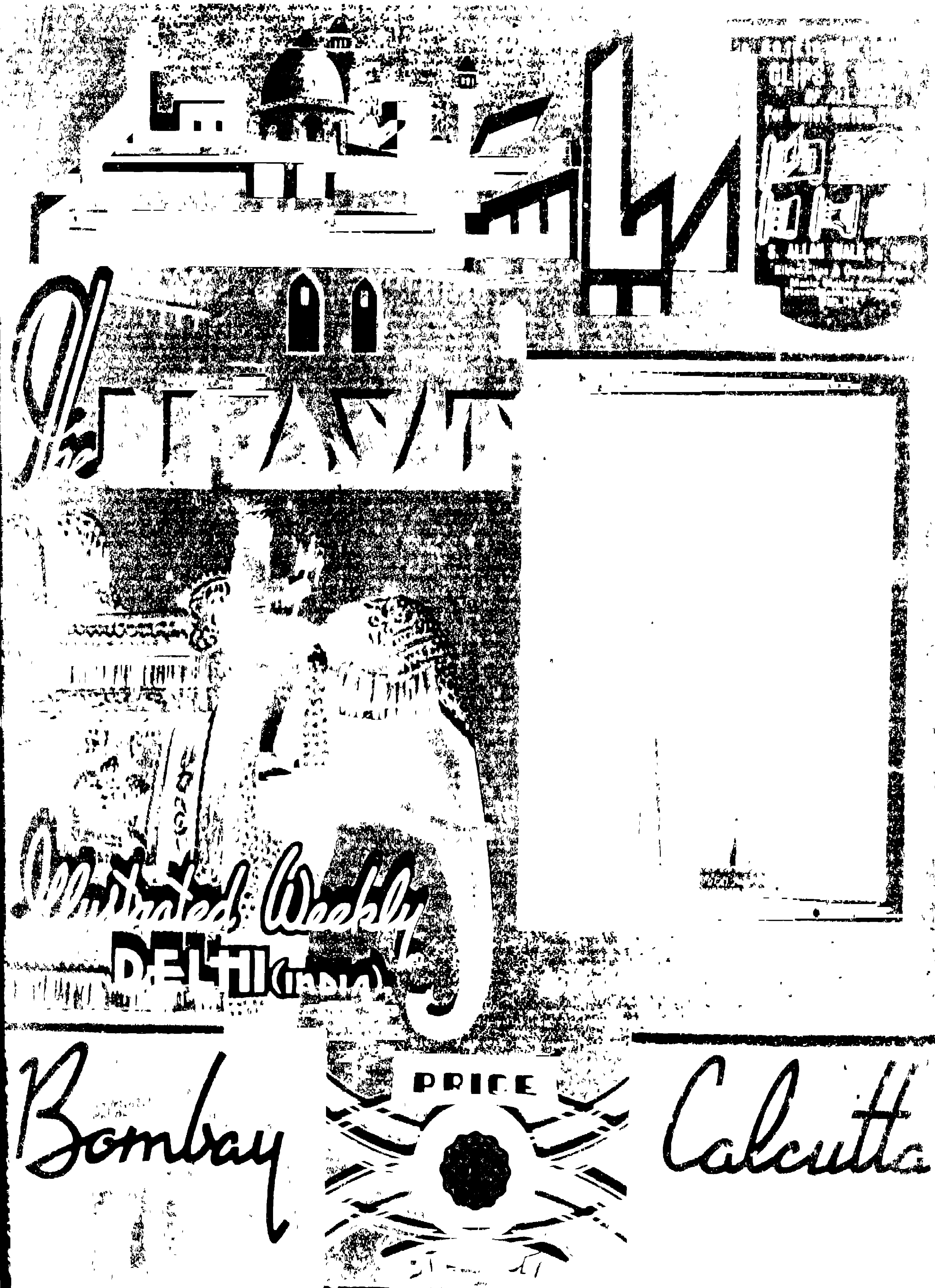
صحرا کے "سکندر" کی ہیروئن ریحانہ





مسٹر سی راجگوپال آچاریہ سابق وزیر اعظم مدراس
جو اس ہفتہ جیل سے رہا ہوئے

سر ہنری کریک سابق گورنر پنجاب
وائسرائے ہند کے سیاسی مشیر مقرر ہوئے ہیں

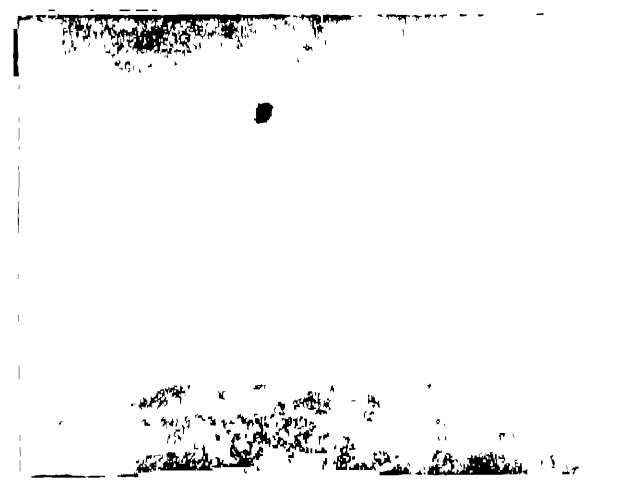


OFFICE
YUSUF BUILDING
CHURCHGATE ST.

OFFICE
1. WATERLOO
P.O. BOX



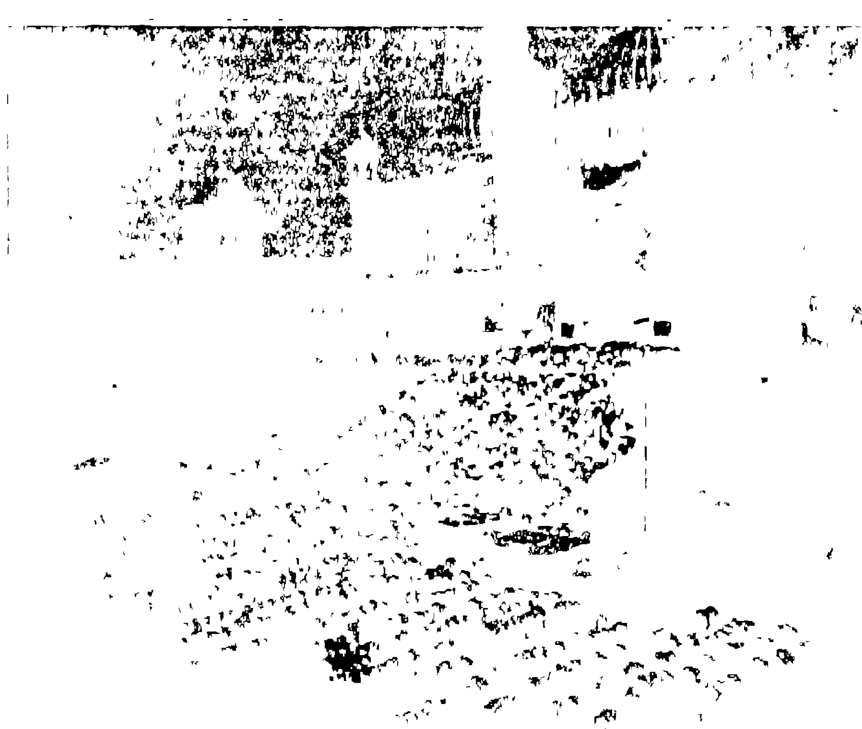
اپنے عہدہ کا چارج لینے کے لئے مسٹر بٹ ابر- ایس ایلی جب پچھلے ہفتہ
دھلی پہنچے تو اسٹیشن پر آپ کا شاندار استقبال کیا گیا



روسی پیراشوٹ فوج ہوائی جہازوں سے اتر کر دشمن کے علاقے میں
جمع ہو رہی ہے



دھلی میں ہندو مہاسبھا کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس



جامع مسجد دھلی میں جمعۃالوداع کی نماز

ریاست دہلی
ہندوستان کا بہترین باتصویر اُردو ہفتہ وار
جلد ۳۱ — مورخہ ۱۹۴۲ء — نمبر ۱۶
BOMBAY OFFICE
YUSUF BUILDING
CHURCHGATE ST
قیمت سالانہ چار روپے — فی پرچہ ایک آنہ — قیمت ممالک غیر سالانہ آٹھ روپے ۔ برآ سالانہ پانچ روپیہ
CALCUTTA OFFICE
I. WATERLOO ST.
P.O. BOX 2081

مزدوروں کا مرکزِ امید خطرہ میں

روس کو فوجی امداد کی ضرورت

حفاظتِ ہند کا آخری مورچہ ایران نہیں کوہ قاف ہے

افسوس ہے کہ روسی مورچہ کی حالت روز بروز نازک ہوتی جارہی ہے۔ روسی فوجوں نے جس غیرمعمولی ہمت وشجاعت سے تقریباً چار ماہ تک جرمنی کی قہرمانی قوتوں کا مقابلہ کیا وہ تاریخ عالم میں یادگار رہے گی۔ لیکن جو جرمنی بیس بائیس برس سے پوشیدہ طور پر ایک خوفناک عالمگیر جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھا اس کا مقابلہ روس کے لئے جو ہمیشہ صلح جوئی کے مسلک پر کاربند رہا بہت دشوار ثابت ہورہا ہے۔ اس وقت لینن گراڈ ہر طرف سے محصور ہو چکا ہے۔ اور اس کے محاصرہ سے مارشل وارشلوف کی تقریباً پندرہ بیس لاکھ بہترین فوج بیکار ہو رہی ہے۔ یوکرین کا زرخیز ترین صنعتی علاقہ روس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ اور وسطی محاذ پر روسی حکومت ماسکو کو خالی کر چکی ہے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ روس کے اس عظیم الشان پایۂ تخت پر کس دن سواستیکا لہرائے گا۔ سرمایہ داری کے موجودہ دور میں مزدوروں اور کسانوں نے اپنی قربانیوں سے جو ایک حیرت انگیز اور شاندار نظام قائم کیا تھا اس کی تباہی ہمارے لئے سخت تکلیف دہ ہے۔ اور آج وہ امیدیں خاک میں مل رہی ہیں جو دنیا کے فاقہ کشوں نے روس کے دامن سے وابستہ کر رکھی تھیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہماری مخلصانہ دعائیں اور تمنائیں روس کو تباہی و بربادی سے بچا سکتی ہیں۔

جہاں تک ہم غور کرسکے ہیں بحالات موجودہ اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ روس زیادہ عرصہ تک جرمنی کا مقابلہ کرسکے گا کہا تو یہی جاتا ہے کہ روس کی فضائی طاقت آج بھی جرمنی کے ہمسر ہے۔ لیکن حقیقت کو چھپانا بیکار ہی نہیں بلکہ خطرناک بھی ہے قرائن سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہمارے غریب مزدور بھائیوں نے جو دنیا میں سب سے زیادہ مہیب فضائی بیڑہ تیار کیا تھا وہ اب بہت کچھ تباہ و برباد ہوچکا ہے۔ جو روسی طیارے چند روز پیشتر تک جرمنی کے پایۂ تخت برلن پر بمباری کرتے تھے آج صرف مدافعت کے لئے وقف ہوگئے ہیں۔ اور بدقسمتی سے یہ مدافعت بھی کمزور ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ روس کی بری فوج آج بھی جرمنی کے بعد دنیا کی سب سے بڑی فوج ہے اگر تقریباً بیس لاکھ ... جرمنی کے ... [illegible]

روسی فوج کو تہ تیغ کر دیا ہے۔ تب بھی یہ ماننا پڑے گا کہ روس کے پاس ایک کروڑ کے لگ بھگ فوج موجود ہے اور یہ تعداد لازمی طور پر ایسی ہے جو مساعد حالات میں دنیا کو ایک بار تہ و بالا کرسکتی ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ جرمنی کے حیرت انگیز طریقۂ جنگ اور محوری سازشوں نے روسی فوج کے ایک بڑے حصہ کو بیکار بنا دیا ہے۔ روس مشرق سے اپنی عظیم الشان فوجوں کو اس لئے مغربی محاذ جنگ پر منتقل نہیں کرسکتا۔ کہ اسے جرمنی کے دوست جاپان سے خطرہ ہے مغربی محاذ پر جیسا کہ اوپر بیان کرچکے ہیں مارشل وارشلوف کی بہترین پندرہ بیس لاکھ فوج محصور ہے۔ یوکرین میں مارشل بدینی کی فوجوں کو جرمنی نے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں منقسم کرکے ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا ہے۔ اور ماسکو کے مورچہ پر مارشل ٹموشنکو کی فوج جس مرگ و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس کے اظہار کی ضرورت نہیں لے دے کر روس کے پاس بحری فوج باقی رہ جاتی ہے۔ سو اول تو اس کی زیادہ ضرورت نہیں اور اگر ہو بھی تو روس کے تین اہم بحری مراکز میں دو مراکز بالکل بیکار ہو چکے ہیں یعنی مشرقی بیڑہ نہ جاپان کے خوف سے ہٹایا جاسکتا ہے۔ اور نہ اس کے مغربی محاذ تک پہنچنے کے لئے کوئی راستہ۔ بالٹک کی ریاستوں پر جرمن قبضہ ہو جانے کے بعد بحیرہ بالٹک کا روسی بیڑا بیکار ہو چکا ہے۔ اور اگر خدانخواستہ لینن گراڈ فتح ہو گیا تو وہ سخت خطرہ میں پڑ جائے گا۔ بحیرہ اسود کا روسی بیڑا بیشک کچھ کام کر رہا ہے۔ اور محض اسی کی وجہ سے جرمن فوجیں اب تک قفقاز پر بحری حملہ نہیں کرسکی ہیں۔ لیکن جرمنی جو جنگی جہازوں کی زد سے بچا ہوا خشکی کے راستہ بحیرہ آزوف تک پہنچ گیا ہے۔ اور خشکی ہی کے راستے داغستان قاف میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ اس کا علاج روس کے بحری بیڑہ کے پاس نہیں ہے۔ علاوہ بریں ہم نہ تو اپنے مسلمان دوستوں کے جذبات کو ٹھیس لگانا چاہتے ہیں اور نہ ہمیں شریف ترکوں کی نیک نیتی پر کسی قسم کا حملہ مقصود ہے۔ لیکن چونکہ تقاضائے دانش یہی ہے کہ کسی اہم معاملہ میں نتیجہ تک پہنچنے کے لئے تصویر کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالی جائے۔ اس لئے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ایسی حالت میں جبکہ ترکی اور روس کے درمیان دو سو برس تک خونریزی ہوتی رہی ہو ... ترکوں کی عظیم الشان سلطنت کو ... [illegible]

ہوا اور جرمنوں سے ترکی کے تعلقات ہمیشہ دوستانہ بھی رہے ہوں اس بات کی کا رنٹی کیا ہے۔ کہ چند روز بعد روس کے تدبیر کرور ہو جانے پر ترکی حکومت اٹلی کے جنگی جہازوں کو درہ دانیال سے گزر کر بحیرہ اسود جانے کی اجازت نہیں دے دیگی۔ اور اس طرح بحیرہ اسود کا روسی بیڑا شدید خطرہ میں نہیں پڑ جائے گا؟

ان حالات میں ہم یہ کہنے کے لئے مجبور ہیں کہ روس کو جو اس وقت نیم فاقہ کشی کے لئے سپہ ہا ہوا ہے۔ تباہی سے بچانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ برطانیہ روس کی امداد کے لئے بہت جلد کوئی موثر قدم اٹھائے۔ ہم جانتے ہیں کہ ایسی حالت میں حکومت برطانیہ ماسکو کو اسلحات جنگ۔ اور خام اشیا کی شدید ضرورت ہے وہ اب تک ارسال کررہی ہے لیکن ہمیں اس صاف بیانی کے لئے معذور سمجھا جائے کہ برطانیہ کے چند ٹینکوں یا چند ہوائی جہازوں سے روس کی مرگ و زیست کا سوال حل نہیں ہوسکتا۔ خود ایک ذمہ دار برطانوی مدبر کے الفاظ میں روس اس وقت برطانیہ سے جو کچھ مانگ رہا ہے اسے مہیا کرنا برطانیہ کے لئے بہت دشوار ہے ایسی حالت میں جبکہ روس کے بہت سے عظیم الشان صنعتی مراکز تباہ ہو چکے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ وہ برطانیہ یا امریکہ کی بھیجی ہوئی خام اشیا سے بھی کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھا سکتا اس وقت اگر روس کے گرتے ہوئے ایوان اقتدار کو سنبھالا جاسکتا ہے۔ تو صرف اس صورت میں کہ برطانیہ یا مغرب میں جرمنی پر براہ راست حملہ کر دے۔ یا کوہ قاف میں روس کی مدد کے لئے اپنی تازہ دم فوجیں بھیج دے۔

جہاں تک ہم غور کرسکے ہیں برطانیہ سردست جرمنی پر حملے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اور نہ وہ اس قسم کا کوئی مشورہ اپنے دوستوں کی زبان سے سننا ہی چاہتی ہے۔ اب صورت صرف یہ رہ جاتی ہے۔ کہ ایران کے راستے روس کی امداد کے لئے فوجیں روانہ کی جائیں۔ ہم برطانوی مدبرین سے پوچھتے ہیں کہ اگر انہیں ترکی کی جانب سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اور ان کا یہ خیال صحیح ہے۔ کہ ترک برطانیہ کے وفادار دوست ہیں تو کئی لاکھ فوج کو شام و عراق میں معطل رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور کیوں نہیں اسے روس کی امداد کے لئے کوہ قاف اور کریمیا بھیج دیا جاتا؟ برطانیہ نے ایران پر قبضہ درحقیقت صرف اسی لئے کیا تھا۔ کہ روس کو امداد پہنچائی جاسکے۔ اب ہم حیران ہیں کہ اس نئی شاہراہ سے پورا فائدہ کیوں نہیں اٹھایا جاتا۔ اگر برطانوی مدبرین یہ سمجھتے ہیں کہ قاف و کریمیا میں فوجیں بھیجنے کے بجائے وہ ایران میں حفاظت ہند کا مورچہ قائم کرسکیں گے۔ تو ہم ایک محب وطن ہندوستانی کی حیثیت سے یہ کہنے کے لئے مجبور ہیں کہ برطانوی مدبرین کا یہ خیال غلط ہے۔ جو ایرانی روس و برطانیہ کے سپاہیوں کو دیکھتے ہی اپنے محسن اعظم رضا شاہ پہلوی کے خلاف ہو گئے ان کے متعلق اس بات کی کیا گارنٹی کی جاسکتی ہے۔ کہ کل وہ جرمن فوجوں کو ایران کی سرحد پر دیکھ کر برطانیہ کے دوست رہ سکیں گے؟ حفاظت ہند کا آخری مورچہ اگر قائم ہو سکتا ہے تو ایران میں نہیں بلکہ کوہ قاف میں۔

ہندوستان کیلئے برطانیہ کا مختصر آزادی

حال ہی میں جب بعض امریکن لیڈروں کی جانب سے سوال کیا گیا کہ آیا خاتمہ جنگ کے بعد برطانیہ ہندوستان کو بھی آزادی کی فضا میں سانس لینے کا مستحق سمجھے گی تو وزیر ہند مسٹر ایمرے نے ریڈیو پر اس سوال کا جواب دیتے ہوئے اعلان کیا کہ حکومت برطانیہ ۸ راگست ۱۹۴۰ء کو ہندوستان سے وعدہ کرچکی ہے کہ اسے جنگ کے بعد آزاد کردیا جائے گا اب ۸ راگست والا یہ مختصر آزادی کیا ہے۔ اس کی مختصر داستان بھی سن لیجئے۔

حکومت برطانیہ نے مہاتما گاندھی کی ستیہ گرہ کو بے اثر بنانے اور جنگ میں ہندوستانیوں کا اشتراک حاصل کرنے کے لئے ۸ راگست ۱۹۴۰ء کو اعلان کیا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد برطانیہ اپنی پہلی فرصت میں ہندوستانیوں کو موقع دے گی۔ کہ وہ اپنے لئے ایک ایسا دستور مرتب کریں جو تمام فرقوں کے لئے قابل قبول ہو اور جس میں برطانیہ کی ان ذمہ داریوں کا بھی لحاظ رکھا گیا ہو جو والیان ریاست اور اقلیتوں کے مفاد کی حفاظت کے سلسلہ میں اس پر عائد ہوتی ہیں۔ ایسا کوئی دستور مرتب ہو جانے کے بعد حکومت ہندوستان کو درجہ نوآبادیات عطا کردیگی۔ اس پیشکش کے ساتھ حکومت کی جانب سے زمانہ جنگ تک کے لئے باہمی اشتراک کی ایک اسکیم بھی پیش کی گئی تھی۔

حکومت برطانیہ کی یہ پیشکش جس قدر بے معنی اور مضحکہ خیز ہے اس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ اول تو درجہ نوآبادیات کے عطیہ کو مشروط کردینا ایک ایسے دستور کی تکمیل پر جو تمام فرقوں اور جماعتوں کے لئے قابل قبول ہو ناقابل فہم ہے کیونکہ دنیا کے کسی غلام ملک میں بھی غیر حکومت کی نگاہوں کے سامنے آزادی کا کوئی ایسا دستور مرتب ہونا تقریباً غیرممکن ہے جسے تمام جماعتیں متفقہ طور پر تسلیم کرلیں۔ اور اس بات کی گارنٹی کیا ہے کہ غیر حکومت اپنے استعماری مفاد کو قومی اور محکوم باشندوں کو آزادی کی نعمت سے محروم رکھنے کے لئے اس ملک کی کسی سیاسی جماعت یا لیڈر کو نئے دستور کی مخالفت کے لئے خرید نہ سکے گی۔ علاوہ ریں وہ درجہ نوآبادیات کا کانسٹی ٹیوشن ہی کیا ہوا۔ جس میں برطانیہ کو ملک کے اندرونی معاملات میں والیان ریاست اور اقلیتوں کے مفاد کی حفاظت کے نام پر حق مداخلت حاصل ہو۔

حکومت سی۔ پی کا صحیح فیصلہ

چند روز ہوئے سی۔ پی کے ایک یوروپین پولیس افسر نے بندے ماترم کے ترانہ کے خلاف کچھ گستاخی کی تھی ہمیں مسرت ہے کہ حکومت سی پی کے چیف سیکرٹری مسٹر ترویدی نے اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے ایک سرکاری اعلان کے ذریعہ تمام سرکاری عہدہ داروں کی توجہ حکومت کے اس اہم سرکلر کی جانب مبذول کی ہے جس کی رو سے سرکاری عہدہ داروں کو حکم دیا گیا ہے کہ جس وقت کسی عام مجمع میں بندے ماترم گایا جائے تو حکومت کے اہلکار و اکرام میں کھڑے ہو جائیں۔

ہمارے خیال میں حکومت سی۔ پی کا یہ اہم فیصلہ بطرح قابل قدر ہے اور اس سے ... [illegible]

اخبارات کے خلاف ریاستوں کا متحدہ محاذ

یہ خبر دلچسپی کے ساتھ سنی جائیگی کہ سنٹرل انڈیا کی ریاستیں اخبارات کے خلاف ایک متحدہ محاذ جنگ قائم کر رہی ہیں اور اس تحریک کی قیادت کا فخر مہاراجہ اورچھا کو حاصل ہے۔ چنانچہ چند روز ہوئے آپ کی زیر صدارت، جو لکھاری میں سمے کیا گیا اعتبار بندیل کھنڈ کی تمام ریاستیں اخبارات کو کچلنے کے لئے متحد ہو جائیں اور اگر کوئی اخبار کسی ایک ریاست کے خلاف بھی حق و صداقت کی آواز بلند کرے اس کا بائیکاٹ تمام دوسری ریاستیں کر دیں۔ اب اکھنڈ بندیل کھنڈ فرنٹ کے مسٹر منشی، مہاراجہ اورچھا نے اس تحریک کے قائد اعظم کی حیثیت سے بندیل کھنڈ کی ریاستوں کے نام ایک سرکلر روانہ فرمایا کہ اخبارات "دیسی راجیہ" اور "کروال" کا داخلہ تمام ریاستوں میں بند کر دیا جائے۔ اور ان کے ایڈیٹروں کی کسی قسم کی امداد دی جائے

اوپر کی پوزیشن جس قدر مضحکہ خیز ہے اس کے اظہار کی ضرورت نہیں ہم مہاراجہ اورچھا اور ان کے تمام ہم خیال والیان ریاست کو بتاؤ دینا چاہتے ہیں کہ حق و صداقت کی آواز کو اس قسم کی سازشوں سے نہیں کچلا جا سکتا ہے۔ بلکہ ہمیں یقین ہے کہ اس طرح تو والیان ریاست کی کمزور پوزیشن اور بھی زیادہ نمایاں ہو جائیگی اور اخبارات کے خلاف ان کی متحدہ بندی دیکھ کر پبلک خود بخود سمجھنے پر مجبور ہو جائے گی کہ

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ہم ان والیان ریاست کو یقین دلاتے ہیں کہ اخبارات کی مخالفت کو روکنے کا صحیح طریقہ اس طرح ان کے خلاف ٹولی بنانا نہیں بلکہ اپنے حالات کی اصلاح کرنا ہے۔

ڈاکٹر متھرا داس دہلی میں

تازہ اطلاعات سے ہمیں یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ ہندوستان کے نامور ترین ماہر امراض چشم ڈاکٹر متھرا داس آف موگا کچھ عرصہ کے لئے دہلی تشریف لائے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ بے شک آنکھوں کے حیرت انگیز اور کامیاب آپریشنوں کا تعلق ہے انہوں نے ہندوستان کے پرچم عظمت کو دنیا میں سربلند کر دیا ہے۔ اور کوئی متمدن ملک ایسا نہیں ہے جہاں ڈاکٹر متھرا داس کو اتھارٹی سمجھ کر ان کے کمالات فن کا اعتراف نہ کیا جاتا ہو۔ ڈاکٹر متھرا داس کو جو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے اس کا معمولی اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ حال میں آئرلینڈ کی ایک یونیورسٹی میں میڈیکل ڈیپارٹمنٹ کے ایک ایسے پروفیسر کی ضرورت ہوئی جسے آنکھوں کے آپریشن کا غیر معمولی تجربہ ہو۔ اس جگہ کے لئے متعدد درخواستیں دنیا کے ہر حصہ سے موصول ہوئیں لیکن ایک ہندوستانی کی حیثیت سے ہم انتہائی فخر و غرور کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ دنیا بھر کے لئے اس خوش نصیب امیدوار کو جس نے اپنی سیٹ ڈاکٹری کی اسپیشلیٹی پیش کی تھی کہ وہ ڈاکٹر متھرا داس کی ماتحتی میں کئی سال تک کام کر چکا ہے۔

ڈاکٹر متھرا داس کا کچھ عرصہ کے لئے دہلی تشریف لانا اہل دہلی کی انتہائی خوش نصیبی ہے لوگوں کو موجودہ دور کے اس عظیم ترین معالج چشم، درخیر بزرگ کی خدمات سے بیش از بیش فائدہ اٹھانا چاہئے۔ ساتھ ہی ہمیں دہلی میونسپلٹی سے بھی ایک بات کہنا ہے۔ وہ یہ کہ اسے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں خیر مقدم کا ایڈریس پیش کرنا چاہئے۔ دہلی میونسپلٹی کی جانب سے اکثر مشاہیر کی خدمتوں میں ایڈریس پیش ہوتے رہتے ہیں بے شک ہے کہ ان میں سے بعض اصحاب ایڈریس کے مستحق ہی ہوتے ہوں لیکن ڈاکٹر متھرا داس جیسے دست مسیحائی سے لاکھوں اندھے آنکھ والے بنے جن کی خدمات امیروں سے زیادہ غریبوں کے لئے وقف رہتی ہیں۔ جس کی نگاہ میں ہندو مسلم ہندوستانی اور انگریز سوال نہیں۔ اور جس نے اپنے فنی کمالات سے یورپ امریکہ کا سر اہل وطن کے قدموں پر جھکا دیا۔ اس کی خدمت میں ایڈریس پیش کرنا خود دہلی میونسپلٹی کی عزت افزائی ہے۔

بنگال میں نئے دور کا آغاز

مسٹر ابو القاسم فضل الحق کلکتہ سے ایک نیا اخبار "نوئیگ" (دور جدید) جاری فرما رہے ہیں جس کی ادارت کے فرائض بنگال کے مشہور انقلاب پسند شاعر قاضی نذر الاسلام ادا کریں گے۔

مسٹر فضل الحق نے اس اخبار کے دفتر کی رسم افتتاح انجام دیتے ہوئے "نوئیگ" کے مقاصد ابر حسب ذیل الفاظ میں ظاہر کئے ہیں۔

"میں بنگال میں ایک نیا دور جاری کرنا چاہتا ہوں میں ایک نیا اور خوش حال بنگال عالم وجود میں لانا چاہتا ہوں اور میری دلی تمنا ہے کہ بنگال ملک میں اپنی صحیح جگہ حاصل کر سکے۔ میں اب ہر اس قدم کی حمایت کروں گا جو میرے صوبہ کو اس کی ترقی سے بہرہ ور کر سکے اور "نوئیگ" اسی مقصد کے لئے جاری کیا جا رہا ہے۔"

جہاں تک بنگال میں ایک "نئے دور" کے شروع ہونے کا تعلق ہے ہم سمجھتے ہیں کہ وہ شروع ہو گیا اور اس کا یہ کرشمہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے کہ وہ قاضی نذر الاسلام جن کا شمار کل تک بنگال کے انقلاب پسندوں میں ہوتا تھا جن کی نظموں نے ہندو مسلم بنگالیوں کے دلوں میں حب وطن کی ایک ہی آگ بھڑکا دی تھی جن کی ساری جوانی اور صرف حال ہی میں ملک بڑھاپا بھی حکومت کے ہاتھوں مصائب برداشت کرنے میں بسر ہوا اور ابھی حال ہی میں ضمانتوں کی ضبطی سے ان کے قوم پرست اخبار کو کچل کر رکھ دیا گیا تھا وہ آج مسٹر فضل الحق وزیر اعظم بنگال کے دست راست بن رہے ہیں اور حکومت کا اخبار جس کا مقصد محض فضل الحق منسٹری کی تائید و حمایت ہوگا ان کی ادارت میں جاری ہو رہا ہے۔

شاید بعض ناظرین یہ خیال ظاہر کریں کہ مسٹر فضل الحق نے جب اپنے اخبار کا مقصد "ایک نئے اور خوش حال بنگال کو عالم وجود میں لانا" ظاہر کیا ہے تو ہم نے یہ مانے کس طرح قائم کر لی کہ اس کا مقصد محض فضل الحق کی استبدادی منسٹری کی تمام و کمال تائید ہوگا اس کے جواب میں ہم ناظرین سے عرض کریں گے کہ وہ اسی تقریر میں مسٹر فضل الحق کے حسب ذیل الفاظ غور سے پڑھیں۔

"میرے خلاف سارے ملک میں پروپیگنڈا کھڑا کر دیا گیا ہے اور اخباروں کا ایک طبقہ میرے خلاف جھوٹی رپورٹیں شائع کر رہا ہے۔ میں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سیکرٹری کو جو خط لکھا تھا جس میں میں نے ورکنگ کمیٹی اور کونسل سے اور آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ اور کونسل سے استعفا دینے کی اطلاع دی تھی اس کے متعلق یہ غلط فہمی پھیلائی گئی کہ میں ہندوستان کے مسلمانوں کے اتحاد کو توڑ رہا ہوں اور لیگ کے اقتدار کو پامال کر رہا ہوں۔ مجھ پر الزام لگایا جا رہا ہے کہ میں بنگال کو ہندوستان کے دوسرے حصوں سے جدا کر رہا ہوں اس پروپیگنڈا اور غلط بیانیوں کے بعد بعض مقامات میں میرے خلاف سیاہ جھنڈے نکالے گئے لہذا ضروری ہے کہ ایک ایسا اخبار ہو جو صحیح لائن پر چلے۔ اس جھوٹے پروپیگنڈے کو روکے اور سچی خبریں شائع کرے۔"

اخبار نویسوں کا پست کیریکٹر

بدقسمتی سے بعض اردو اخبار نویس اپنی اخلاقی پستی کا کس قدر شرمناک نمونہ پیش کرتے رہتے ہیں اس کا ایک نمونہ حافظ عزیز حسن بقائی کا اخبار "حریت" ہے۔ جس کے ہر پرچہ میں امام صاحب جامع مسجد مسٹر محمد علی جناح اور دوسرے مشاہیر اسلام کو بدترین گالیاں دی جاتی ہیں۔ اس اخبار نویس کے کیریکٹر کا اندازہ اس سے کیجئے کہ مولانا مظہر الدین مرحوم ایڈیٹر "الامان" کے قتل کے بعد اس نے ان کی مظلوم بیوہ کا ناطقہ تنگ کر دیا کہ انہوں نے اپنے ننھے ننھے یتیم بچوں کی پرورش کے لئے ہندوستانی دواخانہ اور حکومت ہند کے پاس درخواستیں بھیجیں۔ یہ واقعہ صحیح ہے یا غلط ہمیں اس سے واسطہ نہیں۔ مگر خیال کیجئے کہ تیر مطاعن کا نشانہ بنانے کے لئے ایک ستم رسیدہ بیوہ خاتون کو بھی نہیں چھوڑا جاتا ہے جو اب دنیا میں بے یار و مددگار رہ گئی ہے۔ اور اپنے یتیم بچوں کو فاقہ کشی کے عذاب سے بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش صرف کرنے پر مجبور ہو گئی ہے۔ اب اخلاقی پستی کا دوسرا گھناؤنا منظر ملاحظہ ہو کہ "حریت" میں برابر "الامان" و "وحدت" پر حملے کئے جاتے تھے، چند روز سے اب "وحدت" نے بھی جواب دینا شروع کیا ہے ظاہر ہے کہ قلم کی جنگ قلم ہی سے ہونا چاہئے تھی۔ لیکن جو حافظ عزیز حسن صاحب بقائی حال ہی میں یہ دھمکی سن کر کہ سردار دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر "ریاست" ان کے خلاف اس بنا پر مقدمات دائر کرنے والے ہیں کہ ان پر نوٹ سازی کا الزام "حریت" میں لگایا گیا سردار صاحب کی خدمت میں معذرت پیش کر چکے ہیں۔ انہوں نے کارکنان "وحدت" کو فوجداری مقدمات کے نوٹس دیئے ہیں اور ہمیں اطلاع ملی ہے کہ جن لوگوں کو نوٹس دیئے گئے ہیں ان میں مولانا مظہر الدین مرحوم کی مظلوم و غم نصیب بیوہ بھی شامل ہے۔

اول تو ظاہر ہے کہ مولانا مرحوم کی بیوہ باوجود ایک شریف غیر تعلیم یافتہ خاتون ہیں، انہیں اخبار کی پالیسی اور اس کے مضامین سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا اور مظلومہ تو اپنے اخبارات کو زندہ رکھنے کے لئے اشخاص پر اعتماد کرنے کے لئے مجبور ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں انصاف کے نام پر بتایا جائے کہ ایک پردہ نشین بیوہ خاتون کو فوجداری مقدمہ کی دھمکی دیکر اس سے دو ہزار روپیہ طلب کرنا۔ کیا اس کی غیرت و مردانگی ہے اور کیا یہ اخبار نویس طبقہ کی اخلاقی پستی کا شرمناک ثبوت نہیں۔

ہمیں "الامان" و "وحدت" کی پالیسی سے شدید اختلافات ہیں۔ لیکن چونکہ اس وقت ہمارے سامنے سوال ایک اصول اور پیشہ کی شرافت کا ہے اس لئے ہم مسلمانوں سے خاص طور پر اپیل کرتے ہیں کہ اگر حافظ عزیز حسن بقائی، مولانا مظہر الدین کی بے یار و مددگار بیوہ کے خلاف قانونی کارروائی کریں تو انہیں مرحوم مولانا کی غریب بیوہ کا پورا ساتھ دینا چاہئے اور ضرورت ہے کہ اس مقدمہ کے مصارف اخبار "وحدت" پر نہ پڑیں۔ جس کی آمدنی اب ننھے ننھے یتیم بچوں کی پرورش کے لئے وقف ہے۔

مسٹر ستیہ مورتی کا جہاد عہدوں کے حق میں

مسٹر ستیہ مورتی نے پچھلے دنوں جیل سے رہا ہوتے ہی موجودہ ستیہ آگرہ کی مخالفت میں آواز بلند کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ کانگریس کو دوبارہ منسٹریاں قبول کر لینا چاہئیں۔ اب تازہ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مہاتما گاندھی سے یہ اجازت حاصل کر لی ہے کہ وہ کانگریس پارٹی کی وزارتوں پر واپس آ جانے اور مرکزی اسمبلی کے اجلاسوں میں شریک ہونے کی حمایت میں پروپیگنڈا کر سکتے ہیں۔ مسٹر ستیہ مورتی کی ان تازہ سرگرمیوں میں مسٹر آصف علی بیرسٹر بھی شریک ہیں اور ان بزرگوں کی خواہش ہے کہ مہاتما گاندھی کو اپنی موجودہ ستیہ آگرہ پر نظر ثانی کرنا چاہئے۔

جہاں تک ستیہ آگرہ کا تعلق ہے ہم اپنے ضمیر کا خون نہ کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اس انفرادی ستیہ آگرہ میں اب پبلک کے لئے کوئی خاص کشش باقی نہیں رہی ہے اور مہاتما گاندھی نے اپنی رہائیت کے پیش نظر اس میں ایسی قسم کی جگہ نمایاں کر دی ہیں کہ موجودہ ستیہ آگرہ انسانیت کے شایان شان نہیں بلکہ فرشتوں کے بس کی چیز بنا کر رہ گئی ہے۔ سیاسی حالات میں جبکہ روس کی افسوسناک پیہم شکستوں سے جنگ کا خطرہ ہندوستان کے قریب آتا جا رہا ہے، مفاد وطن کا تقاضا یہی ہے کہ نہ صرف ستیہ آگرہ بلکہ کانگریس کے پورے پروگرام پر نظر ثانی کی جائے، اور رہنمایان قوم ملک کو انفرادی ستیہ آگرہ کے گورکھ دھندے سے نکال کر ایسا کوئی مفید و موثر قدم اٹھائیں جو ہندوستان کو منزل آزادی کے قریب لا سکے۔ لیکن جہاں تک عہدے قبول کرنے کا تعلق ہے، ہم افسوس کے ساتھ مسٹر ستیہ مورتی سے اختلاف کرنے پر مجبور ہیں۔

ایسی حالت میں جبکہ حکومت نے کانگریس کا حقیر ترین مطالبہ بھی ٹھکرا دیا ہو کہ دوران جنگ تک کے لئے مرکز میں عارضی طور پر ذمہ دار حکومت قائم کر دی جائے۔ کانگریس کا منسٹریاں دوبارہ قبول کر لینا اس کے وقار کے لئے تباہ کن ہوگا۔ اور اس کے معنی سوائے اس کے اور کچھ نہ ہوں گے کہ حکومت کے قدموں پر سر رکھ کر اپنا تھوکا ہوا چاٹ لیا جائے۔

کشمیر میں ہندی رسم الخط

کشمیر کی سرکاری زبان اب تک اردو تھی اور اسی رسم الخط میں تمام کاغذات مرتب ہوتے تھے۔ اب ہندی کی روز افزوں ترقی اور ان لاکھوں باشندوں کی تکلیف کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو ہندی سے واقف ہیں اور نسبتاً مشکل زبان اردو کو کبھی سیکھ نہیں سکتے۔ حکومت کشمیر نے اردو کے دوش بدوش ہندی رسم الخط کی سرکاری حیثیت بھی تسلیم کر لی ہے اور آئندہ ہندی میں بھی درخواستیں پیش کی جا سکیں گی۔ ظاہر ہے کہ حکومت کشمیر کا یہ فیصلہ عین پبلک مفاد کے مطابق ہے۔ لیکن ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے بہت سے مسلم احباب کو —— انہیں بھی جو قوم پرستی اور ہندو مسلم اتحاد کے مدعی ہیں —— ریاستی دفاتر میں ہندی رسم الخط کے رواج سے "اسلام خطرہ میں" نظر آ رہا ہے، اور وہ ایجی ٹیشن کر رہے ہیں کہ حکومت کشمیر وہ حکم واپس لے لے جس کی رو سے ہندی رسم الخط کو اردو کے دوش بدوش سرکاری رسم الخط تسلیم کیا گیا ہے۔

اگر حکومت اردو رسم الخط کو یک قلم منسوخ کر کے صرف ہندی کو سرکاری زبان قرار دیتی تو مسلمانوں کے لئے اعتراض کی کوئی گنجائش بھی تھی۔ لیکن ایسی حالت میں جبکہ ریاست میں اردو کی سرکاری حیثیت بدستور قائم رکھی گئی ہے۔ اور ہندی کو صرف ہندی دان پبلک کی سہولت کے لئے تسلیم کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی یہ ایجی ٹیشن بالکل بے معنی اور خالص فرقہ وارانہ ہے جس کے خلاف لب کشائی کے لئے مجبور ہیں۔ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فرقہ پرست مسلمانوں کا یہی وہ طرز عمل ہے جس کی وجہ سے اردو اور ہندی کی خلیج افتراق اور بھی وسیع ہوتی جا رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ حکومت کشمیر فرقہ پرستوں کے اس پروپیگنڈے سے بالکل متاثر نہ ہو۔

رائے بہادر ڈاکٹر متھرا داس مشہور معالج چشم

کے لئے کرایہ پر ایک ایسی کوٹھی درکار ہے جو مختصر اور صاف ستھری ہو۔ مگر اس کا کمپاؤنڈ فراخ و وسیع ہو آبادی سے دور بے شک ہو۔ ڈاکٹر صاحب دہلی میں اس سال چند ماہ قیام کرنا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے لئے ایک ایسے سائیس کی ضرورت ہے جو بھجنوں کی بانی اور روحانی نظموں کو بہت اچھا جانتا ہو۔ رسیلی آواز والے بھجنک سائیس کو ترجیح دی جائیگی۔ ملازمت کے خواہشمند بنام امیر چند کھنہ جوہری دریبہ دہلی آ کر ملیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

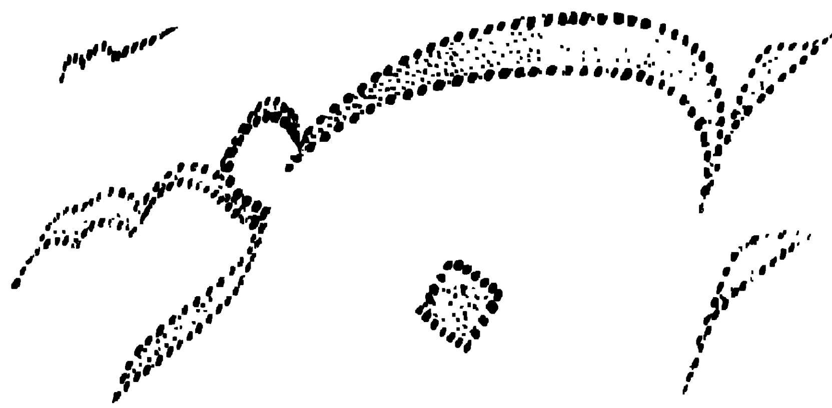
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

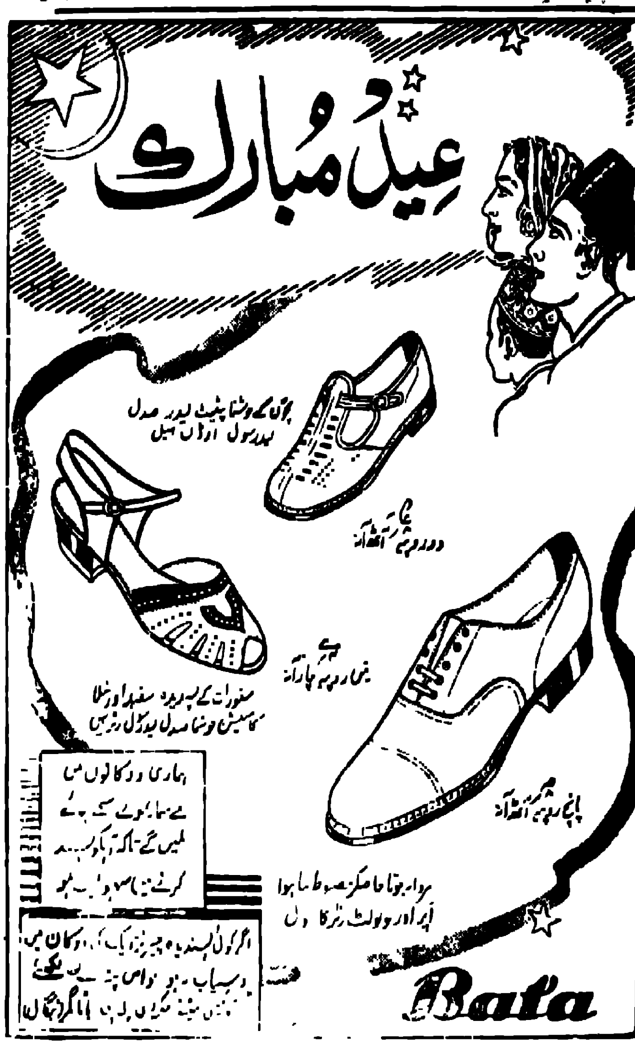


[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]


عید مبارک
Bata


اندرونی صفائی نے اس کی جلد صاف کر دی
تندرستی اور قوت بحال کر دی


ANDREWS
LIVER
SALT


Cuticura Soap
MEDICINAL & TOILET

اپنے خاندان کی تندرستی کی حفاظت کیجئے!



اگر آپ اپنے خاندان کے افراد کی تندرستی کی قدر کرتے ہیں تو ان کو وائیلا (رجسٹرڈ) کے کپڑے پہنا کر زکام اور سردی سے ان کی حفاظت کیجئے۔ وائیلا (رجسٹرڈ) برطانیہ میں تیار کیا جاتا ہے۔ اس کی تیاری میں بہترین خام مصالحہ استعمال ہوتا ہے۔

دھوپ اور دھلائی سے اس کا رنگ نہیں اُڑتا۔ نیز سکڑتا نہیں۔ اس کے ایسا ہونے کی ضمانت کی جاتی ہے

یہ کفایت بخش بھی ہے۔ یہ برسوں تک چلے گا اور تب بھی اس کی بناوٹ کی خوبصورتی قائم رہے گی۔

دغاباز تاجروں کے دھوکہ میں نہ آیئے جو آپ کو اتنا ہی اچھا ہونے کا یقین دلا کر گھٹیا کپڑا خریدنے کی تلقین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں بہت سے بددیانت بھی ہوتے ہیں۔ اور وہ ان گھٹیا کپڑوں کو وائیلا بتا کر بیچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کپڑے کے کنارے پر نام چھپا ہوا ہمیشہ دیکھ لیا کیجئے۔

وائیلا (رجسٹرڈ) تمام اچھی قسم کے بزازوں کے ہاں ہے

'Viyella' REGD

DAY & NIGHT WEAR

تیار کرنیوالے:۔ ولیم ہالنز اینڈ کمپنی لمیٹڈ کیسل بولی وارڈ نوٹنگھم انگلستان

تھوک فروش اپنی ضروریات کے لئے تھوک نرخوں پر مندرجہ ذیل جگہوں سے مال خرید سکتے ہیں:۔

میسرس کنزہ چوپڑہ چاندنی چوک دہلی یا حاجی محمد جان موسیٰ کراچی والا چکلہ سٹریٹ بمبئی اور حاجی اسماعیل حاجی عمر اینڈ کمپنی چکلہ سٹریٹ بمبئی۔





ڈیگٹ اینڈ رامزڈیل بیوٹی کریمز اور لوشن

Printed at Jayyed & Ranjit Press Delhi and Published from the "Riyasat" Office Delhi. Printer, Publisher & Editor Mr. Zafar Ahmad.

حکایت و افسانہ

موت

مانٹ نے پتا جھوٹ بول کر اپنی بیوہ بھاوج کو لوٹ لیا۔ اور اس کی ساری دولت اپنے کاروبار میں لگا دی۔ وہ اسے تنہا سمجھ کر بیوہ دنیا تھا کہ بیچاری بڑی مشکل سے اپنے مصارف پورے کرتی تھی۔ وہ تنہا نہ تھی بلکہ ایک حسین دوشیزہ کی ماں تھی۔ لڑکی کا نام تھا جونیرا۔

آج کل کی طرح ان دنوں بھی جہیز نہ ہونے پر لڑکیوں کے بیاہ رک جاتے تھے۔ لیکن بیوہ مونا ارسلا کو خدا کے کرم پر پورا بھروسہ تھا اور یہ امید کہ اس کی بیٹی کا حسن ظاہر و باطن کسی نہ کسی لائق نوجوان کو اپنی طرف کشش کرے گا۔

جونیرا سیاہ لباس پہنتی تھی۔ اور لمبی صراحی دار گردن میں ایک موتیوں کا ہار جس میں منسلک ایک مرمریں تختی پر کنواری مریم کی تصویر کندہ تھی۔ سر پر ایک باریک ریشمی نقاب رہتا تھا جس میں سے اس کے سیاہ بال گھٹاؤں کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ اس کے چہرے سے کنواری مریم کی سی معصومیت ٹپکتی تھی۔ رخسار گلابی تھے اور ان پر شباب کی تازگی موجود تھی۔ لیکن وہ لاغر اندام تھی گویا زندہ رہنے کے لئے غذا ہی نہیں ملتی۔ پتلے پتلے ہونٹ سمندر کی طرح گہری آنکھیں اور بھاری پلکیں بہت دلکش معلوم ہوتی تھیں۔ جب وہ ہاتھ میں انجیل لے کر گرجا گھر جاتی تو نوجوان بت بنے دیوار سے لگ کر چپ چاپ کھڑے ہو جاتے۔ ان کی شوخی رخصت ہو جاتی اور اس کے چلے جانے کے بعد کچھ دیر تک یہی کیفیت رہتی۔

مانٹ نے اپنی بھتیجی کی شادی فرسٹ کونسل گولانٹی سے کرنے کا فیصلہ کیا۔

گولانٹی ادھیڑ عمر کا دولتمند اور ریاست مارنس کا وزیراعظم تھا وہ کئی زبانیں جانتا تھا دن رات پڑھتا رہتا تھا۔ اسی باعث اس کا مزاج کچھ چڑچڑا ہو گیا تھا۔ [illegible] کی مانند وہ سیدھا اور سچا آدمی تھا۔ اس کی مطالعہ کی عادت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ وہ یونانی زبان سیکھنے کے لئے اپنے بلند مرتبہ اور وقار کو بالائے طاق رکھ کر مکتب میں لڑکوں کے ساتھ بینچ پر جا بیٹھا۔ ارسطو اور افلاطون کی تمام تصانیف اس نے پڑھ ڈالی تھیں۔

مانٹ کو سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی خواہش تھی۔ اور یہ خواہش گولانٹی پورا کر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے جونیرا کا عقد گولانٹی سے کرنے کا فیصلہ کیا اور اسے بیش قیمت جہیز دینے کا بھی وعدہ کیا۔

لیکن جونیرا!

گولانٹی کی عظیم شخصیت۔ بے شک اقتدار اور بلند مرتبہ اسے اپنی طرف کشش نہ کر سکا۔ وہ شادی کو کچھ عرصہ تک ٹالتی رہی کیونکہ اس میں اپنے چچا کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔ آخر ایک دن مانٹ نے جھنجھلا کر شادی کے بارے میں قطعی جواب مانگا۔ جونیرا نے چچی اماں سے صاف کہہ دیا کہ میرا منگیتر موجود ہے اور میں گولانٹی سے شادی نہیں کر سکتی۔ غریب مونا کو یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوئی کہ اس کی بیٹی نے انتھونی پالی کو پسند کیا ہے۔

انتھونی نوجوان تھا۔ پتھر سے بت تراشنا اس کا شغل تھا۔ وہ فلورنس کا آذر تھا۔ مگر بیحد غریب۔ ایک تنگ سی گلی میں اس کی دوکان تھی۔ اس سے جونیرا کا تعارف اس کی ماں ہی نے کرایا تھا۔ ایک مرتبہ وہ ان کے گھر آیا تھا۔ یہ درخواست لے کر کہ جونیرا کو مریم کا ماڈل بننے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ مقدس مریم کا بت بناتے وقت اس سے مدد لے سکے۔ مونا ایسے مذہبی کام میں تعاون کرنے سے انکار نہیں کر سکتی تھی اس لئے اس نے بت ساز کو [illegible] اجازت دے دی۔ لیکن انتھونی جونیرا کے حسن معصوم سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنی سدھ بدھ بھول گیا۔ اس کے بعد بھی وہ آتا رہا اور اس کی محبت دل ہی دل میں بڑھتی چلی گئی۔

مونا نے ڈرتے ڈرتے مانٹ کو بتایا کہ جونیرا کسی دوسرے شخص کو چاہتی ہے۔ اور گولانٹی کے عقد میں آنے کو تیار نہیں۔ مانٹ بت ساز کا نام سن کر بہت غضبناک ہوا۔ لیکن غصے کو دبا کر سنجیدگی سے کہنے لگا۔ "بھابی! اگر میں یہ بات تمہارے منہ سے نہ سنی ہوتی تو میں کبھی اس پر یقین نہ کرتا کہ تمہارے جیسی سمجھدار عورت اس الھڑ لڑکی کی بات کو اہمیت دے سکتی ہے۔ تم ان مصوروں، بت سازوں، مصنفوں اور شاعروں سے واقف نہیں ہو۔ اس دنیا میں ان سے زیادہ [illegible] اور آوارہ مزاج شخص دوسرا نہیں ملے گا۔ ان کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہوتا۔ نہ وہ دوسرے کے پاس پیسہ رہنے دیتے ہیں۔ بالخصوص یہ انتھونی۔ سارا شہر جانتا ہے کہ اس کی دکان میں چھت سے ایک ٹوکری لٹکی رہتی ہے۔ اور اس میں ایک رسی بندھی ہے جس سے یہ ٹوکری اوپر کھینچی جا سکتی ہے۔ انتھونی جو کچھ کماتا ہے۔ گنے اور دیکھے بغیر اس ٹوکری میں ڈال دیتا ہے۔ ہر شخص کو یہ اجازت ہے کہ وقت ضرورت جو چاہے اس ٹوکری میں سے نکال لے۔ میں اتنے بڑے احمق کو لڑکی اور جہیز کبھی دے سکتا ہوں؟ صرف یہی نہیں۔ وہ خدا کی ہستی سے بھی منکر ہے۔ خدا کی قدرت میں دخل انداز ہوتا ہے۔ وہ اور اس کے ساتھی بھاری رقم دے کر لوگوں سے لاشیں خرید لیتے ہیں اور انہیں چیر پھاڑ کر دیکھتے ہیں کہ انسان جسم کے اندر کیا ہے۔ انتھونی جادوگر ہے۔ بھابی! اس نے تمہاری لڑکی پر بھی جادو کر دیا ہے۔"

سادہ لوح بیوہ مانٹ کی باتوں میں آگئی۔ اس نے [illegible] پر زور دیا کہ وہ گولانٹی سے بیاہ کرے ورنہ [illegible] نہیں [illegible] بند کر دے گا۔ اور وہ دونوں بھوکوں مر جائیں [illegible] جونیرا کو ماں کی مرضی کے سامنے سر جھکانا پڑا۔ اس نے چچا کی تجویز کو منظور کر لیا لیکن اس کے دل میں دہشت، بے اطمینانی اور غم کی آگ بھڑک رہی تھی۔

اسی برس فلورنس پر ایک آسمانی آفت نازل ہوئی۔ کچھ [illegible] ہندوستان سے کپڑے کی گانٹھیں لائے تھے ان میں مہلک وبا کے جراثیم بھی آگئے۔ اور یہ وبا شہر میں پھیل گئی۔ دن بھر دعائیہ جلوس نکلتے۔ شام کو گرجا گھر میں دعائیں مانگی جاتیں۔ وبا کے انسداد کے لئے [illegible] سڑکوں پر کوڑا کرکٹ پھینکنے کی ممانعت کر دی تھی [illegible] شہر میں بند کر دیا گیا۔ لوگوں کو حکومت نے یہ بھی دھمکی دی کہ قانون کی خلاف ورزی کرنے کے جرم میں موت کی سزا دی جائے گی۔ سیاہ وردی والے سپاہی اس غرض سے مقرر کئے گئے کہ وہ مجرموں کا خاص خیال رکھیں۔ یہ لوٹ مار بھی اٹھایا کرتے تھے۔ عوام الناس نے ان کا نام کالے شیطان رکھ

دیا کیونکہ بعض اوقات یہ موت سے پہلے ہی مریضوں کو قبرستان پہنچا دیتے تھے۔

گرمی بہت کم ہو چکی تھی جب جھڑ بھی ختم ہوا۔ اب سردی بھی آ رہی تھی۔ لیکن وبا کی شدت کم نہ ہوئی۔ متمول شہری بھاگ بھاگ کر دیہات میں جانے لگے۔ گولانی نے جونیرا اور اس کی ماں کے لئے اپنا پہاڑی بنگلہ خالی کرا دیا۔

مانٹ کی چال کارگر ہوئی۔ گولانی اور جونیرا کا بیاہ ہو گیا۔ مانٹ کو جہیز پر بھی زیادہ خرچ نہ کرنا پڑا کیونکہ ان دنوں حکومت نے یہ حکم صادر کیا تھا کہ شادیوں میں زیادہ دھوم دھام نہ کی جائے۔ شادی کے وقت جونیرا بالکل بے حس و حرکت تھی۔ گویا طائر روح پرواز کر چکا ہو اور لاش کو ازدواجی زنجیروں میں جکڑا جا رہا ہے۔ مانٹ کو یقین تھا کہ جونیرا گولانی کے محل میں پہنچ کر تمام پرانی باتیں بھول جائے گی۔

لیکن اس کا یہ خیال غلط نکلا۔ دلہن گرجا گھر سے نکل کر جونہی دولہا کے دروازہ پر پہنچی، چکرا کر زمین پر گر پڑی۔ اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کی گئیں لیکن سب فضول۔ دیکھتے دیکھتے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے اور چہرے پر مردنی چھا گئی۔ ڈاکٹر بلایا گیا۔ ان دنوں ڈاکٹر کا آنا بھی ایک مصیبت تھی۔ ڈاکٹر کی آمد کا مطلب یہ تھا کہ وبا گھر میں پہنچ گئی ہے۔ اور [illegible] کالے شیطان [illegible] سمجھ جاتے تھے۔ ڈاکٹر نے دلہن کے سپید ہونٹوں کے سامنے اپنی انگلیاں رکھیں لیکن [illegible] کوئی آثار نظر نہ آئے۔ [illegible] سب نے سمجھ لیا کہ دلہن مر گئی۔ پڑوسیوں نے تو مانٹ کو کوسنا شروع کر دیا کہ ایسے وقت اپنی بچی کی شادی کیوں کی۔ [illegible] بیچاری کو وبا نے پکڑ لیا اور [illegible] داغ

بجھ گیا۔

مانٹ نے جونیرا کی موت کی خبر کو پوشیدہ رکھنے کی سعی کی۔ لیکن یہ روح فرسا خبر پھیلنے میں جیسے کسی جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی اور شام ہوتے ہوتے کالے شیطان بھی آ دھمکے۔ انہوں نے کہا کہ لاش دفنا دی جائے یا انہیں سونپ دی جائے۔ لیکن چند طلائی سکوں کے ہاتھ میں آ جانے پر یہ شیطان بھی فرشتے بن گئے۔ اور [illegible] سے اظہار ہمدردی کرنے لگے۔ لاش دوسرے دن شام تک گھر میں پڑی رہی۔

جونیرا مر گئی۔ اس بات کا یقین سب کو ہو چکا تھا۔ مگر اس کی ماں رسیدہ خادمہ کو۔ وہ برابر کہتی رہی کہ جونیرا مری نہیں۔ اس نے دوسرے گھر والوں سے التجا کی کہ زندہ جونیرا کو قبر میں نہ اتاریں۔ اس نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے اس کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھا ہے۔ —— دل اب تک حرکت کر رہا ہے جیسے تیتری کا پر ہلتا ہو!

سورج غروب ہو گیا۔ جونیرا میں زندگی کے آثار دکھائی دیے۔ [illegible] امید بھی جاتی رہی۔ رونے دھونے کے بعد لاش کو صندوق میں رکھ کر گرجا گھر لے چلے۔ [illegible] کے قبرستان میں [illegible] جگہ حاصل کی گئی۔ مانٹ نے اس کے لئے بہت سا روپیہ خرچ کیا۔ اس روپے میں سے جو جونیرا کے جہیز کے لئے اس نے مخصوص کر رکھا تھا۔

تدفین کے وقت بہت سی مذہبی رسوم ادا ہوئیں۔ [illegible] کی گئیں [illegible] اور [illegible] کا تیل تقسیم کیا گیا۔ قبرستان میں عاشقوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ [illegible] وبا کی وجہ سے شہر ویران ہو چکا تھا لیکن قبرستان میں ایک نیا شہر آباد ہو گیا۔ گولانی نے اپنی دلہن کی موت پر قبرستان میں جو تقریر کی اس میں درد انگیزی کی نسبت فلسفہ کا عنصر

غالب تھا۔ اس نے سقراط، بقراط اور افلاطون کے اقوال کی جھڑی لگا دی۔ جس نے سنا۔ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

عین اس وقت جب لاش کا بکس قبر میں رکھا جا رہا تھا ایک نوجوان اٹلی کا باشندہ وہاں آیا۔ بھیڑ کو چیر کر آگے بڑھا۔ بکس کو کھول کر اس نے لاش کے منہ سے کپڑا ہٹایا اور زرد چہرہ پر اپنی نظریں گاڑ دیں۔ سب حیران تھے۔ نووارد سے کہا گیا کہ اسے ہٹ جانا چاہیئے۔ اس کے لئے مناسب نہیں کہ اعزا کی موجودگی میں جو قبر کے پاس آئے۔ نوجوان کے ہونٹوں پر ایک خوفناک تبسم نمودار ہوا۔ وہ اجنبی ہے اور مانٹ اور گولانی جونیرا کے سگے ہیں۔ اس کے قہقہہ میں نفرت، توہین اور بغاوت کے جذبات پوشیدہ تھے۔ وہ آہستہ سے لاش پر جھکا اور اس نے جونیرا کے زرد ہونٹوں کو چوم لیا۔ پھر وہ بھیڑ کو گھورتا ہوا چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔

دلوں میں کانا پھوسی ہونے لگی۔ بیشمار انگلیاں جانے والے کی طرف اٹھیں۔ سب کی زبان پر [illegible] کا نام تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس سے جونیرا محبت کرتی تھی اور جس کی محبت کے باعث اس نے اپنے کو قربان کر دیا۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ تدفین ختم ہوئی۔ ہجوم منتشر ہو گیا تھا۔ مونا اصرار کر رہی تھی کہ وہ رات بھر یہیں رہے گی لیکن مانٹ نہ مانا۔ وہ اس قدر مغموم اور پژمردہ تھی کہ اس کی موت بہت قریب معلوم ہوتی تھی۔ قبرستان میں صرف ایک پادری رہ گیا تاکہ رات کو مرحومہ کی روح کے لئے دعا کرتا رہے۔ باقی سب چلے گئے۔

کئی گھنٹے گزر گئے۔ پادری کی زیر لب دعا اور گھڑیال کی آواز رات کے سکوت کو توڑتی ہوئی قبرستان میں گونج رہی تھی۔ نصف شب کے بعد پادری کو پیاس لگی اور سردی بھی۔ اس نے شراب کا ایک جام پیا اور نشہ میں جھومتا ہوا پھر دعا پڑھنے لگا۔

یکایک اسے ایسا معلوم ہوا جیسے نزدیک ہی کوئی کراہ رہا ہو۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے اور وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر رات کی تاریکی میں دیکھنے لگا لیکن کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اسے خیال آیا کہ آواز لاش کے بکس میں سے آ رہی ہے۔ ڈرتے ڈرتے اس نے بکس کی طرف دیکھا۔ ڈھکنا کچھ متحرک سا معلوم ہوا۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا —— لیکن قبرستان میں یہ اس کی پہلی رات نہیں تھی۔ اس نے سینکڑوں راتیں یہاں گزار دی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ قبرستان میں پہنچنے پر رات کو خیالی بھوت آدمی کو پریشان کر دیتے ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو تسلی دی کہ مردہ زندہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اور اپنی چھاتی پر صلیب کا نشان بنا کر بلند آواز سے دعا پڑھنا شروع کر دیا۔

اچانک اس کی آواز بیٹھ گئی۔ اس نے دیکھا کہ صندوق کا ڈھکن کھل گیا ہے۔ اور دلہن اس کے روبرو کھڑی ہے۔ تاریکی میں اس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمک رہی ہیں۔ پادری کو اسے پہچاننے میں دیر نہ لگی۔ جونیرا تھی جسے دفنانے کے لئے شام کو یہاں لایا گیا تھا۔ کسی کے سانس لینے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ اب پادری کے لئے وہاں ٹھہرنا دوبھر ہو گیا۔ وہ پسینے میں شرابور قبرستان کے دروازہ کی طرف بھاگا اور باہر آ کر دم لیا۔ وہاں اس نے اپنے دل کو مضبوط کر کے خدا کے بیٹے کو یاد کیا، اور اپنے سینے پر صلیب کا نشان بناتے ہوئے پھر قبرستان میں داخل ہوا۔ لیکن قبر

ہندوستان کوآپریٹو انشورنس سوسائٹی لمیٹڈ

قائم شدہ ۱۹۰۷ء

جس کی ترقی اور مضبوطی کا اظہار مندرجہ ذیل اعداد بخوبی ظاہر کرتے ہیں:۔

۱۹۴۰ کا نیا بزنس	تقریباً	۳ کروڑ	روپیہ
کل جاری شدہ پالیسی	زائد از	۱۸ کروڑ	روپیہ
لائف فنڈ		۳½	"
عملدرآمد		۴	"
بیموں کی چکاوٹ		۲½	"

پراسپکٹس، فارم اور ایجنسیوں کے قواعد

برانچ منیجر ہندوستان کوآپریٹو انشورنس سوسائٹی لمیٹڈ ہندوستان بلڈنگ کوئنز وے نئی دہلی سے طلب کیجئے۔

کیسٹوفین کسٹرآئل کی میٹھی گولیاں

بدذائقہ کڑوے اور نقصان دہ جلاب ترک کر دو۔ اس کے بجائے خوش ذائقہ اور بے خطر موثر کیسٹوفین کی گولیاں استعمال کریں۔ وہ زمانہ گیا جب بدذائقہ دوائیاں شکر ملا کر کھائی جاتی تھیں۔ موجودہ زمانہ کی سائنس نے اس طریقہ کو رد کر دیا اور کسٹرآئل جیسی مفید اور بدذائقہ چیز کو گولیوں کی شکل میں تبدیل کر دیا ہے کہ بدبو بدذائقہ کا نام تک باقی نہیں رہا۔ ہر موسم میں ہر ایک کیواسطے مفید ہے۔ ہر دوکاندار سے ملتی ہیں۔

ایجنٹس:۔ ٹی۔ ایس۔ تھادانی اینڈ سنس چاندنی چوک (فوارہ) دہلی

CASTOPHENE

CHOCOLATE LAXATIVE

آپ کے بال بھی ریشم کی مانند نرم اور پھولوں جیسے معطر ہو سکتے ہیں

بشرطیکہ آپ

کامنی آملہ ہیئر آئیل



متواتر استعمال کریں

کامنی آملہ ہیئر آئیل ۵۰ سال سے متواتر ایک ہی نسخہ ایک ہی ترکیب سے تیار کیا جا رہا ہے۔

کامنی آملہ ہیئر آئیل کی ہر بوند میں بالوں کے لئے طاقت صحت اور تازگی پوشیدہ ہے۔

کامنی آملہ ہیئر آئیل خاص کوہ ہمالیہ اور خطہ کشمیر کی تازہ جڑی بوٹیوں سے بغیر کسی دیسی یا بدیشی رنگ و بو اور ملاوٹ کے تیار کیا جاتا ہے۔

سینکڑوں سونے اور چاندی کے تمغہ جات کامنی آملہ ہیئر آئیل کی عمدگی پر مل چکے ہیں۔

ابھی ایک مرتبہ استعمال کریں۔ ہر جگہ ملتا ہے

مکمل فہرست مفت طلب کریں

کامنی آملہ ہیئر آئیل [illegible] بازار [illegible]

دیکھا کہ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ سہمی جاگتی جونیرا بھی اٹھ بیٹھی تھی۔ ہوش آیا تو جونیرا کی لاش اٹھاکر قبر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ باہر جاکر بھی اسے پیچھے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ برابر بھاگتا چلا گیا۔ رات کے سکوت میں اس کے پاؤں کی چاپ ایک بھیانک شور پیدا کر رہی تھی۔

جونیرا اپنے کو صندوق میں بند دیکھ کر بہت حیران ہوئی۔ وہ چلائی کہ مجھے جیتے جی قبر میں کیوں اتار دیا گیا۔ وہ تڑپی۔ بہت ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد قبر سے باہر نکلی اور کفن اوڑھ کر قبرستان کے دروازے کی طرف بڑھی جسے پادری کھلا چھوڑ گیا تھا۔

قبرستان سے نکل کر وہ گرجا گھر کے احاطہ میں آئی جس میں اس کی لاش پر آخری دعا پڑھی گئی تھی۔ سامنے گھنٹہ گھر صاف دکھائی دیتا تھا۔ جونیرا کا دماغ اب بھی ٹھکانے نہ تھا۔ سر چکرا رہا تھا۔ جسم بید مجنوں کی طرح لرزتا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ آدمی ہے یا بھوت زندہ ہے یا مردہ۔ دنیا میں ہے یا بہشت میں۔ اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کدھر جا رہی ہے۔ پاؤں اپنے آپ اٹھ رہے تھے۔ کس طرف یہ اسے خود معلوم نہ تھا۔

بہت سی سنسان سڑکوں کو عبور کرکے وہ ایک گھر کے سامنے پہنچی جسے اس نے پہچاننے کی کوشش کی۔ یہ اسکے چچا مانٹ کا مکان تھا۔ وہ رک گئی۔ اور کچھ دیر پس و پیش کرنے کے بعد اس نے دستک دی۔

رات بہت گزر چکی تھی لیکن ڈون کا تاجر مانٹ اب بھی جاگ رہا تھا۔ قسطنطنیہ سے اس کے دو جہاز واپس آرہے تھے۔ اور شہر میں یہ افواہ گرم تھی کہ سمندر میں طوفان آنے سے کئی جہاز غرق ہوگئے ہیں۔ اسے اندیشہ تھا کہیں اس کے جہاز بھی ڈوب نہ گئے ہوں۔ اسی فکر میں وہ سو نہ سکا تھا۔ جہازوں کی سلامتی کی خبر سننے کے لئے بیتاب تھا اور قاصد کی آمد کا منتظر۔ زیادہ دیر تک بیدار رہنے کے باعث اسے بھوک ستانے لگی۔ اس نے اپنی خادمہ نیسا کو جگا دیا اور کھانا لانے کا حکم دیا۔ نیسا کے بال سرخ رنگ کے تھے۔ اور دانت موتیوں کی طرح سفید۔ وہ جتنی حسین تھی اتنی ہی شوخ بھی۔ مانٹ کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ وہ باورچی خانہ میں گیا۔ اور کھانا بنانے میں نیسا کی مدد کرنے لگا۔

"نیسا!" دفعتاً وہ بول اٹھا: "کیا تم نے ابھی کسی کی آواز سنی ہے؟"

"سنا ہوگی" نیسا نے اٹھلا کر کہا: "اب میں نہیں جاؤنگی تم دو تین مرتبہ مجھے حیران کرچکے ہو۔"

"نہیں نہیں ہے" اس نے آواز پر کان لگا کر کہا۔ "کوئی دستک دے رہا ہے۔ قاصد آیا ہوگا۔ جاؤ۔ دروازہ کھول دو۔"

نیسا آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے لگی۔ مانٹ اوپر کھڑا اسے روشنی دکھا رہا تھا۔

"کون!" خادمہ نے چلا کر پوچھا۔ اور یکدم پیچھے ہٹ کر پیچھے ہٹی۔

"میں — جونیرا" کسی نے کہا

"یا خدا وندا دروازے پر بھوت ہے" نیسا چیخ اٹھی وہ خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگی۔ اگر اس کا ہاتھ سیڑھی پر نہ جا پڑتا تو ضرور گر جاتی۔ مانٹ بھی کانپ اٹھا۔ بتی ہاتھ سے گرتے گرتے بچی۔

"نیسا۔ نیسا!" دروازہ کھول چچی سے کہدے کہ میں — " اب نیسا سے برداشت نہ ہو سکا وہ گھبرا کر تیزی سے بھاگی۔

"دیکھا۔ قاصد آگیا!" سیڑھی چڑھتی خادمہ نے اپنے لہجہ میں غصہ اور خوف کی آمیزش کرتے ہوئے کہا: "میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ چپکے عیسائیوں کی طرح خدا پر بھروسہ رکھو اور سو جاؤ۔ آہ۔ پھر کوئی دستک دے رہا ہے غریب جونیرا کی روح رو رہی ہے۔ یا خدا! ہمیں بچا۔ ہم گنہگاروں کو معاف کر۔"

"سنو سنو" مانٹ نے کہا: "میں نیچے جاکر دیکھتا ہوں کون دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ شاید —"

"ہاں تم ضرور جاؤگے۔ بڑے نہیں مارخاں ہو۔ بیٹا نہیں جانے دونگی۔ جان بوجھ کر موت کے منہ میں نہیں گرنے دونگی سٹھیا تو نہیں گئے کیا؟ بیٹھو۔ خدا سے دعا کرو۔ وہ اس مصیبت سے ہمیں بچائے۔"

اس نے جھٹ پٹ الماری سے مقدس پانی کی بوتل نکالی اور پانی ادھر ادھر چھڑکنے لگی۔ ایک دو قطرے مانٹ پر بھی ٹپکا دئے۔

نیسا چلا کر کہنے لگی: "جونیرا کی روح! خدا تجھے سکون عطا فرمائے۔ تو بہشت میں چلی جا۔"

اب اسے یقین تھا کہ جونیرا کا بھوت اس گھر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اور ادھر جونیرا بھی سمجھ گئی کہ گھر میں گھسنے کی اجازت نہیں ملے گی۔ کیونکہ چچا نے اسے بھوت سمجھ لیا ہے۔

مایوس ہوکر وہ کسی اور جائے پناہ کی تلاش میں آگے بڑھی۔

فرانسسکو گولانی اپنے آراستہ کمرے میں بیٹھا اپنے ایک دوست کو اپنی داہن کی موت کے متعلق فلسفیانہ انداز میں خط لکھ رہا تھا۔ وہ دنیا کی بے ثباتی پر بحث کرنے میں مصروف تھا کہ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ لکھتے وقت کسی قسم کی گڑبڑ یا مداخلت اسے ناگوار تھی۔ اس کے خیالات کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔ وہ اٹھا اور کھڑکی میں سے جھانکنے لگا۔ چاندنی رات میں جونیرا کفن اوڑھے ہوئے صاف نظر آ رہی تھی۔

اب تمام فلسفہ ہوا ہوگیا ہوش و حواس جاتے رہے اس نے فوراً کھڑکی بند کردی۔ اتنی جلدی کہ جونیرا کو ایک لفظ بھی منہ سے نکالنے کا موقعہ نہ ملا۔ خوف کے مارے گولانی کی عجیب حالت تھی۔ انجیل پڑھتا جاتا تھا اور بھوت سے بچنے کے لئے بار بار چھاتی پر صلیب کا نشان بنا رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ سنبھلا روح کی لافانیت اور موت کے متعلق اسے مشہور فلسفیوں کے اقوال ایک ایک کرکے یاد آنے لگے۔ دہشت جاتی رہی۔ اس نے کھڑکی کھولی اور چلا کر کہا: "تم خواہ کوئی بھی ہو۔ اس دنیا کی مخلوق ہو یا آسمانی دنیا کی۔ جہاں سے آئی ہو وہیں واپس چلی جاؤ۔ میں تمہارے ڈرانے سے ڈر نہیں سکتا۔ میں روح کی بالیدگی کو سمجھ چکا ہوں۔ ممکن ہے کہ میری ظاہری آنکھیں دھوکا کھا جائیں لیکن باطنی آنکھیں فریب نہیں کھا سکتیں۔ مُردوں کو مُردوں ہی میں رہنا چاہیئے۔"

یہ کہہ کر اس نے کھڑکی بند کرلی اور دل میں تہیہ کرلیا کہ خواہ کوئی ہزار بار دستک دے لیکن دروازہ نہیں کھولونگا۔

جونیرا کی ماں بیٹی کی موت سے رنجیدہ ہوکر صلیب کے سامنے جھکی ہوئی تھی۔ پادری پاس کھڑا تھا۔ ماں کا چہرہ غمگین اور زرد ہو رہا تھا۔ جسم سوکھ کر کانٹا ہوگیا تھا۔ اس نے رقت انگیز لہجہ میں کہا: "مقدس باپ! میں کیا کروں! دل کو کسی طرح بھی چین نہیں پڑتا۔ تمام دعائیں ختم ہوگئیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری دعا قبول نہیں ہوتی۔ طائر روح جسم سے اڑنے کے لئے بیقرار ہے۔"

"رضائے الہیٰ کے سامنے سر جھکا دو" پادری نے اس سے کہا "خدا کو یاد کرو۔ وہ اپنے گناہوں کا کفارہ کئے بغیر مر گئی ہے اس لئے خدا کے حضور میں ایک گنہگار کی حیثیت سے پیش ہوگی تم اس کے لئے بھی دعا مانگو کہ روح القدس اس پر رحم کرے۔"

ٹھیک اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی۔ ماں [illegible] جوینرا دروازہ کھولو۔

[illegible] اور وہ یہیں کرسی پاگلوں کی طرح چلا اٹھی۔ وہ [illegible] دروازے کی طرف جانے ہی والی تھی کہ پادری نے اسے روک لیا۔

"کہاں جا رہی ہو! تمہاری جوینرا تو قبر میں آرام کر رہی ہے اب جیتی اٹھ کے قیامت تک نہیں آ سکتی۔ یہ صورت جو تمہاری بیٹی کا بھیس اختیار کر کے تمہیں بہلانے آئی ہے [illegible] خدا سے دعا کرو۔ اپنے سے اپنی شیطانی بیٹی کے لئے تاکہ تم [illegible] دوزخ کی بھٹی میں گرنے سے بچ جاؤ۔"

"ماں۔ آہ۔ تم بھی میری [illegible]۔ نہیں حقیقت مجھے نہیں پہچانتا۔ میں ہوں جوینرا۔ میں مری نہیں۔ زندہ ہوں۔ ماں۔"

"مقدس [illegible] مجھے بچا لو۔" پادری کے قدموں میں گر پڑی [illegible] پادری [illegible] اس سے بددعا دینے کے انداز میں دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے تھا۔ لیکن یقین رکھ [illegible] جوینرا کی روح ابھی دوزخ میں ڈال رہی ہے۔ تجھے یہاں سکون نہ ملے گا۔ نہ وہاں!"

پادری کے [illegible] دیکھ کر قریب [illegible] تھی۔ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ اس نے دعا کے لئے ہاتھ اوپر اٹھائے۔

اب پادری دروازے کی طرف مڑا اور اپنی چھاتی پر صلیب کا نشان بنا کر کہنے لگا: خدا کے نام پر۔ اس کے بیٹے کے نام پر روح القدس کے نام پر [illegible] میں تجھے یسوع مسیح کی قسم دیتا ہوں [illegible] تو چلی جا۔ چلی جا۔ جہاں سے آئی ہے چلی جا۔ کیونکہ یہ مقدس جگہ ہے۔ یا خدا ہمیں [illegible] بچا [illegible] ان کے [illegible] میں پھنسنے سے [illegible] کی حفاظت کر۔

[illegible] ہم کر [illegible]

[illegible] سے مری [illegible]

[illegible] اور اس نے اپنے ہاتھ دروازے کی طرف پھیلا دیئے۔ لیکن موت سے بھی زیادہ خوفناک [illegible] پادری کے ہاتھ نے سودا تک نہ پہنچنے دیا۔

جوینرا کانپ کر دروازے پر گر پڑی۔ دونوں نے اس کے گرنے کی آواز سنی۔ لیکن دروازہ نہ کھولا۔ اب اسے انتھونی کا خیال آیا۔ شاید وہ مجھے پناہ دے گا!

شروع ہی سے انتھونی کا خیال تھا لیکن شرم اور ہر جانے میں مانع ہوئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ رات کے وقت تن تنہا اس کے گھر جائے۔ بالخصوص اس حالت میں کہ وہ ایک دوسرے شخص کی منکوحہ بیوی بن چکی تھی۔ لیکن اب تو سب یگانے سے مردہ سمجھ کر جواب دے رہے تھے۔

رات کی تاریکی قدرے کم ہو گئی تھی۔ اور مشرقی میں کچھ سرخی نمودار ہو رہی تھی۔ اس وقت جوینرا کا تھکی ہوئی اس کی چوکھٹ بہت [illegible] اور انتھونی کے گھر کی طرف چلی۔

وہ رات بھر جوینرا کا موم بت بنا رہا تھا رات کب گزر گئی اسے معلوم ہی نہ ہو سکا۔ ایک شاگرد اس کی مدد کر رہا تھا۔ دونوں کی حالت اور آرٹ اس بت کو حسین ترین بنانے میں صرف ہو رہا تھا۔ بت کی تکمیل قریب تھی یکایک اسے ایسا معلوم ہوا کہ بت کی آنکھیں کھلنے کو تیار ہیں اور وہ ابھی ابھی بول اٹھے گی۔

عین اس وقت آواز آئی "انتھونی!"

بت ساز نے غصے سے اپنی نگاہ ہٹائے بغیر شاگرد سے دروازہ کھولنے کے لئے کہا

شاگرد دروازہ پر گیا اور پوچھنے لگا۔ "کون ہے؟"

"[illegible] جوینرا!"

آواز بہت دھیمی اور [illegible] انگیز تھی۔ لڑکا گھبرا کر وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا۔

"مردہ!" وہ چلایا اور اپنی چھاتی پر صلیب کا نشان بنانے لگا۔ لیکن انتھونی نے آواز پہچان لی تھی وہ یک ہی جست میں دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ لڑکے سے چابی لے لی اور دروازہ کھولنے کے لئے بڑھا۔

لڑکا کہتا ہی رہ گیا: استاد! کیا کرتے ہو؟ اس بیچارے کی ڈر کے مارے گھگی بندھ رہی تھی۔

انتھونی نے جھپٹ کر دروازہ کھول دیا۔ جوینرا چوکھٹ پر پڑی تھی۔ مردے کی طرح۔ آنکھیں باہر کو نکلی جا رہی تھیں۔ اور پلکوں پر برف جمی تھی۔

انتھونی ڈرا نہیں۔ گھبرایا بھی نہیں۔ جوینرا کے سرد جسم کو اس نے گود میں اٹھایا۔ اور اسے کمرے میں لے آیا۔ بستر پر لٹایا۔ شراب پلائی۔ انگیٹھی سلگا کر پاس رکھی۔

گرمی پہنچتے ہی جوینرا کا سانس چلنے لگا۔ جوینرا نے اسے آپ بیتی سنائی۔ اور جب کہانی ختم ہو چکی تو کہنے لگی۔

"آہ پیارے صرف تم ہی مجھ بدنصیب سے نہیں ڈرے۔ مردے کو پناہ دینے کی ہمت تم نے ہی دکھائی۔ تمہارے سوا سب نے مجھ پر اپنے دروازے بند کر لئے۔ سب پرانے ہو گئے نہیں میرے نکلے۔ اب میں بھی کسی کی نہیں —— صرف تمہاری ہوں!"

انتھونی —— مغلوب الجذبات انتھونی کوئی جواب نہ دے سکا۔

موت نے چاہنے والوں کو جنہیں دنیا نے مذہب نے ماں اور چچا نے جدا کر دیا تھا۔ پھر ملا دیا۔ محبت موت پر غالب آئی۔ (ایک اطالوی افسانہ کا ترجمہ)

میں انسان ہوں!

میں انسان ہوں مجھ میں طاقت ہے۔
میری آنکھوں میں آگ کے شعلے پوشیدہ ہیں۔
اگر امارت کے ان ظاہری نشانات فلک بوس عمارتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھوں تو صرف راکھ باقی رہ جائے۔
وہ زمین کی چادر پر ایک دھبہ ہے۔
جو انسان کو ٹھکرا دے گا۔
میں انسان ہوں مجھ میں طاقت ہے۔
میرا نعرہ، نعرہ بیداری ہے۔
میری آواز میں صدیوں کی آوازیں بھری پڑی ہیں
میں بجلی ہوں
اگر گرجوں تو زمین کانپ اٹھے۔ آسمان تھرانے لگے
نئی امنگ!
نیا جوش!
نیا انقلاب! میری زندگی کے ایک ایک پل سے ہویدا ہے۔
سرمایہ داری کی اندھی تاریکیوں میں میرے افلاس کا چراغ آہستہ آہستہ جل رہا ہے۔
اے ملوکیت کی آندھی۔ دولت کا طوفان۔ بجھا نہیں سکے۔ بجھا نہیں سکیں گے۔
میں انسان ہوں۔ مجھ میں طاقت ہے۔
سن لو! دنیا والو۔ میں انسان ہوں۔
وہ انسان جو پہاڑوں کو چیر کر گنگا کو میدانوں میں لایا۔
وہ انسان جس نے سمندروں کو خشک کر دیا۔
میں انسان ہوں۔ مجھ میں طاقت ہے۔
میرا دل وسیع ہے جنگل کی طرح
اس جنگل میں بچے شیروں سے کھیلتے ہیں۔
اور بھیڑیئے بھیڑوں سے
ان کی خون کی پیاس بجھ چکی ہے۔
یہ سب میری طاقت کا کرشمہ ہے
میں انسان ہوں۔ مجھ میں طاقت ہے۔
(ترجمہ)




TOILET SOAPS





اس کے ہاں کثرت ازدواج کی اجازت ہے لیکن اس کا رواج کم ہے۔ اگر ایک عرب لڑکی بھاگ جائے تو اسے سزا نہیں ملتی بلکہ اسے بھگانے والے کو ایک منکوحہ عورت اگر بدچلن ہو جائے تو اسے سزا سے لئے اس کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی عورت کے چال چلن کے متعلق غلط افواہ پھیلائے تو اسے موت کی سزا دی جاتی ہے۔

عرب کی خصوصیات ہیں مردانگی۔ بہادری، عزت اور مہمان نوازی۔ وہ انہیں بہت عزیز رکھتا ہے۔ اس کے باوجود وہ قوت برداشت سے بے بہرہ ہے اور مذہب کے معاملہ میں تو وہ معمولی کی چوٹ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ معمولی سی بات پر تلوار اٹھا لیتا ہے۔ ایک مرتبہ ہمارا ایک ڈرائیور غلطی سے اپنی موٹر لاری قبرستان میں لے گیا جو ان دنوں استعمال نہیں ہوتا تھا بس اسی وقت جنگ چھڑ گئی۔

انگریزوں کے نزدیک عربوں کی پسماندگی کا راز ان کے فلسفہ میں پوشیدہ ہے۔ خدا کو وہ بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اچھا برا سب اسی کی مرضی سے ہوتا ہے پھر آدمی اس کی رضا میں مخل کیوں ہو؟ اگر تباہی آتی ہے تو اس کا مقابلہ کیوں کیا جائے؟ "مقدر میں یہی تھا"۔

یہ الفاظ ہمیشہ عربوں کی زبان پر رہتے ہیں۔ یہ دل کو تسلی دینے کے لئے خوب ہے لیکن اس سے زندگی کی مشکلات آسان نہیں ہوتیں۔

مذہب کے بعد آزادی عربوں کو بہت عزیز ہے۔ وہ جہاں چاہیں جائیں۔ انہیں روکنے والا کوئی نہ ہونا چاہیئے۔ اگر ان میں سے بعض قانون سے نفرت کرتے ہیں تو اس لئے کہ وہ ان کی نقل و حرکت پر پابندی لگاتا ہے۔ صحرا اور ... نے بنایا ہے ...

کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ جاننا بھی نہیں چاہتے۔ اگر ایک شیخ انہیں اپنے اردگرد جمع کئے رکھتا ہے تو حکم نہیں بلکہ ملامت اور مہمان نوازی کے باعث عرب میں مرکزی حکومت صدیوں سے مضبوط نہیں ہو سکی۔ اس کا سبب انفرادی آزادی کا یہی فطری جذبہ ہے۔

لوٹ مار کرنا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ اور کاروبار بھی۔ اب ان فرقوں کے لئے پہلے جیسی آزادی نہیں رہی۔ لیکن کسی زمانہ میں عرب لوٹ مار کو ایک کھیل سمجھتے تھے۔ ایک قبیلہ اپنے سردار کے گرد جمع ہو جاتا اور وہ سب لوگوں پر اپنی اسکیم واضح کرتا۔ دوسرے ہی لمحہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر گرد کی دھوپ میں کسی طرف چل دیتے۔ لیکن یہ طبقہ جنگ میں ہم مذہب انسانوں کی نسبت زیادہ مہذب ہے۔ وہ اپنے جنگی قیدی کو غیر مسلح نہیں کرتا۔ اور اسے پوری آزادی حاصل ہوتی ہے۔ قیدی بھی کیوں بھاگے؟ یہ قاعدہ کی خلاف ورزی ہے جس کا ارتکاب اس کی عزت کو خاک میں ملا دیگا۔

اب عرب بدل گیا ہے۔ اس نے اپنی مالی مشکلات ایک بڑی حد تک حل کر لی ہیں۔ صحرا کا شہسوار نئی خوبی سے طیارہ چلاتا ہے کہ لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ ریت کو بہت گہرا کھود کر آبپاشی کا انتظام کیا گیا ہے۔ اور موٹروں کی آمد و رفت کے لئے نئی سڑکیں بھی تعمیر ہوئی ہیں۔ لیکن ... علاقوں میں ابھی ایسے قبائل موجود ہیں جو غیر ملکیوں کا وجود اپنے ملک میں برداشت نہیں کر سکتے۔ انہیں رام کرنے کے لئے ہم دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک قبیلہ کا شیخ ہمیں بہت پریشان کر رہا تھا۔ ایک دن وہ گھوڑے پر سوار عدن میں داخل ہوا۔ اس نے بتایا کہ اس کا بیٹا بیمار ہے اور دریافت کیا کہ کیا اسکے علاج کا انتظام ہو سکیگا؟ انگریزوں کے پاس ہوشیار ڈاکٹر تھے۔ ہوائی جہاز میں ایک ڈاکٹر شیخ کے گاؤں میں بھیجا گیا۔ جہاں معمول حالات میں ہمارا استقبال گولیوں سے ہوتا۔ لڑکا درد گردہ میں مبتلا تھا۔ ڈاکٹر اسے عدن لے آیا۔ آپریشن سے اس کی جان بچ گئی۔ اسکے بعد اسکے ساتھ ہمارے تعلقات اچھے ہو گئے۔



مشاہیرِ عالم

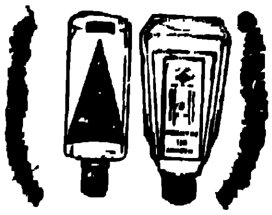
ہررڈالف ہیس

آج وہ برطانیہ کا ایک جنگی قیدی ہے۔ اور انگلستان میں کسی ایسے مقام پر جس کا انگریزی خفیہ پولیس کے چند افسروں کے سوا کسی کو علم نہیں۔ اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے۔ لیکن چند ماہ پیشتر وہ جرمنی کے حکمرانوں میں سے ایک تھا۔ اور ہٹلر کا سب سے زیادہ معتمد اور جانشین۔ یہ نصیب رڈالف ہیس!

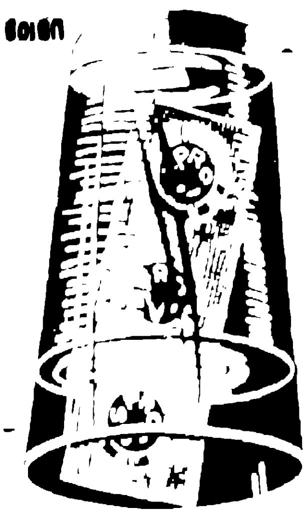
آج سے چالیس برس پیشتر وہ جنوبی بویریا کے سلسلہ کوہ کے دامن میں پیدا ہوا۔ اس ہفتہ اس کے باپ کا انتقال اسی گاؤں میں ہوا ہے۔ موت کے وقت اس کی عمر ۸۰ برس تھی۔ ہیس نے ابتدائی تعلیم دیہاتی سکول میں حاصل کی۔ اس کے بعد اسے میونخ یونیورسٹی سے ملحق ایک فوجی سکول میں داخل کیا گیا۔ بچپن ہی سے وہ شرمیلا اور تنہائی پسند واقع ہوا ہے۔ اس کا رجحان مذہب کی طرف زیادہ تھا۔ اور وہ گھنٹوں تنہائی میں بیٹھکر سوچا کرتا تھا۔ اس کا مذہبی جنون اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنے سے مختلف عقائد رکھنے والوں سے بحث کیا کرتا۔ آغاز شباب میں اس کا یہ مذہبی جنون سیاسی دیوانگی میں بدل گیا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب اس کے دماغ میں وہ خیالات پیدا ہوئے جنہوں نے بعد ازاں اسے ہٹلر اور نازیت کا پرستار بنادیا۔

۱۹۲۱ء میں اس نے جرمنی کے مشہور فوجی ماہر اور سیاستدان نیز ہٹلر کے پیر و مرشد میجر جنرل کارل ہوشوفر کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اس وقت تک ہٹلر میدان میں آچکا تھا اور میونخ کے شراب خانہ میں دھواں دھار تقریریں کیا کرتا تھا۔ ہیس ان دنوں جغرافیہ کا طالب علم تھا۔ اور ہٹلر کے اولین حامیوں اور معتقدین میں سے ایک۔ اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ مضمون نگاری کا ایک انعامی مقابلہ رکھا گیا۔ موضوع یہ تھا کہ "جرمنی کا آئندہ رہنما کیسا ہونا چاہئے" دیگر نوجوانوں کے ساتھ ہیس نے بھی قلم آزمائی کی اور انعام حاصل کرلیا۔ جرمنی کے آئندہ رہنما کی جو تصویر اس نے کھینچی وہ بجنسہ ہٹلر سے ملتی جلتی تھی۔ جرمنی کے ہونے والے ڈپٹی فیورر نے اپنے آقا و مولا کو ایک فاتح کے رنگ میں پیش کیا۔ حتیٰ کہ خونخوار ثابت کرنے میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔ اس مضمون کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:-

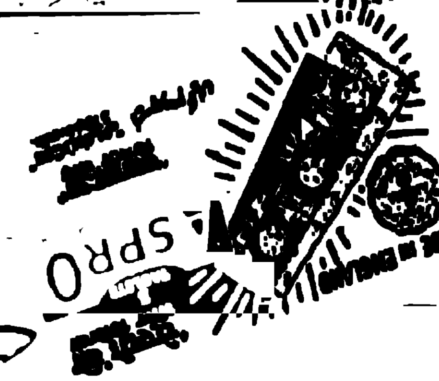
"وہ شخص جو جرمنی کی گزشتہ عظمت بحال کرنا چاہتا ہے اُسے بشرط ضرورت خونریزی سے بھی تامل نہ کرنا چاہئے حصول مقصد کے لئے اُسے اپنے قریب ترین دوستوں کی لاشیں روند کر جانا













عجائبات

دلچسپ اعداد و شمار

انگلستان اور ویلز میں مرغیوں کی تعداد پونے تین کروڑ کے قریب ہے۔

جنگ سے پہلے برطانیہ کے لوگوں کو گیارہ پونڈ شلنگ سپیشل ٹیکسوں کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ اب یہ تین گنا ہو گیا ہے۔

دنیا میں اٹھارہ کروڑ سب سے زیادہ اشخاص کی مادری زبان انگریزی ہے۔

لندن میں ہر سال دس ہزار ٹیکسیاں گم ہو جاتی ہیں۔ وہاں اڑھائی لاکھ آدمی جھونپڑیوں میں رہتے ہیں۔

دنیا کی قدیم ترین عمارت مصر کا ایک مینار ہے جو چھ ہزار برس پہلے تعمیر ہوا تھا۔ انگلستان کے سکولوں میں اڑھائی لاکھ لڑکوں کو پڑھانے پر مامور ہیں۔ جنگ شروع ہونے کے بعد تو ان اُستانیوں کی تعداد اور بھی بڑھ گئی ہے

چالیس برس کی عمر میں بچے پیدا کرو

سائنسدانوں کی تازہ دریافت یہ ہے کہ چالیس برس کی عمر میں باپ جو بچے پیدا کرتا ہے۔ وہ دوسروں کی نسبت زیادہ قابل۔ ذہین۔ روشن دماغ اور جسمانی طور پر مضبوط ہوتے ہیں۔ اس اصول کی صحت کے بارے میں تحقیقات کرنے کے لئے پارلیمنٹ کے ممبروں اور زنانہ سکولوں کی ہیڈ مسٹریسوں سے دریافت کیا گیا کہ ان کی پیدائش کے وقت ان کے والدین کی عمر کتنی تھی۔ جوابات موصول ہونے پر معلوم ہوا کہ یہ اصول درست ہے۔ اور ان میں سے اکثر اشخاص کی پیدائش کے وقت ان کے والد کی عمر چالیس اور پچاس برس کے درمیان تھی۔

قفل کھولنے والی برقی رَو

یورپ کے بہت سے لوگ جو اپنی موٹر کار خود چلاتے ہیں گیراج کے دروازہ کا قفل کھولنے کے لئے موٹر سے اُترتے ہی نہیں۔ اُن کے دائیں ہاتھ موٹر ہی میں ایک مشین نصب ہوتی ہے۔ بٹن دبانے سے اس میں سے نکل کر ایک برقی شعاع قفل پر پڑتی ہے۔ نہ صرف قفل کھل جاتا ہے بلکہ پھاٹک بھی اور موٹر گیراج میں داخل ہو جاتی ہے۔

خواب آور صندوقچی

فرانس میں رومانیہ کے بینک کے پاس ایک کیمیائی صندوقچی رکھی رہتی ہے۔ اس میں سے کچھ اس قسم کی خوشبو نکلتی ہے کہ خود بخود آدمی کو نیند آنے لگتی ہے۔ بعض ہوٹلوں میں ایک خاص قسم کی مشین لگی ہے بالکل ایسی جیسی کہ سٹیشنوں پر پلیٹ فارم ٹکٹوں کے لئے لگی ہوتی ہے۔ اس کے سوراخ میں سکہ ڈالتے ہی ٹھنڈے لیمونیڈ کا ایک گلاس باہر آ جاتا ہے جڑا یہ ہے کہ ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گرتا۔

مرغی اور کتے کی دوستی

کتے بھی انسان کی طرح عقل رکھتے ہیں اور بعض اوقات ان کے ذریعہ عقل کا استعمال بھی نہایت دلچسپ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر برطانیہ کے ایک گاؤں میں ایک دہقان کا کتا مرغیوں کے انڈے کھا جایا کرتا تھا۔ دہقان نے تنگ آکر اسے ایک زنجیر سے باندھ دیا۔ پاس ہی ایک صندوق میں اس کا گھر تھا جس پر "رات کو پڑا رہتا تھا اس کے بعد بھی انڈوں کی چوری جاری رہی بعد میں معلوم ہوا کہ کتے نے مرغیوں سے دوستی گانٹھ لی۔ اور وہ انڈے دینے اس کے گھر میں آ جاتی ہیں۔ اور بعد ازاں" ان انڈوں کو چٹ کر جاتا ہے۔

آسٹریلیا پر سفید فوج کا حملہ

سینکڑوں میل لمبے محاذ پر ایک سفید فوج تیزی سے آسٹریلیا کی طرف بڑھ رہی ہے۔ پہاڑ۔ دریا اور جنگل اس کے سدراہ نہیں ہوتے۔ اور اس کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔

یہ فوج ایک قسم کی سفید تیتریوں پر مشتمل ہے جو باغات اور کھیتوں کی جانی دشمن ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے ۱۹۳۹ء میں حملہ کیا تھا۔ لیکن سب سے نزدیک ترین ملک جس میں یہ تیتریاں پائی جاتی ہیں نیوزی لینڈ ہے۔

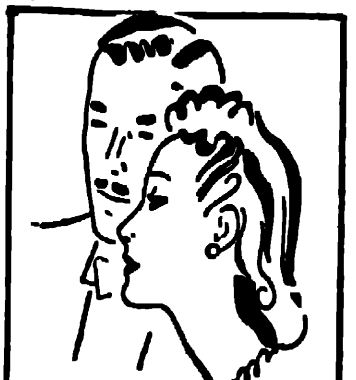
بارش انہیں پریشان نہیں کرتی اور وہ موسلا دھار بارش میں بھی اپنی فضائی پیشقدمی جاری رکھتی ہیں۔ بحر اوقیانوس میں سینکڑوں میل تک انھیں اڑتے دیکھا گیا ہے۔ نیوزی لینڈ کے سائنسدان ان تیتریوں کو ہلاک کرنے کی کوشش میں ہیں۔ انھوں نے ایسے جراثیم دریافت کئے ہیں جو ان دشمنوں کے لئے مہلک ثابت ہوگئے برطانیہ اس جنگ میں بھی آسٹریلیا کا اتحادی ہے

بچوں کی حس ذائقہ تین گنا زیادہ

زبان پر بعض چھوٹے چھوٹے نکات ایسے ہیں جن کا تعلق خاص اعصاب کے ذریعہ براہ راست دماغ سے ہے۔ جب ہم کھاتے پیتے ہیں تو یہ اعصاب، ذائقہ کی خبر دماغ کو دیتے رہتے ہیں۔ بچے کی زبان پر ایسے تین سو نکات ہوتے ہیں۔ اور جوں جوں اس کی عمر بڑھتی ہے۔ ان میں سے اکثر کی قوت احساس کم ہوتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بیس برس کی عمر میں صرف ایک سو نکات ذائقہ کا پتہ دیتے ہیں۔ چونکہ بچے میں ذائقہ کی حس ایک بالغ کی نسبت تین گنا زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے وہ مٹھائی اور پھلوں کی طرف خاص طور پر راغب ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بچے بہت سی ادویات کی خوشبو یا ذائقہ ناپسند کرتے ہیں۔

دشمن مچھلیاں دے گیا

حال ہی میں جب ایک جرمن طیارے نے انگلستان کی ایک جنوبی مشرقی بندرگاہ پر بم پھینکا تو سینکڑوں مچھلیاں گھبرا کر تین جہازوں کے تختہ پر چڑھ آئیں۔ ایک جہاز کے ملاحوں کو تو اتنی مچھلیاں مل گئیں کہ وہ دو روز تک مچھلیاں ہی کھاتے رہے۔ انگلستان میں مچھلیوں کا فقدان ہے۔ اس لئے اسے "فضل الٰہی" پر محمول کیا گیا تھا۔ اور برطانیہ نے ریڈیو پر یہ خبر سنانے ہوئے کہا "اس تحفہ کے لئے ہم حملہ آوروں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔"









دلچسپ
لطائف وظرائف

ایک نوجوان نے جب ایک دوشیزہ سے شادی کی درخواست کی تو وہ لاپروائی سے بولی:۔
"مجھ سے کئی بار شادی کرنے کے لئے کہا جا چکا ہے"
"کس کس نے کہا" نوجوان نے حیرت سے پوچھا۔
"ابا اور امی نے" لڑکی سادگی سے بولی۔

شہری مہمان نے دہقان سے پوچھا۔ "کیا تمہیں ٹیکس تنگ نہیں کرتے؟"
"پہلے کرتے تھے اب نہیں" دہقان نے جواب دیا۔
مہمان بولا "شاید تم نے اپنے دروازہ پر نوٹس لگا دیا ہوگا کہ تنگ نہ کرو؟"
"جی نہیں۔ میں نے لکھ دیا کہ مجھے محنتی کام کرنے والوں کی ضرورت ہے"

ایک شخص اپنی بغل میں پچاس سیر کا ایک بم دبائے ٹرام میں جا بیٹھا۔
کنڈکٹر نے پوچھا۔ "تمہارے پاس یہ کیا ہے؟"
وہ بولا "یہ دیر سے پھٹنے والا بم ہے۔ میں اسے تھانے میں لے جا رہا ہوں"
"توبہ! ارے بھیا۔ تم ایسی خطرناک چیز کو اٹھائے پھرتے ہو۔ بنچ کے نیچے کیوں نہیں رکھ دیتے۔" کنڈکٹر نے جواب دیا۔

حامد اور حمیدہ کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی انھوں نے یتیم خانے سے ایک بچہ لا کر اسے گود لینے کا فیصلہ کیا۔
یتیم خانہ کے منتظمین ایک چھوٹی سی لڑکی کو ان کے سامنے لائے حمیدہ اس کے متعلق بات چیت کر رہی تھی کہ حامد نے اپنا منہ اس کے کان کے پاس لے جا کر کہا۔ "ہمیں کسی لڑکے کو گود لینا چاہیے۔ کیا تم بھول گئیں کہ اس روز مجھے کپتان کی کاکروٹ گاڑی میں پڑا مل گیا تھا؟"

نادرہ کو کھڑکی کا شیشہ ٹوٹنے کی آواز سنائی دی اور ایک گیند باورچی خانہ میں آگری۔ وہ جلدی سے کھڑکی میں گئی لیکن سڑک پر کوئی نہ تھا
نصف گھنٹہ بعد ایک چھوٹے لڑکے نے دروازے پر دستک دی اور کہا۔ "ابا کھڑکی کے شیشے کی مرمت کرنے آرہے ہیں"
اس نے اٹھ کر دیکھا کہ ایک شخص شیشے کا ٹکڑا ہاتھ میں لئے دروازہ پر کھڑا ہے۔ اس نے لڑکے کی دیانتداری کی تعریف کی اور گیند اسے واپس دیدی۔
کھڑکی کا شیشہ درست ہونے میں دیر نہ لگی۔ مرمت ختم کرچکنے پر وہ شخص بولا۔ "محترمہ! چار آنے دیدیجئے"
"کیا کہا؟" نادرہ حیران ہو کر بولی۔ "کیا یہ لڑکا تمہارا بیٹا نہیں تھا؟"
مرمت کرنے والے کاریگر نے کہا۔ "لاحول ولا قوۃ بیگم۔ کیا آپ اس کی ماں نہیں؟"

فلم ساز نے غصے سے اپنا پاؤں زمین پر دے مارا اور اپنے دونوں ہاتھ ادھر ادھر گھمانے لگا۔ پھر اس نے اپنی نگاہیں حسین ایکٹرس کے چہرے پر جما کر پوچھا "لیکن یہ بھی تو معلوم ہو کہ تمہیں یہ کردار کیوں پسند نہیں؟"
"کیونکہ مجھے پسند نہیں اس لئے کہ بار بار کیسے احمق سے واسطہ پڑا ہے" ایکٹرس بولی
فلم ساز نے کہا۔ "مجھے احمق مت کہو کیا تم چاہتی ہو کہ سب تمہیں ایسا کہتے سن لیں"
ایکٹرس نے شیریں لہجہ میں جواب دیا۔ "اوہ معاف کرنا مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ ایک راز ہے"

لطیف اپنی ماں کے پاس گیا اور بولا: "امی! تم نے کہا تھا کہ ننھے نے تمہاری آنکھیں اور ابا کی ناک لے لی ہے"
"ہاں۔ ہاں" ماں نے جو تاش کھیل رہی تھیں پتا پھینکتے ہوئے کہا۔ "اب بھاگ جاؤ"
"لیکن تمہیں ننھے پر نظر رکھنی چاہیے۔ امی جان!" لطیف کہنے لگا۔ "اس نے دادا جان کے دانت بھی لے لئے ہیں"

بیوی نے کتاب ہاتھ سے رکھ دی اور تشکر کی نگاہوں سے شوہر کی طرف دیکھنے لگی۔
"پیارے! کیا تم بتا سکتے ہو کہ سنہ ۱۹۱۲ء میں تم کہاں تھے؟" اس نے پوچھا۔
شوہر نے سر ہلا کر نفی میں جواب دیا اور کہا۔ "لیکن تم یہ سوال کیوں پوچھتی ہو؟"
بیوی بولی۔ "مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے۔ میں نے ابھی ابھی کتاب میں پڑھا ہے۔ کہ سنہ ۱۹۱۲ء میں ہندوستان کے ہر آٹھ سو آدمیوں میں سے ایک مجنون تھا"

بیوی میکے گئی تھی وہاں سے واپس آکر شوہر سے کہنے لگی۔
"اس روز تمہیں کیا ہو گیا تھا؟"
"کس روز؟" شوہر نے پوچھا
"جب مجھے گاڑی پر سوار کرانے گئے تھے تم نے مجھے خدا حافظ بھی نہ کہا۔"
"اوہ! میں ڈرتا تھا کہ کہیں تم اس کا مطلب یہ نہ سمجھ لو کہ میں تمہیں طلاق دینے کا ارادہ رکھتا ہوں"

صنفِ نازک

عورتوں میں خودداری کا فقدان

سماج میں شادی کے مختلف طریقے مروج ہوتے چلے آتے ہیں۔ ہر نمبر سمجھتے ہیں۔ ایک ناگفتہ ادائی کی نقشبک کی جاتی تھی۔ بیاہ کی وہ شکل بہتر سامنے آئی جس میں والدین اپنی بیٹی کو کسی قابل لڑکے کے پلے میں باندھ دیتے ہیں۔ اس طریقہ میں بھی اب کچھ تبدیلی ہوگئی ہے۔ لڑکے اور لڑکی کو ایک دوسرے کی تصویر دکھا دی جاتی ہے اگر ممکن ہو تو ایک دوسرے کے سامنے بھی کھڑے کر دیا جاتا ہے۔ جہاں زیادہ حریت درکار مطلوب ہو وہاں دو چار باتیں کرنے کی اجازت بھی مل جاتی ہے۔ لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ سب باتیں ہوتے ہوئے بھی شادی کے متعلق والدین کا نظریہ سر مو تبدیل نہیں ہوا اس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ ہمارے گھروں میں نت نئے دن جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ اور ازدواجی زندگی دوزخ کی جلتی ہوئی بھٹی میں تبدیل ہوگئی ہے

بات یہ ہے کہ نسوانی زندگی کے معیار کے متعلق سماج کا نظریہ ناقص ہے۔ وہ یہ بھول گیا ہے۔ کہ اچھی خوراک۔ بھڑکیلے کپڑے بیش قیمت زیور اور فلک بوس عمارتیں ہی نسوانی زندگی کا معیار نہیں ہیں۔ مانگ میں سیندور بھر کر چلنے والی ہر عورت مطمئن ہے۔ اسے نسوانی آرزوؤں کی تکمیل کے لئے ان کے سوائے کسی شے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات موجودہ زمانہ میں قطعی طور پر نہیں کہی جا سکتی۔

دنیا میں باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے انہیں اپنے شوہر کی ہستی — اس کے اوصاف و نقائص ... سے ایک طرح کا سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ سمجھوتہ بجائے خود کوئی بری چیز نہیں صرف ازدواجی زندگی ہی نہیں بلکہ زندگی کا ہر دیگر شعبہ بھی سمجھوتہ ہی کے سہارے چلتا ہے۔ اگر بنی نوع انسان میں سمجھوتہ کی خواہش اور اس کی ضرورت نہ ہوتی تو دنیا چند لمحوں کے اندر اندر ختم ہو جاتی۔ لیکن کہیں کہیں سمجھوتہ ناممکن بھی ہو جاتا ہے۔

ازدواجی زندگی میں عورت بھی سمجھوتہ کرتی ہے۔ لیکن قدرتی طور پر وہ یہی چاہتی ہے کہ دوسرا فریق بھی اس سمجھوتہ کا پابند رہے۔ وہ خود جذباتی اور محبت کرنے والی ہونے کے باعث شوہر میں ایسے ہی اوصاف ڈھونڈھتی ہے۔

وہ اپنا سب کچھ شوہر کے قدموں میں رکھ دیتی ہے اور اس کے عوض مانگتی ہے تھوڑا سا سکون واطمینان اور محبت۔ جھگڑا وہیں ہوتا ہے جہاں مرد تنا بھی نہیں دے سکتا۔ یا نہیں دینا چاہتا

شوہر پرستی عورت کا فرض ہے۔ لیکن دنیا میں ایسی مثالوں کی بھی کمی نہیں جبکہ ایک مرد نے بھی ایک ہی عورت کی محبت پر قناعت کی ہو اس میں شک نہیں کہ بظاہر عورت گھر کی مالکہ ہے اور مرد پر حکومت کرتی دکھائی دیتی ہے۔ لیکن اس ڈرامہ کے پیچھے مرد کا جو بنیادی اقتدار چھپا ہے اس سے عورت کا دل ناواقف نہیں۔ بیشتر گھروں میں عورت مرد کی محبت حاصل کر لیتی ہے۔ لیکن دراصل ان کا تعلق شوہر اور بیوی کا نہیں بلکہ آقا اور غلام کا تعلق ہوتا ہے

ایک رحمدل آقا اپنے ملازم کو اچھی تنخواہ دیتا ہے پہننے کے لئے کپڑے اور رہنے کے لئے مکان دیتا ہے۔ لیکن اتنی آسائش بہم پہنچانے کے بعد بھی وہ اپنے اس احساس پر غالب نہیں آسکتا کہ یہ میرا نوکر ہے اور میں اس کا آقا۔ شوہر اس سے بھی زیادہ آسائشیں بیوی کو بہم پہنچاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی مانگ کی آرزو یا اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لئے اس کا دامن گوہر مراد



[redacted]



سے مجبور ہوتا ہے۔ لیکن جب اس کے دل میں یہ احساس زور پکڑتا ہے کہ یہ میری بیوی ہے تو وہ اس کی قسمت کا مالک بن بیٹھتا ہے۔ ایک مٹی کے کھلونے کی طرح اسے سجا کر رکھتا ہے یا غصہ آنے پر توڑ ڈالتا ہے۔ اسی وقت ازدواجی زندگی کی شیرینی، دلکشی اور خوبصورتی ختم ہو جاتی ہے۔

یہی وہ موقع ہے جب عورت بغاوت کرتی ہے۔ لیکن اس کی بغاوت کا واحد طریقہ ہے سنسان راتوں میں بستر کو آنسوؤں سے تر کر دینا۔ آہستہ آہستہ وہ خودکشی کے راستہ پر گامزن ہوتی ہے۔ اور جلد یا بدیر اس کی زندگی کا چراغ بجھ جاتا ہے۔ اپنی مرضی سے یا زبردستی شوہر پرستی کا مقدس فرض عورت کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں صرف ایک بیوی کی محبت کا خیال مرد کو قطعی نہیں۔ تہذیب نے بہت سے مراحل طے کر لئے ہیں۔ لیکن مرد کی حیثیت ابھی تک ایک بھنورے کی سی ہے۔ عورت کے لئے مصیبت یہ ہے کہ وہ اس پھول پھول پر اڑنے والے بھنورے کی طرح تیتری نہیں بن سکتی۔ پھر بھی اسے گھر کی چار دیواری میں ستّ پردوں کے اندر رکھنے کی ہمت کسی میں نہیں۔ اس لئے یہ مسئلہ ہمارے سماج کو پریشان کر رہا ہے۔

مرد اگر عورت کو اس مسئلہ کا کوئی حل بتانا چاہتا ہے تو یہ اس کی غلطی ہے۔ وہ اپنی مشکلات کو خود سمجھتی ہے۔ مگر وہ راہ کو راہ بنانا آسان ہے لیکن مگر پھر اس کا نقشہ کھینچ کر کسی راستہ پر چلایا نہیں جا سکتا۔ چلنا اس کا اپنا کام ہے۔ (اجمالی)

ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور نے ایک مرتبہ کہا تھا:-

"عورتوں کی عزت خود عورتوں میں نہیں۔ وہ نہیں جانتیں کہ اسی وجہ سے گھروں میں ان کی توہین ہوتی ہے۔ یعنی روشنی وہ خود ہی بجھا بیٹھی ہیں۔"

ٹیگور کے ان الفاظ میں ایک تلخ حقیقت پوشیدہ ہے جس دن وہ پیٹ کے لئے روٹی، تن کے لئے کپڑا اور عورت زندگی گزارنے کے لئے رہائش کا انتظام خود کر سکیں گی اسی دن ان کے مصائب کا خاتمہ ہو گا۔ اس وقت وہ کسی اور قوم کا بھی مطالعہ کریں گی۔ کسی کو مالک بنا لینا اور اس کے رحم پر زندگی بسر کرنا اپنی ہستی کو برباد کرنے کے مترادف ہے۔ شوہر کو حاکم یا سر پر چڑھانا کچھ ایسا قابل تحسین فعل ہے لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ ملک میں وہ باعزت اور معزز درجہ حاصل کر سکیں۔

خواہ شادی سوئمبر کے ذریعہ ہو یا وہ خود اپنا شوہر تلاش کریں یا والدین ان کے لئے یہ فرض انجام دیں۔ لیکن عورتوں کو اس قابل ہونا چاہئے کہ گھر میں ان کی حیثیت رانی کی ہو۔ گھر کی رانی بننے کے لئے عزت کے ساتھ ساتھ خودداری اور اونچی ہستی کا مالک ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر عورتوں میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو کوئی انہیں مسل کر پھینک نہ سکے گا بلکہ گھر کے پھول کی مانند شگفتہ نظر آئیں گی۔

اختراع و ایجادات

روشنی کا طوفان

بڑے بڑے برقی قمقموں کے ذریعے مکانوں اور دکانوں پر روشنی ڈالنے کا رواج ہندوستان میں بھی ہے۔ لیکن اب یورپ میں ایک نئی قسم کی روشنی ایجاد ہوئی ہے جس سے رات کو سڑکوں پر بھی دن کی سی روشنی نظر آئے گی اور موٹروں وغیرہ حادثات کا خطرہ کم ہو جائے گا۔ یہ روشنی اس سے اوسطاً کم ہو گی جتنی کہ آج کل عام طور معمولی طاقت کے برقی قمقمے دیتے ہیں۔

جنگ سے پہلے یہ انتظام کیا گیا تھا کہ لندن کے گھنٹہ گھر، ویسٹ منسٹر گرجا اور دیگر اہم عمارتوں کو اس روشنی سے منور کیا جائے۔ لیکن جنگ کی وجہ سے یہ تجویز ترک کر دی گئی۔ بہرحال بہت سے باغات میں اس روشنی کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ اور وہاں دن اور رات میں بہت کم فرق معلوم ہوتا ہے۔ روشنی دھوپ کی مانند سفید رنگ کی ہے۔

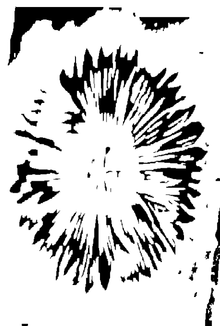
طیاروں کی آمد کی خبر دینے والی شعاع

برطانیہ کے ایک سائنس دان مسٹر واٹسن واٹ نے ایک نئی قسم کی ریڈیو شعاعیں ایجاد کی ہیں جو دشمن کے کسی طیارے کی آمد سے بہت پہلے اپنے موجد کو بتا دیتی ہیں کہ دشمن حملہ کرنے کے لئے اپنے اڈے سے روانہ ہو گیا ہے۔ یہ شعاعیں چوبیس گھنٹے کی پہرے دار ہیں۔ یہ شعاعیں کیسے کام کرتی ہیں۔ یہ راز ابھی تک موجد کے سینہ میں محفوظ ہے۔

کہر، دھند یا برف ان شعاعوں کے راستہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی ٹھوس چیز ان شعاعوں کے راستے میں آ جائے تو اس کا عکس فوراً لیبارٹری میں پڑتا ہے۔ اور اسی وقت معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی اپنا یا دشمن کا جہاز سمندر یا فضا میں آ رہا ہے۔

WANTED candidates to qualify as Sub-Engineers; Overseers by post. Our successful students hold lucrative posts all over India Burma and Ceylon. For free illustrated prospectus apply to the Principal :

British India Technical College (B.B.), Sukkur (Sind)



DIANTHUS
MEANS
Make Haste

Why lose a single day in bringing to your garden enchanting colour, the most glorious blooms, flowers and vegetables of magnificence! Pochas pedigreed seeds and bulbs will give all these and much more.

Lose no time in getting Pochas Free catalogue.

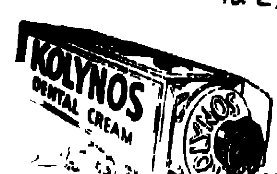
Pestonjee P. Pochas & Sons
Seed Merchants
8, Napier Road, Poona

امپائر ہوٹل اجمیر

جب آپ اجمیر تشریف لائیں تو امپائر ہوٹل
کو ضرور یاد رکھیں۔ جہاں آپ گھر کا سا آرام
محسوس کریں گے۔ لذیذ کھانے اور آرام دہ مکان
اس کا طرۂ امتیاز ہیں۔ ایک بار کا قیام آپ کو ہمیشہ
اسی ہوٹل میں ٹھیرنے پر مجبور کریگا۔
(منیجر)

آپ کے خاندان کے افراد کے
دانتوں کی حفاظت کا
ایک کفایت شعارانہ طریقہ





KOLYNOS
the economical
DENTAL CREAM

Good Whisky—

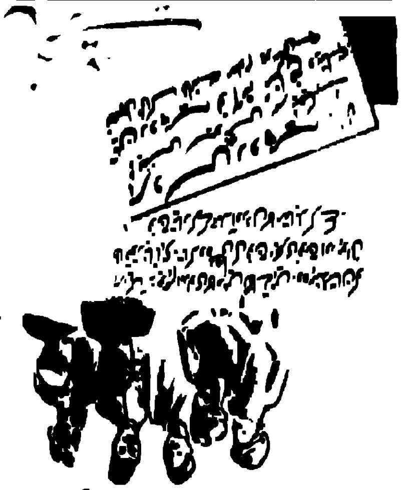


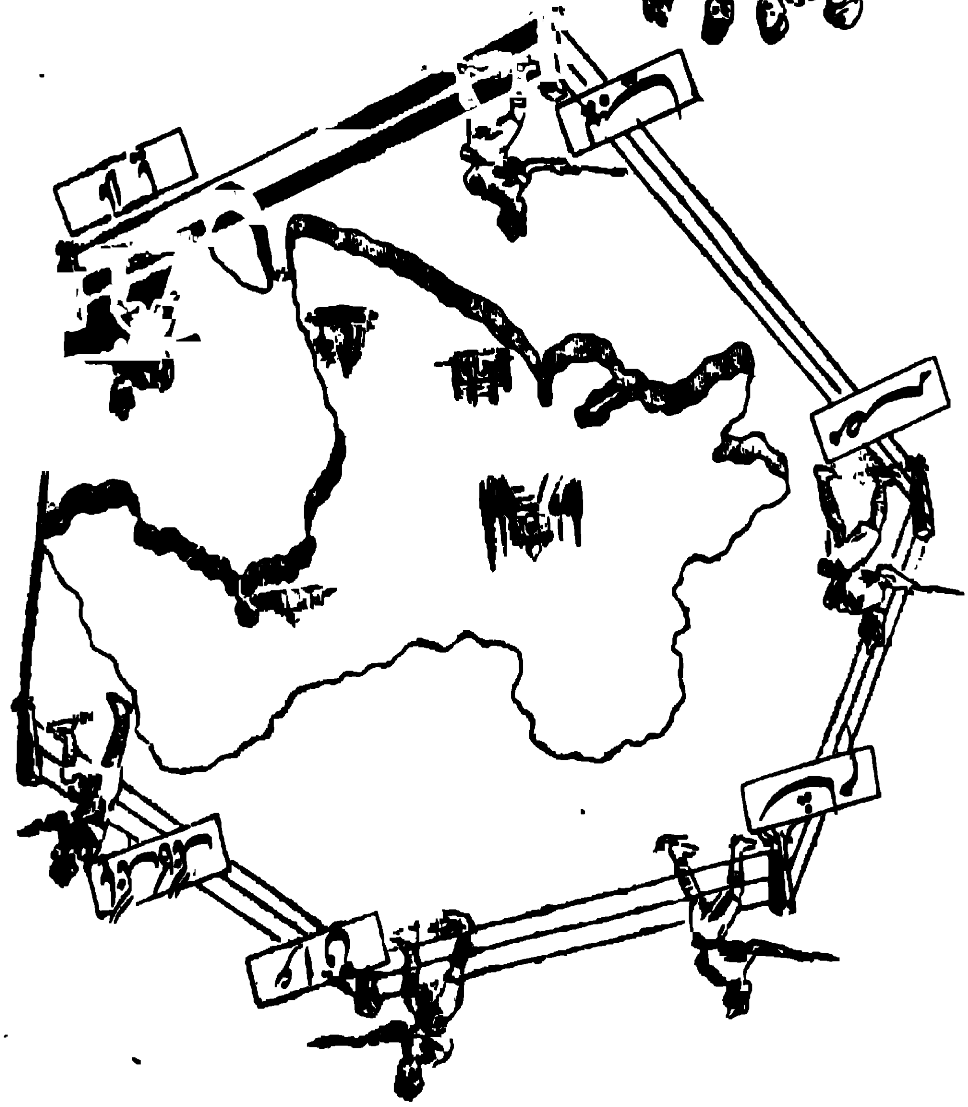
JOHNNIE
W._LKER

Born 1820—still going strong

Sole Agents for India and Ceylon: CUTLER PALMER & CO
BOMBAY · CALCUTTA · COLOMBO · LAHORE · MADRAS

BEWARE OF IMMITATION
BUY ADVERTISED GOODS







میں لوار دہے۔
"غریب" اور روشنی کو اینٹ کیا جارہا ہے۔ مسر ڈیڑھ برس کے بعد "غریب" میں آیا ہے۔ اور اس کے ساتھ روز کام کرتی ہے۔ اس تصویر میں متوسط جماعت کے نوجوان کی جد وجہد اور تعلیم یافتہ طبقہ کی بیداری کے مسئلہ کا حل تلاش

کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ نئی روشنی میں مس لقا ہمت اور عین کانت کا مدیا نے بڑی ہوشیاری سے واضح کیا ہے کہ حقیقی محبت کا راستہ پھولوں کی سیج نہیں۔ سردار اختر اور ہرش بھی اس تصویر میں نظر آئیں گے۔
"محبوب کی زندگی" بنانے میں چند روم من اور سیلج مقابلے

سنگ لیا ہے [redacted] کام کی اچھی شہرت اور اختری بائی فیروز بادی کی [redacted] حاصل ہے۔ مس کا فرو نے ہیروئن وانسن سب کے لئے رول موزوں تیار ہو رہی ہے ان میں سے میں کھا کھولے۔ "آلم" میں ڈاکٹر کیلاش ناتھ کا کام متعلق وزیر اعظم ہو۔ اے [redacted] میں فیشو وھرا کا کام۔ اور کرشن کانت

شیلا، ظہور راجہ۔ لالہ یعقوب اور کے۔ این سنگھ وغیرہ بھی اپنی اپنی جگہ خوب ہیں۔ سکندر، ۱۶ اکتوبر سے دہلی میں منروا ٹاکیز کشمیری گیٹ اور پلازا نئی دہلی۔ اور ۱۷ اکتوبر سے لاہور میں پلازا اور رٹز میں بیک وقت دکھایا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ لکھنؤ۔ الہ آباد۔ میرٹھ۔ شملہ۔ امرتسر اور پشاور وغیرہ میں بھی اسی تاریخ سے اس کی نمائش جاری ہے۔

"مشرق! ہوشیار!!"

اس ہفتہ میں اوڈین سینما میں "مشرق! ہوشیار!!" نامی تصویر کی نمائش ہوگی جس میں دکھایا ہے کہ مشرق بر اعظم کی مدافعت کے لئے کیا کیا فوجی و دیگر انتظامات کئے گئے ہیں۔

شالیمار کی ایک رات"

شالیمار پکچرز کی تازہ تصویر "ایک رات" ماہ دسمبر تک مکمل ہو جائے گی۔ اس وقت ڈائریکٹر احمد شاہ روز تصویر کشی میں مصروف ہیں۔ ڈائریکٹر ڈبلیو۔ زیڈ احمد نے بتایا کہ انہوں نے ہیروئن کے کردار کے لئے ایک نوارد اداکارہ "مینا" کو منتخب کیا ہے۔ جو اپنی پہلی تصویر میں ہی کامیابی کا بہترین ثبوت پیش کرے گی۔
نینا کے ساتھ ہیرو کا کردار پرتھوی راج ادا کر رہے ہیں اس کے اداکار مبارک، گلاب، فیروزہ، راجکماری، یوسف سلیمان، کے۔ این سنگھ وغیرہ بھی اس تصویر میں کام کرتے ہیں۔ ڈائریکٹر احمد جو اس تصویر کو تیار کر رہے ہیں۔ ہمارے ملک کے فلم ڈائریکٹروں میں سب سے کم عمر ہیں لیکن تصویر صنعت میں کام کرتے ہوئے انہوں نے وسیع تجربہ حاصل کر لیا ہے۔ موسیقی کے نگران ایس۔ کے پال ہیں

"نیشنل کی کسوٹی اور "روشنی"

جنگ کے باوجود نیشنل پکچرز کی رفتار تصویر سازی میں کوئی فرق نہ آیا۔ مسٹر فضل بھائی ڈائریکٹر انچارج اور مسٹر محبوب صدر شعبہ فلم سازی کی ساعی سے اس کی دو تصاویر نمائش کے لئے تیار ہیں۔ دو ایڈیٹنگ روم میں، اور چار تیار ہو رہی ہیں "کسوٹی" جس میں ڈائریکٹر رامچندر ٹھاکر کے زیر نگرانی روز اور ہر طاوس نے کام کیا ہے۔ وسط اکتوبر سے بمبئی میں دکھائی لگی ہے۔ ویر مندر تیساتی کا "روشنی" مکمل ہو چکا ہے اس میں نمی مست اور مکیش کام کرتے ہیں۔ مکیش تصویری سیلن

دی مغل لائن لمیٹڈ

حج کو جانیوالوں کی خدمات کیلئے

رائیل نیوی (برطانیہ کے شاہی بیڑہ)۔ رائیل انڈین نیوی (ہندوستان کے شاہی بیڑہ)۔ اور رائیل ایرفورس (شاہی فضائی بیڑہ) کی حفاظت میں گزشتہ سال حاجیوں نے اطمینان اور حفاظت کے ساتھ حج کے فرائض انجام دیئے اور مغل لائن فخر سے اعلان کرتی ہے کہ اس نے گورنمنٹ ہند کے مشورہ سے حاجیوں کو لیجانیوالے جہازوں کی روانگی کا پروگرام مرتب کر لیا ہے اور وہ حسب معمول حاجیوں کیلئے بہترین جگہ اور آسائش بہم پہنچائیگی۔

حالات جنگ کے پیش نظر جہازوں کی روانگی کی اصل تاریخیں اور جہازوں کے نام مشتہر نہیں کئے جا سکتے۔ لیکن حج کو جانیوالے زائرین جو بمبئی یا کراچی سے جہاز میں سوار ہونا چاہیں وہ جلد سے جلد ۱۰ نومبر تک ان بندرگاہوں پر پہنچ جائیں۔ ان کو ان بندرگاہوں پر زیادہ سے زیادہ پانچ روز منتظر رہنا پڑے گا۔ اسلئے وہ اس عرصہ کے لئے اپنے سامان خورد و نوش و رہائش کے اخراجات کا زائد انتظام کر لیں۔ اسکے بعد قریباً ہفتہ کے وقفہ سے جہاز روانہ ہوتے رہینگے۔ شرح کا اعلان عنقریب کیا جائے گا۔ ——— مزید تفصیلات کیلئے ذیل کے پتہ پر لکھئے:۔

ٹرنر مارسین اینڈ کمپنی لمیٹڈ

۱۶۔ بنک سٹریٹ بمبئی

ہنسی اور مذاق کا شہنشاہ

چارلی

اپنی فوج کے آزمودہ جرنیلوں اور فوج
کے ساتھ دہلی میں مقیم ہنسی اور
خوشی کے دشمنوں کا قلع قمع
کرنے کے لئے حملہ آور ہو رہا ہے

رنجیت - کا ایک مذاحیہ شاہکار

ڈھنڈورا

میں ملاحظہ فرمایئے

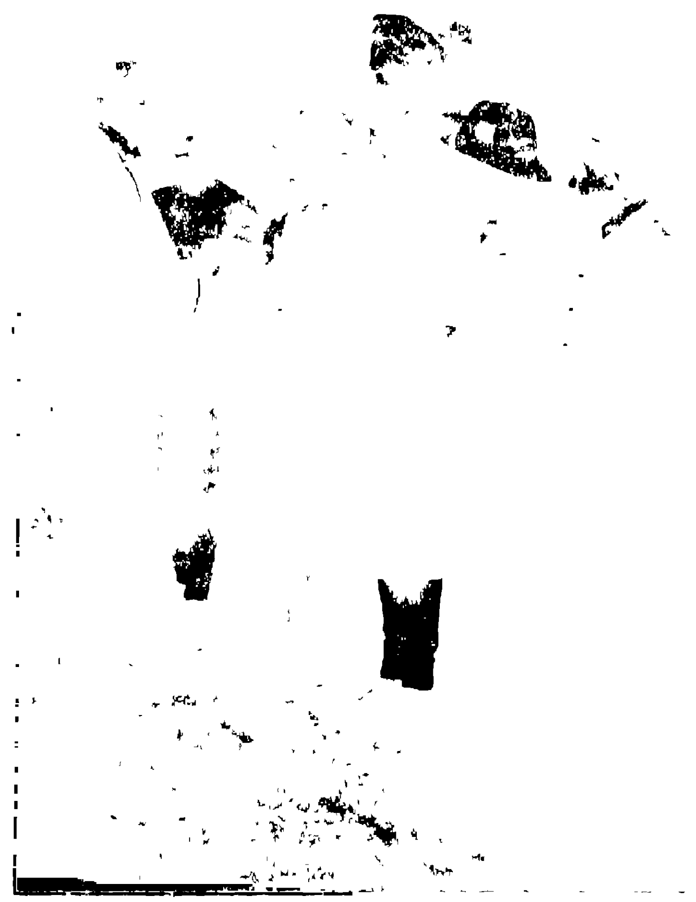
جو جمعہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۱ء سے

جگت میں دکھایا جا رہا ہے - اور شہرت اس قدر [illegible] ہوتی ہے کہ سینما ہال میں تل دھرنے کو جگہ نہیں ہے

اداکار: شیخ - حسن بانو - دکشت - ای بلیموریا - غوری - بیبی - تیمور وغیرہ

ڈائرکٹر: چارلی

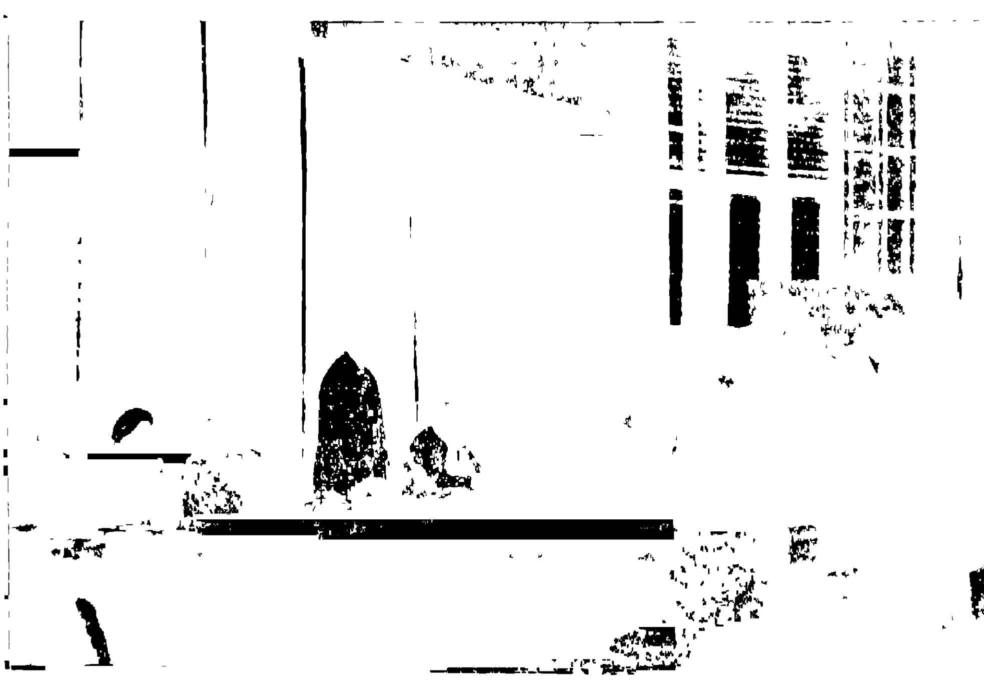
رنجیت کا یہ دعویٰ ہے کہ اس قدر زبردست کاسٹ اس سے پیشتر کسی فلم میں پیش نہیں کی گئی



شملہ میں نیشنل ڈیفنس کونسل کے اجلاس کے موقع پر ہز ایکسی لنسی وائسرائے ہند کونسل کے ممبر مہاراجگان سے مصافحہ کر رہے ہیں



مدراس مووی ٹون کے "سکندر" کا ایک سین

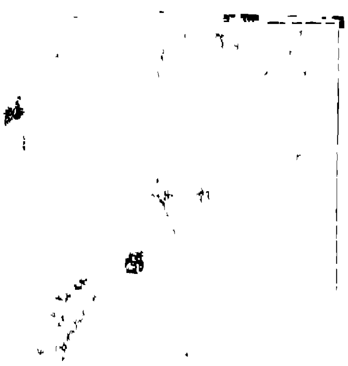


قیمتوں پر کنٹرول کی کانفرنس جو سر راما سوامی مدالیار کی زیر صدارت نئی دہلی میں منعقد ہوئی



مسٹر آر - ڈبلیو - ٹارجٹ ڈپٹی ڈائرکٹر سوائی موتی ملز بیگم آباد میں

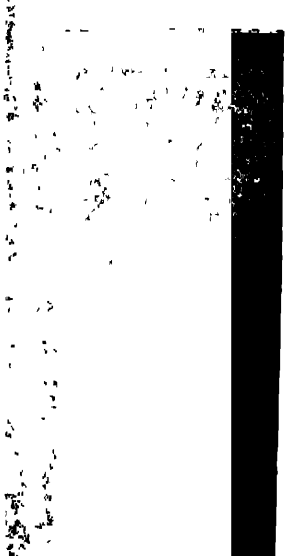
مس سیتا مرچندانی بار ایٹ لا

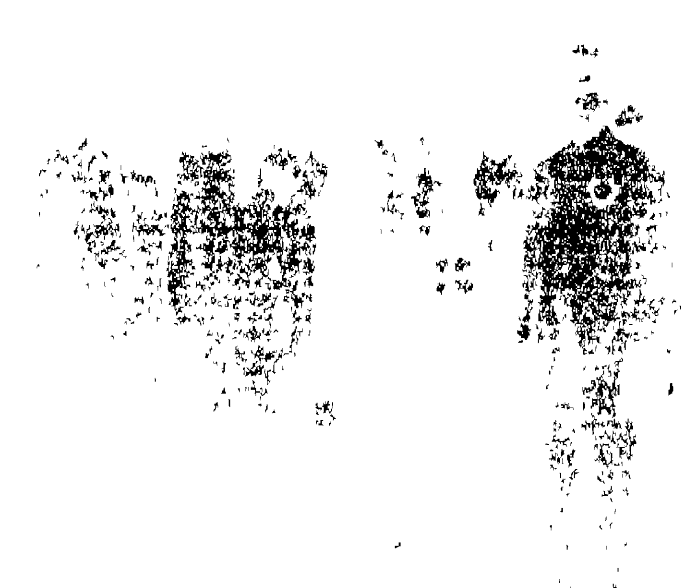




سندھ کی بار ایسوسی ایشن کے انتخابات
میں آپکو سب سے زیادہ ووٹ ملے

چوہدری [illegible] سابق وزیر اعظم [illegible]
جو اس ہفتہ جیل سے رہا ہوئے





مسٹر یونس سابق وزیراعظم بہار نیشنل ڈیموکریٹک کانفرنس بمبئی کے موقع پر



Illustrated Weekly

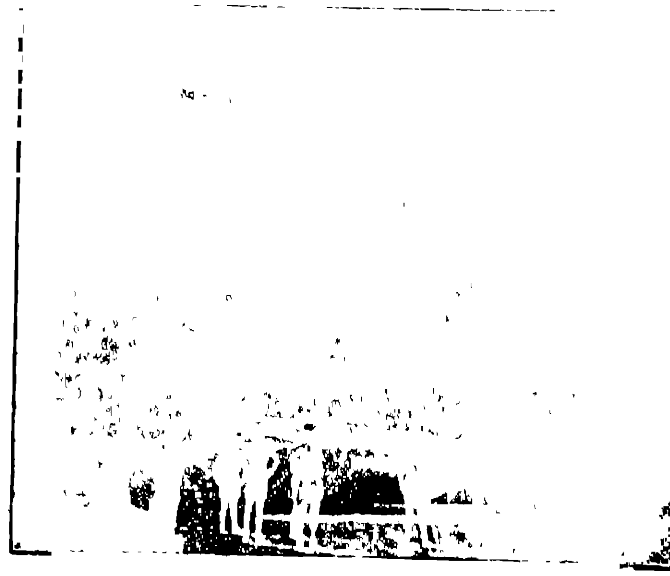
DELHI (in 10.)

Bombay — PRICE — *Calcutta*

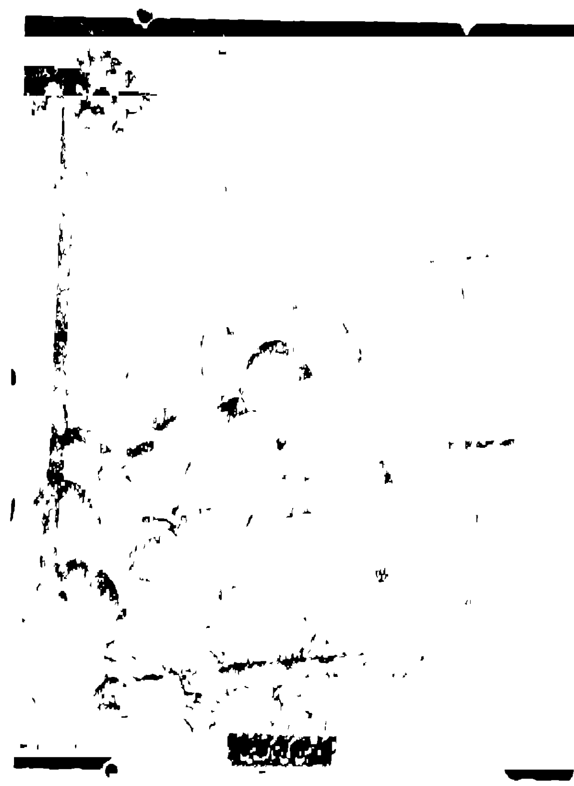
OFFICE
YUSUF BUILDING
...ATE ST

OFFICE
1. WATERLOO ST
P.O.BOX 208

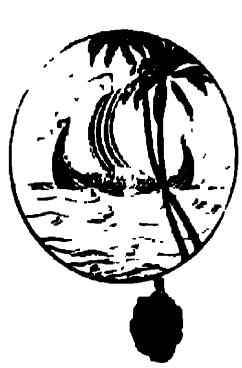




برطانوی ہوائی جہاز مغربی صحرا میں









ہندوستان کا بہترین باتصویر اُردو ہفتہ وار

جلد ۳۱ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۱ء

قیمت سالانہ چار روپے — فی پرچہ ایک آنہ

BOMBAY OFFICE
YUSUF BUILDING
CHURCHGATE ST

CALCUTTA OFFICE
1 WATERLOO ST
P.O. BOX 2081

مسٹر جے پرکاش نرائن کے خطوط

حکومت ہند کی افسوسناک روش

مسٹر جے پرکاش کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جائے

گزشتہ ہفتہ حکومت ہند نے چند خطوط شائع کئے ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ مسٹر جے پرکاش نرائن جنرل سیکرٹری کانگرس سوشلسٹ پارٹی نے دیولی کیمپ سے اپنی بیوی کو پوشیدہ طور پر بھیجنے کی کوشش کی تھی لیکن ان کی بیوی تک پہنچنے کے بجائے حکومت کے ہاتھ آگئے۔ مسٹر جے پرکاش نرائن ایک ذمہ دار سوشلسٹ لیڈر ہیں جو ان دنوں دیولی کیمپ میں نظربند ہیں، آپ نہایت سختی سے مہاتما گاندھی کے عقیدہ عدم تشدد پر کاربند ہیں، اور ان کی بیوی جنہوں نے بچپن سے مہاتما گاندھی کی آغوش شفقت میں تربیت پائی جو مہاتما جی کے الفاظ میں ان کی بچی چکی ہیں۔ لیکن جو خطوط حکومت نے مسٹر جے پرکاش نرائن کے نام سے شائع کئے ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کانگرس کیمپ میں شامل ہونے کے باوجود مسٹر جے پرکاش نرائن کا عدم تشدد پر ذرہ برابر بھی اعتقاد نہیں بلکہ وہ "اہنسا" کے زبانی حامی بن کر کانگرس اور مہاتما گاندھی کو دھوکا دیتے رہے۔ وہ اپنے دوستوں کو اپنی بیوی کے ذریعہ سے مشورہ دیتے ہیں کہ وہ روپوش ہو کر ایک خفیہ انقلاب پسند جماعت بنائیں۔ ڈاکے ڈال کر سیاسی مقاصد کے لئے روپیہ فراہم کیا جائے۔ نیز یہ کہ مسٹر جے پرکاش نرائن کو کمیونسٹوں سے شدید اختلافات ہیں۔ جنہیں وہ ظاہر کرنے کے بجائے کمیونسٹ پارٹی کے نے بنی تھم نہ بلنا چاہتے ہیں اور صرف کمیونسٹ پارٹی ہی نہیں بلکہ وہ ہندوستان کی ہر سیاسی پارٹی کے پوشیدہ دشمن ہیں۔ ان خطوط کی روشنی میں مسٹر جے پرکاش نرائن کے خیالات کا کسی نہ کسی حد تک اندازہ حسب ذیل الفاظ سے کیا جا سکتا ہے جو ان سے منسوب کئے گئے ہیں:-

"کام کرنے کے لئے ہماری جماعت کا نام تو قانونی ہی رہنا چاہئے۔ یعنی کانگرس سوشلسٹ پارٹی لیکن اس کا ایک خفیہ شعبہ ہو جو غیر قانونی طریقہ پر کام کرے۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے اگر ہم کمیونسٹ پارٹی پر فتح حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں غیر قانونی جماعت اور غیر قانونی سرگرمیوں کی ضرورت ہوگی۔ میری تجویز ہے کہ بنگال کی انقلاب پسند پارٹی سے بہت گہرے دوستانہ تعلقات [illegible] قائم کئے جائیں۔"

ان خطوط کی اشاعت سے ہمیں [illegible] کو سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کانگرس سوشلسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری مسٹر جے پرکاش نرائن کو کانگرس کی نگاہ میں بھی بدنام کیا جائے اور ہندوستان کی دوسری سیاسی جماعتوں کی نگاہ میں بھی۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ حکومت اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے گی۔ ایک ایسا شخص جو قیدخانہ میں بند اور جواب دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اس کے نام سے چند خطوط اس کے علم و اطلاع کے بغیر شائع کر دینا یقیناً اخلاق و شرافت کے خلاف ہے۔ اگر وہ خطوط درحقیقت مسٹر جے پرکاش نرائن کے تھے تو کیا حکومت کا فرض نہ تھا کہ انہیں وہ خطوط دکھا کر ان سے جواب طلب کرتی۔ اور اگر اسے وہ خطوط شائع کرنا ہی تھے تو مسٹر جے پرکاش نرائن کا جواب بھی ساتھ ہی شائع کرتی؟ بجائے اس کے کہ خطوط کی اشاعت عمل میں لائی جاتی حکومت کے لئے صحیح طریقہ کار یہ تھا کہ وہ مسٹر جے پرکاش نرائن پر مقدمہ چلا کر انہیں اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیتی۔ اب بھی وقت ہے کہ حکومت مسٹر جے پرکاش نرائن کو اپنی بریت میں بیان شائع کرنے کی اجازت دے۔

اگر حکومت اس قدر فراخ دلی کے لئے تیار نہیں ہے کہ جس طرح اس نے اپنے ٹیکس دہندوں کے روپیہ سے ہندوستان کے طول و عرض بلکہ غیر ممالک میں بھی ان خطوط کی اشاعت کی ہے جو مسٹر جے پرکاش نرائن سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح مسٹر نرائن کا بیان حاصل کر کے اسے بھی پوری پبلسٹی دے۔ اور وہ جلد سے مسٹر جے پرکاش نرائن پر کسی کھلی عدالت میں مقدمہ ہی چلا دے۔ تاکہ تصویر کا دوسرا رخ بھی پبلک کے سامنے آ سکے۔

افغانستان کے سر پر برطانیہ کا دست شفقت

نازی خطرہ کے مقابلہ میں ایران کو اپنے دامن عاطفت میں چھپا لینے کے بعد اب برطانیہ نے کمزور افغانستان کے سر پر بھی اپنا دست شفقت رکھ دیا ہے۔ یہ اطلاعیں تو پہلے سے آ رہی تھیں کہ روس اور برطانیہ کی حکومتیں افغانستان کو جرمن جاسوسوں کے متعلق "دوستانہ مشورے" دے رہی ہیں۔ اب تازہ اطلاع سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت افغانستان نے اپنے قوی اور پڑوسیوں کے "مخلصانہ" مشورات قبول کر لئے۔ اور اٹلی و جرمنی کے ان تمام باشندوں کو جن کا تعلق سفارت خانوں سے نہیں ہے اپنے ملک سے اس بنا پر نکال دیا کہ افغانستان کی غیر جانبداری خطرے میں نہ پڑنے پائے۔

ہم خوش ہیں — اور اگر خوش نہ ہوں تو کریں کیا؟ کہ مغرب میں نہ سہی کم از کم ضعیف و ناتواں مشرق میں تو برطانوی ڈپلومیسی کا پرچم فتح بلند ہو گیا اور کمزور افغانستان کی غیر جانبداری بھی خطرے میں نہ پڑی لیکن اس معاملہ میں یہ بات تو ضرور قابل ذکر ہے کہ افغانستان نے اپنی مجبوریوں کے باوجود ایران سے زیادہ کیرکٹر کا ثبوت دیا۔ اس نے اٹلی اور جرمنی کے سفارتخانے بند نہیں کئے اور ان جرمن باشندوں کو جو افغانستان میں مقیم اور حکومت افغانستان کے ملازم تھے۔ روس یا برطانیہ کے سپرد نہیں کیا۔ بلکہ اس شرط پر انہیں خارج کیا ہے کہ برطانیہ اس بات کی گارنٹی کرے کہ ان جرمن باشندوں کو ہندوستان یا ایران و عراق کے راستے ٹرکی اور جرمنی جانے کی اجازت دی جائیگی۔ علاوہ بریں شاہ افغانستان اپنی نوعمری کے باوجود ایران کے تجربہ کار و معمر شہنشاہ سے زیادہ دوراندیش ثابت ہوئے۔ اور انہوں نے روس و برطانیہ کی قوتوں سے ٹکرا کر دنیا کو یہ کہنے کا موقع نہیں دیا کہ ؎

آنچہ دانا کند کند ناداں
لیک بعد از خرابی بسیار

بلکہ برطانوی ڈیموکریسی کے سایہ میں اپنا تاج و تخت بچا لیا۔

اقلیتوں کی بیزاری سر سکندر منسٹری سے

اس ہفتہ آل پارٹیز سکھ کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ پنجاب اسمبلی کے تمام سکھ ارکان سر سکندر منسٹری کا ساتھ چھوڑ دیں۔ ورکنگ کمیٹی کے اس فیصلہ پر ہم سردست کوئی مفصل تبصرہ کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن تقریباً دو ماہ پیشتر پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں نے متفقہ طور پر جو اینٹی یونینسٹ منسٹری ڈے منایا تھا۔ اس کے بعد اب آل پارٹیز سکھ کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا یہ فیصلہ کہ اسمبلی کے سکھ ارکان من حیث القوم سر سکندر کی حکومت سے عدم تعاون کریں۔ اس بات کا ثبوت ضرور ہے کہ موجودہ حکومت پنجاب کے خلاف اقلیتوں میں کافی بددلی پائی جاتی ہے۔ اور اس کی ہر دلعزیزی روز بروز زائل ہوتی جا رہی ہے۔ علاوہ بریں سکھ کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے فیصلہ کو ایک اور اعتبار سے بھی اہمیت حاصل ہے۔ وہ یہ کہ ہندوؤں کی جانب سے جب کبھی یونینسٹ منسٹری کے خلاف کوئی ایجی ٹیشن شروع کی جاتی تھی۔ تو سر سکندر حیات اور ان کے ترجمان اعظم سر چھوٹو رام ہمیشہ یہی کہہ کر ہندوؤں کی شکایات کو نظرانداز کر دیتے تھے کہ نام حکومت چونکہ اس وقت زمیندار پارٹی کے ہاتھ میں ہے اس لئے زمینداروں کا خون چوسنے والے غیر زراعت پیشہ "بنئے" حکومت کے خلاف [illegible] کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اب پنجاب منسٹری کے خلاف عدم تعاون کا فیصلہ کیا ہے۔ اس جماعت نے جس کی عظیم الشان اکثریت زراعت پیشہ ہے۔ اور اس کے ارکان کو سر چھوٹو رام "لالہ" یا "بنئے" کا خطاب نہیں دے سکتے۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ یونینسٹ منسٹری آل پارٹیز سکھ کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے اس تازہ فیصلہ کی کیا تاویل کرتی ہے۔

واقعات پر خاک ڈالنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہمارے دل میں بعض باتوں کے لئے سر سکندر حیات خاں کی بہت عزت ہے لیکن ہم یہ حق و صداقت کے نام پر کہنے کے لئے مجبور ہیں کہ ان کی منسٹری اقلیتوں کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہی اور اس کی ذمہ داری سر سکندر کی "نیم لیگی" اور "نیم یونینسٹی" پالیسی پر عائد ہوتی ہے ضرورت ہے۔ کہ سر سکندر حیات خاں اپنے لئے ایک واضح لائحہ عمل اختیار کریں۔

سر سکندر حیات اور ہندوستان کا نیا آئین

سر سکندر حیات خاں وزیراعظم پنجاب نے اپنے ایک بیان میں حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اگر لیڈران ہند اپنے لئے کسی نئے دستور پر متفق و متحد نہ ہو سکیں تو برطانیہ بڑے چودھری کی حیثیت اختیار کرے اور ان لوگوں کی مدد سے جو موجودہ جنگ میں برطانیہ کے ساتھ مکمل تعاون کر رہے ہیں ہندوستان کے لئے ایک نیا آئین مرتب کر دے۔ صاف الفاظ میں اس مطالبہ کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ برطانوی حکومت کانگرس اور مسلم لیگ کو ٹھکرا کر سر سکندر حیات خاں، سر چھوٹو رام اور نواب صاحب ممدوٹ جیسے ٹائپ کے لیڈروں اور وائسرائے ایگزیکٹو کونسل اور ڈیفنس آف انڈیا کونسل کے ممبروں کی مدد سے نیا آئین مرتب کر کے اسے ہندوستان کے سر پر زبردستی ٹھونس دے۔

ہم حکومت برطانیہ کو صاف الفاظ میں بتا دینا چاہتے ہیں کہ یہ مشورہ بالکل گمراہ کن ہے۔ اور حکومت کے لئے ایسا کوئی قدم اٹھانا غلط ثابت ہوگا آج جن "بزرگان کرام" کی مدد سے ہندوستان کے لئے نیا آئین بنانے کا مشورہ حکومت کو دیا جا رہا ہے۔ اگر انہیں پبلک کا اعتماد حاصل ہوتا۔ تو ہم پوچھتے ہیں۔ کہ ہندوستان میں ڈیڈلاک کی صورت ہی کیوں پیدا ہوتی۔ حکومت اور اس کے ہواخواہوں کی تمام کوششوں کے باوجود ملک میں اب تک سیاسی جمود کا قائم رہنا اور ہندوستان کی کسی ایک سیاسی پارٹی کا بھی منسٹریاں بنانے میں کامیاب ثابت نہ ہو سکنا اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ ہندوستان کی عظیم الشان اکثریت کانگرس کے ساتھ ہے اور اس کی رضامندی کے خلاف ہندوستان میں کوئی بھی آئین کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اگر سر سکندر حیات خاں صدق دل سے اس بات کے متمنی ہیں کہ ہندوستان کا موجودہ سیاسی تعطل دور ہو تو انہیں برطانوی حکومت کو مشورہ دینا چاہئے کہ وہ کانگرس کی جانب دست صلح دراز کر کے اس کے مطالبات منظور کر لے اس کے بعد کانگرس کی مدد سے جو دستور ملک کے لئے مرتب کیا جائے اسے ہندوستانیوں کا بیش از بیش اعتماد حاصل ہوگا۔

عہدے قبول کرنے سے پیشتر فرقہ وارانہ اتحاد

مسٹر ستیہ مورتی نے جو عہدے قبول کرنے کی مہم جاری کی ہے اور جس کے لئے مہاتما گاندھی سے اجازت بھی حاصل کرلی ہے اسے سنجیدہ حلقوں میں پسندیدہ نہیں سمجھا جائیگا۔ اس طرح کانگرس کا جو وقار متزلزل ہو چکا ہے اور جسے بحال رکھنا اس کا اولین فرض ہے وہ اور زیادہ مجروح ہو جائیگا۔ اس سے اگر تھوڑی دیر کے لئے قطع نظر بھی کرلیا جائے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ حالات میں جبکہ ملک میں فرقہ پرستی کے شعلے پوری شدت سے بھڑک رہے ہیں۔ اور مسلم لیگ نے کانگرس کی مخالفت کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین قرار دے رکھا ہے۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ کانگرس کا دوبارہ منسٹریاں قبول کرلینا فرقہ وارانہ کشمکش کو اور زیادہ بڑھانے کا سبب نہیں بن جائے گا۔

جس وقت کانگرس نے پہلی مرتبہ عہدے قبول کئے تھے تو ہم نے نہایت سوال کے ساتھ یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ کانگرس کے لئے عہدے قبول کرنے سے پیشتر فرقہ وارانہ سوال کو حل کرنا ضروری ہے۔ ورنہ بصورت دیگر مسلم لیگ کے زیر اثر مسلمانوں کے مخالفانہ جذبات اور بھی برانگیختہ ہو جائیں گے چنانچہ ہماری پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو کر رہی۔ کانگرس کے عہدے قبول کرتے ہی مسلم لیگ میں یکسر نئی جان پڑ گئی۔ اور مسلمانوں کے لیڈروں نے صرف یہی نہیں کہ کانگرس منسٹریوں کو بُری طرح بدنام کیا اور ان کے مظالم کی رپورٹیں شائع کرکے عوام کی کشیدگی بڑھائی بلکہ ہر مسئلہ پر کانگرس منسٹریوں کی مخالفت کرکے ان کے لئے کوئی مفید قدم اٹھانا دشوار بنا دیا

اب بھی اگر کانگرس دوبارہ عہدے قبول کرنا چاہتی ہے تو ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ وہ یہ نیا قدم اٹھانے سے پیشتر اپنی قوت فرقہ وارانہ سوال کے حل پر صرف کرے اور ہمیں یقین ہے کہ اگر کانگرس کے ارباب اختیار کچھ عرصہ کے لئے اپنی توجہ تمامتر اسی مسئلہ کی جانب مبذول کریں تو انہیں ضرور کامیابی ہوگی اور فرقہ پرستی کے بھڑکتے ہوئے شعلے ٹھنڈے ہو جائینگے

آزادی کا جذبہ یا دیوانگی کا دورہ

چند روز ہوئے سر فرانسس ینگ ہسبنڈ نے جن کا تعلق طویل عرصہ تک ہندوستان کی سول سروس اور پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ سے رہا ہے انصاف اور حق پسندی کے نام پر اپنے ہم وطنوں سے اپیل کی تھی کہ جنگ ختم ہونے کے ایک سال بعد ہندوستان کو مکمل درجہ نوآبادیات عطا کر دیا جائے اور اسے یہ فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار ہو کہ وہ برطانوی سلطنت میں شامل رہنا چاہتا ہے یا نہیں

یہ ایک طرح کی آواز تھی جو برطانوی قدامت پرستی کے نقارخانہ میں بلند ہوئی۔ اس کا اثر تو کیا ہوتا تھا۔ سر الفریڈ ناکس نے جو ہنوز بھی برطانیہ میں ہندوستانی معاملات کے ایک اکسپرٹ خیال کئے جاتے ہیں۔ سر فرانسس ینگ ہسبنڈ کے جواب میں ایک بیان شائع کیا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں اندرونی کامل حاصل کرنے کا جذبہ دیوانگی کا ایک عارضی دورہ ہے جس کی رو سے ہندوستان میں برطانوی پالیسی ترک نہیں کی جا سکتی اور نہ کانگرس یا مسلم لیگ کی آواز کو چالیس کروڑ ہندوستانیوں کی آواز سمجھ کر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستانی درحقیقت آزادی چاہتے ہیں

سر الفریڈ ناکس کا یہ بیان جس قدر افسوسناک اور گمراہ کن ہے اس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ وہ جذبہ جو اہل برطانیہ کی نگاہ میں مقدس ترین ہے اور جس کے متعلق مسٹر چرچل نے ایک ذمہ دار برطانوی مدبر کی حیثیت سے اعلان کیا ہے کہ اس کی خاطر فرانس، بلجیم، یوگوسلافیہ، یونان اور جرمنی کے دوسرے مقبوضہ ممالک میں اس جذبہ کو پوری قوت سے بیدار رکھا جائے

اسی جذبہ حریت کو ہندوستان میں خود دیوانگی کے مترادف قرار دی جاتی ہے جسے برطانیہ کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں۔ اور پھر اس سے بھی زیادہ لطف کی بات یہ ہے کہ جب کانگرس اور مسلم لیگ ہندوستان کے لئے کسی ایک خاص دستور پر متفق نہ ہو سکیں تو ان دونوں جماعتوں کی آواز کو چالیس کروڑ ہندوستانیوں کی آواز تسلیم کرکے برطانوی حکومت کہہ دیتی ہے کہ ہم تو ہندوستان کو خود مختاری عطا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر اس بدقسمتی کا کیا علاج کیا جائے کہ خود ہندوستانی قوم اتحاد و اتفاق کے ساتھ اپنے لئے کوئی دستور وضع نہیں کر سکتی۔ لیکن جب آزادی کامل کے لئے کانگرس اور مسلم لیگ کا متفقہ مطالبہ برطانیہ کے سامنے آتا ہے اور دونوں جماعتیں یہ کہتی ہیں کہ ہندوستان کو بھی مکمل آزادی کی فضا میں سانس لینے کا حق حاصل ہے تو برطانوی مدبرین فوراً پینترا بدل کر کہہ دیتے ہیں کہ کانگرس اور مسلم لیگ کی آواز کو ہندوستانی قوم کی آواز تسلیم کرکے یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ فرزندان ہند درحقیقت آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ وہ افسوسناک صورت حال ہے جس کے متعلق ہم اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

ٹرکی اور جرمنی کا نیا معاہدہ

گزشتہ ہفتہ ٹرکی اور جرمنی میں ایک نیا تجارتی معاہدہ ہوا ہے مختلف ممالک کے درمیان تجارتی معاہدے آئے دن ہوتے ہی رہتے ہیں اور ان میں پبلک کے لئے کوئی خاص کشش نہیں ہوتی لیکن اس معاہدہ نے برطانیہ اور جرمنی کے درمیان ایک اہم ڈپلومیٹک جنگ کی شکل اختیار کرلی تھی جرمنی نے مذکورہ بالا معاہدہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے پوری کوششیں صرف کر دی تھیں اور اس کا آرگنائزر ہٹلر کے مشیر اقتصادیات ڈاکٹر کلوڈیس گفت و شنید کے لئے خود ٹرکی آیا تھا۔

اس معاہدہ میں برطانیہ اور جرمنی کے ڈپلومیٹک وقار کے علاوہ کرومیم کی خریداری کا سوال بہت اہم تھا۔ یہ ایک قیمتی دھات ہے جو اسلحات جنگ کی تیاری میں کام آتی ہے اور ٹرکی میں بمقدار کثیر پیدا ہوتی ہے۔ اب تک ٹرکی کروم کے سب سے بڑے خریدار برطانیہ اور امریکہ تھے اور حال میں برطانیہ نے ترکوں سے جو تجارتی معاہدہ کیا تھا۔ اس کی رو سے ترک ۱۹۴۲ء کے اختتام تک کروم دھات کی ایک معینہ مقدار برطانیہ کے ہاتھ فروخت کرنے کے لئے پابند تھے۔ اور جرمنی کو اس وقت چونکہ اس دھات کی ضرورت بہت سخت ہے اس لئے کروم کی خریداری کے لئے ٹرکی کی منڈی کا دروازہ برطانیہ پر بند کرنا چاہتا تھا

ترکوں نے سخت بحث تمحیص کے بعد جرمنی سے جو نیا تجارتی معاہدہ کیا ہے وہ ان کے تدبر کا نمونہ ہے۔ انھوں نے نہ تو برطانیہ کو شکایت کا موقعہ دیا اور نہ جرمنی کو۔ بلکہ نہایت حسن و خوبی کے ساتھ اپنا کام اس طرح بنالیا کہ جرمنی اور برطانیہ دونوں ترکوں کی تعریف میں رطب اللسان ہیں جدید معاہدہ کی رو سے ترکوں نے دوسری عام اشیا تو جرمنی کے ہاتھ فروخت کرنا منظور کرلیں لیکن کروم کے لئے صاف کہہ دیا کہ وہ ۱۹۴۲ء تک جرمنی کو کروم نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد ۱۹۴۳ء کے ابتدائی ایام میں جرمنی کو کروم کی مطلوبہ مقدار کا ایک حصہ ضرور دیں گے مگر اس شرط پر کہ ۱۹۴۲ء کے اختتام سے پیشتر جرمنی ترکوں کو تقریباً ایک کروڑ اسی لاکھ پونڈ کے جدید ترین اسلحات جنگ، انجن اور ریل کی گاڑیاں پیشگی دیدے۔

اس طرح ترکوں کو موجودہ پُرآشوب زمانہ میں اسلحات جنگ اور دیگر آہنی اشیا کی کثیر مقدار گھر بیٹھے مل جائیگی اور متحارب قوتوں میں ایک جانب تو برطانیہ خوش ہے کہ ترکوں نے سردست جرمنی کو کروم کی وہ بیش قیمت دھات نہ دی جو جنگ میں اس کے لئے بہت مفید ثابت ہوتی اور دوسری جانب جرمنی یہ سمجھ کر اپنے دل کو تسکین دے رہا ہے کہ اب نہیں تو ایک سال بعد میں کروم حاصل کرنے کا مستحق ہو جاؤنگا اور ترکوں سے تجارتی معاہدہ کرکے میں نے برطانیہ کو ڈپلومیسی کے میدان میں اگر درحقیقت نہیں تو پروپیگنڈے ہی کے لئے سہی شکست دیدی۔

مسٹر فضل الحق کی نئی سیاسی کروٹ

چند روز ہوئے مسٹر ابو القاسم فضل الحق وزیر اعظم بنگال کا یہ بیان پبلک میں آیا تھا کہ مسلم لیگ ان کے خلاف جو گمراہ کن پروپیگنڈا کر رہی ہے اور جس نے بنگال کی فضا کو مکدر بنا رکھا ہے اس کے تدارک اور مقابلے کے لئے وہ بنگالی زبان میں "نوئیگ" کے نام سے ایک روزانہ اخبار جاری کریں گے جس کی ادارت کے فرائض بنگال کے مشہور انقلاب پسند شاعر قاضی نذر الاسلام ادا کریں گے۔ لیکن اب تازہ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنگال پراونشل مسلم لیگ جو اپنی زیر بحث ابھی تک بنگال کی وزارت عظمیٰ کو مسٹر فضل الحق کے لئے کانٹوں کا تاج بنا دیا ہے اور خود ان کی وزارت کے مسلم ارکان ان کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہے ہیں۔ اس سے گھبرا کر مسٹر فضل الحق نے مسٹر محمد علی جناح کی خدمت میں ایک خط معذرت ارسال کیا ہے اور مسلم لیگ کونسل کا جو اجلاس دہلی میں منعقد ہو رہا ہے اس میں وہ مسٹر جناح سے صفائی کرلیں گے۔

ہمیں اس خبر پر کچھ زیادہ حیرت نہیں ہوئی کیونکہ مولوی ابو القاسم فضل الحق ایک جذباتی قسم کے انسان ہیں جن کے قول فعل پر کبھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے ہندوستانی لیڈروں کا کیرکٹر کیا ہے کہ وہ کسی ایک اصول پر پامردی سے قائم نہیں رہ سکتے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ ڈیفنس آف انڈیا کونسل کے مسئلہ میں مسٹر جناح کا طرز عمل غلط تھا تو مسٹر فضل الحق نے ایک سخت خط لکھ کر ان کے خلاف علم بغاوت کیوں بلند کیا اور اگر مسٹر جناح کا طرز عمل درحقیقت مسٹر فضل الحق کی نگاہ میں آمرانہ اور غلط تھا تو اب اپنی وزارت قائم رکھنے کے لئے معذرت کیسی؟

اٹلانٹک چارٹر مرکزی اسمبلی میں

تازہ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آسام کے نمائندہ مسٹر عبد الرشید چودھری نے مرکزی اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں یہ ریزولیوشن پیش کرنے کا نوٹس دیا ہے۔ کہ گورنر جنرل باجلاس کونسل مسٹر روزولٹ اور مسٹر چرچل کے مشترکہ اعلان (اٹلانٹک چارٹر) کو ہندوستان میں بھی نافذ کرانے کے لئے فوری قدم اٹھائیں اور ہندوستان کو ایسا آئین مرتب کرنے کا اختیار دیا جائے جس کی رو سے اُسے اپنے داخلی و خارجی معاملات پر پورا اختیار حاصل ہو۔

غلام ہندوستان کی غلام اسمبلی کا اختیار اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ کہ وہ گورنر جنرل باجلاس کونسل کی خدمت میں اپنی سفارشات پیش کرتی رہے۔ اس کے سفارشی فیصلوں کو عملی جامہ پہنانا یا نہ پہنانا وائسرائے کے دست قدرت میں ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ مسٹر چرچل نے صاف الفاظ میں اعلان کر دیا ہے۔ اٹلانٹک چارٹر کی رو سے آزادی کی فضا میں سانس لینے کی مستحق صرف وہ یورپین قومیں تسلیم کی جائینگی جنہیں ہٹلر نے اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے اور اس کا اطلاق ہندوستان پر نہیں ہوگا ہم نہیں سمجھ سکتے کہ وائسرائے مرکزی اسمبلی کی اس سفارش کو منظور کر سکیں گے لیکن چونکہ یہ سوال ہندوستانی جذبات کے اظہار کا ہے۔ اس لئے ہماری خواہش ہے کہ سنٹرل اسمبلی کے تمام منتخب ارکان بلا لحاظ فرقہ مسٹر عبد الرشید چودھری کے ریزولیوشن کی تائید کریں تاکہ اگر اور کچھ نہیں تو دنیا کو کم از کم یہ تو معلوم ہو جائے کہ اٹلانٹک چارٹر کے متعلق ہندوستانی قوم کے جذبات کیا ہیں۔

اکھنڈ بھارت کانفرنس پنجاب میں

مسٹر کے۔ ایم منشی سابق ہوم منسٹر بمبئی جنہوں نے کانگرس کے مشترکہ قومی پلیٹ فارم کو ٹھکرا کر محض پاکستان کی مخالفت کے لئے "اکھنڈ بھارت فرنٹ" کے نام سے اپنا ڈیڑھ اینٹ کا مندر علیحدہ بنا رکھا ہے۔ کئی ماہ سے اپنے نوزائیدہ فرنٹ کی کانفرنس منعقد کرنے کے لئے کوشاں تھے اور کسی مناسب موقعہ کی تلاش میں ہندوستان کے طول و عرض میں دورے فرما رہے تھے۔ شکر ہے کہ انہیں اپنی کانفرنس منعقد کرنے کے لئے پنجاب کا وہ بدنصیب خطہ مل گیا جو کچھ عرصے سے فرقہ پرستی کا بدترین مرکز بنا ہوا ہے اور آپ کی اکھنڈ بھارت کانفرنس خود آپ ہی کی صدارت میں پہلی اور دوسری نومبر کو لدھیانہ میں منعقد ہوگی۔

ہم ایک سے زیادہ مرتبہ اپنا یہ خیال ظاہر کر چکے ہیں کہ کانگرس سے علیحدگی کے بعد مسٹر منشی کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں رہا ہے کہ وہ ایک زنگ خوردہ اور فرسودہ کڑی کی حیثیت سے ہندو مہاسبھا کی زنجیر میں شامل ہو جائیں اور جہاں تک مقاصد کا تعلق ہے اکھنڈ بھارت فرنٹ کو ہندو مہاسبھا کے ایک نئے مختصر ایڈیشن سے زیادہ وقعت حاصل نہیں ہو سکتی۔

ایسی حالت میں جبکہ ملک میں فرقہ پرستی کے شعلے پوری شدت سے بھڑک رہے ہیں اور ہندوؤں کی جانب سے مسلم لیگ کو گالیاں دینے کا فرض ہندو مہاسبھا بحسن و خوبی کے ساتھ انجام دے رہی ہے۔ ہم کسی نئے فرقہ وارانہ محاذ کی موجودگی گوارا نہیں کر سکتے اور ہمیں اندیشہ ہے کہ قوم پرستی کے پردہ میں اکھنڈ بھارت فرنٹ کی فرقہ وارانہ سرگرمیاں مسلمانوں میں پاکستان کے جذبہ کو اور بھی قوی کر دیں گی۔

پنڈت نہرو کی رہائی کا سوال لندن میں

اس ہفتہ برطانیہ کے مشہور انشا پرداز مسٹر ایچ جی ویلز کی زیر صدارت لندن میں ایک اہم جلسہ ہوا جس میں پارلیمنٹ کے متعدد ارکان شریک تھے جلسہ میں یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ مسٹر روزولٹ اور مسٹر چرچل کے مشترکہ اعلان کے اطلاق سے ہندوستان کو محروم رکھنا صریح بے انصافی ہے فیصلہ کیا گیا کہ پنڈت جواہرلال نہرو اور دوسرے اسیران سیاسی کی رہائی کے لئے لندن میں ایجی ٹیشن شروع کی جائے اور اس کے لئے مسٹر ایچ جی ویلز کی قیادت میں پارلیمنٹ کے ممبروں کا ایک وفد مسٹر چرچل سے ملے۔

مسٹر ایچ جی ویلز کی بین اقوامی شہرت ایک مایہ ناز مصنف کی حیثیت تک محدود ہے۔ اور انھوں نے اب تک سیاسیات میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا۔ اب مسٹر ویلز کی زبان سے آزادی ہند کے مطالبہ کی پرجوش تائید اور پنڈت جواہرلال نہرو کی رہائی کے لئے خود ان کی صدارت میں ایک وفد کا مسٹر چرچل کے پاس جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ خود برطانیہ کے بعض حلقوں میں ہندوستان کے متعلق برطانوی حکومت کی پوزیشن کو کس قدر غلط محسوس کیا جا رہا ہے اور کس طرح پنڈت جواہرلال نہرو جیسے مشہور محب وطن کی طویل میعاد اسیری سے برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان تک کو تکلیف محسوس ہوئی ہے۔

اگر حکومت برطانیہ تدبر کے اعتبار سے بالکل دیوالیہ نہیں ہو چکی ہے تو اس کا فرض ہے کہ اپنی سابقہ غلطی کا ازالہ کرنے کے لئے اب بھی پنڈت جواہرلال نہرو اور دوسرے اسیران سیاسی کو رہا کردے ہمیں یقین ہے کہ اس طرح ملک میں جو خوشگوار فضا پیدا ہوگی وہ ہندوستان کے موجودہ آئینی تعطل کو دور کرنے کے لئے کافی حد تک ممد و معاون ثابت ہوگی۔



میں بولی جی آپ مجھے کیوں تنگ کرتے ہیں؟"

"اس لئے کہ میں تمہیں چاہتا ہوں اور تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔" میں نے جواب دیا

"سہیلیاں مجھے طعنے دیتی ہیں جی۔ آپ کا اس طرح میرے پیچھے پیچھے پھرنا ٹھیک نہیں۔ میں آپ کو گالیاں دوں گی تو پھر آپ ——— "

"تو میں نے منہ کب کیا ہے آپ شوق سے گالیاں دیا کیں میں انہیں سنتا رہوں گا۔ پھر جمع کر کے ان گالیوں کا ہار بنا کر گلے میں پہن لوں گا"

"میں تمہیں ری ان پڑھ بھلا مجھے آپ کی طرح باتیں بنانا کہاں آتا ہے لیکن میں پھر آپ سے کہتی ہوں کہ میرا پیچھا کرنا چھوڑ دیں۔ ابا آپ کی جان کے گاہک ہو رہے ہیں کہتے تھے اگر وہ لڑکا ادھر آیا تو اسے قتل کر دیں گے"

میں نے سر جھکا دیا "سر حاضر ہے۔ ابھی گردن مار دیجئے اگر اف بھی کر جاؤں تو ——— "

رشیما نے ایک عجیب انداز سے مسکرا کر کہا: "اتنے میں کب کہتی ہوں کہ آپ مر جائیں۔ لیکن آخر ——— آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"میں کچھ نہیں چاہتا" میں نے سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہا "صرف یہ چاہتا ہوں کہ جب تم یہاں سے چلی جاؤ تو تمہارے قدموں کی خاک اپنی پیشانی پر لگاؤں اور اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں"

رشیما کنواری۔ ایک الہڑ لڑکی کی طرح نہیں بلکہ ایک عورت کی مانند۔ اس نے نظر بھر کر میری طرف دیکھا۔ پھر اس کی نگاہیں جھک گئیں۔ دوسرے ہی لمحہ وہ ہنستی ہوئی وہاں سے بھاگ گئی بھاگتی جاتی تھی اور پیچھے مڑ کر میری طرف دیکھتی جاتی تھی

کچھ دیر میں بت بنا کھڑا رہا۔ پھر رشیما کے پیچھے بھاگنے لگا۔ وہ تیز رفتار ہرنی کی طرح بھاگ رہی تھی اور اس کے قہقہے بھی بلند تر ہوتے جاتے آہستہ آہستہ ہمارا درمیانی فاصلہ کم ہونے لگا

"دیکھو نہیں ——— ہمارا پیچھا مت کرو۔ وہ اچھا نہیں۔" اس نے کہا۔

لیکن ایک ہی چھلانگ میں میں نے اسے جا دبوچا۔ اور گود میں اٹھا لیا۔

"اب کدھر جاؤ گی" میں نے کہا

"مجھے چھوڑ دو چھوڑ دو۔ میں گر جاؤں گی" اس نے آہستگی سے کہا۔

میں ایک چنار کے درخت کے نیچے جا کر رک گیا اور اسے آہستہ سے زمین پر بٹھا کر بولا: "دیکھا تم نے؟ مجھ سے بھاگ کر تم کہیں نہیں جا سکتیں۔"

وہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ بس کبھی کبھی اپنے بکھرے گیسوؤں کو درست کر لیتی تھی۔

ہم گاؤں سے بہت دور نکل آئے تھے شفق کی سرخی کافور ہو چکی تھی۔ لیکن پھر بھی ندی کا پانی نقرئی چادر کی طرح چمک رہا تھا۔ سرسبز پہاڑوں پر جنگل دکھائی نہیں دیتے تھے۔ کہیں کہیں تارے بھی نکل آئے تھے۔

میں نے رشیما سے پوچھا "تم مجھ سے شادی کب کرو گی؟"

"کبھی نہیں"

"کیوں؟"

"تم تیلی ہو۔ ہم مغل ہیں۔" رشیما نے شوخی سے کہا۔

"اس سے کیا ہوتا ہے۔" میں نے رشیما کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا: "کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے؟"

"بالکل نہیں"

"تو پھر تم میرے پاس کیوں بیٹھی ہو؟"

جواب میں رشیما نے مجھے محبت بھری نظروں سے دیکھا پھر دفعتاً کچھ سہم کر اٹھی: "میں آج خوب پٹوں گی۔ ابا مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے چلئے جلدی کر کے آپ بھی کرموں کے ہاں جا رہی ہوں لیکن اب تو دیر بھی بہت ——— "

میں نے بات کاٹ کر کہا: "تم جیسی شریر لڑکیاں جتنا بھی پٹیں کم ہے۔"

رشیما بولی: "میں جانتی ہوں کہ تم مجھے کبھی نہیں پیٹو گے۔"

میں نے کہا: "ہاں۔ کیونکہ میں تیلی ہوں اور تم مغل زادی ہو۔"

رشیما نے اپنے ملائم ہاتھ سے میرے کندھے کو چھوا۔ پھر دفعتاً اس کا سر میری چھاتی پر آ رہا "تم کتنے نا سمجھ ہو۔" اس نے ایک آہ بھر کر کہا

اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ آسمان کے تارے کھلکھلا کر ہنس پڑے ہیں۔ چاندنی کی روشنی میں سفید سفید بادلوں کے سائے کسی غیر محسوس خوشی کے باعث ناچنے لگے ہیں اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چنار کے پتوں میں چھپ چھپ کر ایک ابدی زندگی کا گیت گا رہے ہیں۔

اس کے بعد آٹھ دس دن کی کیفیت میں بیان نہیں کر سکتا۔ زندگی ایک شیریں خواب تھی۔ ایک دنیا تھی جس میں میرے اور رشیما کے سوائے کوئی آباد نہ تھا۔ کچھ عجیب حالت تھی۔ شراب کا سا نشہ۔ گیت کی سی مستی۔ گاؤں بہشت معلوم ہوتا تھا۔ اور دور جاگیردار صاحب کے پرانے محل کے برج دھوپ میں سونے کی طرح چمکتے تھے

لیکن یہ سب کچھ آٹھ دس دن کے لئے تھا۔ اس کے بعد ایک بیرحم ہاتھ نے ایک ہی جھپٹ رسید کر کے میرے خواب شیریں کو منتشر کر دیا۔ ٹھیک اس دن جب ہم بھاگ جانے کی صلاح کر رہے تھے رشیما جاگیردار صاحب کے بڑے لڑکے کے حوالے کر دی گئی۔ یہ تو مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ عرصہ سے خفیہ طور پر

شوریں ہو رہے تھے۔ جاگیردار صاحب کا بڑا لڑکا بڑا اوباش تھا۔ شکار کھیلتے وقت اس کی نظر رشیما پر پڑ گئی ہوگی۔ بس رشیما کے باپ پر ڈورے ڈالنے لگا۔ ادھر میری ناواقفیت کا یہ عالم تھا کہ مجھے نکاح کی خبر اس وقت ہوئی جب رشیما شہر میں جاگیردار صاحب کے محل میں پہنچائی جا چکی تھی۔

یہ صدمہ اتنا سخت اور غیر متوقع تھا کہ میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے دو برس بعد تک میں پاگل سا رہا۔ سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔ دردر گھومتا اور لوگوں سے کہتا تھا "مجھے بچاؤ۔ وہ مجھے کاٹنے آ رہی ہے۔"

بس یہی الفاظ ہر وقت میری زبان پر رہتے تھے۔ رفتہ رفتہ کہ ایک دن جب میں جاگیردار صاحب کے شہر میں گھوم رہا تھا تو کسی صاحب نے انہیں میری رام کہانی سنائی۔ انہوں نے مجھ پر رحم کھا کر شکارپور کے پاگل خانہ میں بھیج دیا۔

دو برس کے بعد صحت یاب ہوا تو پھر دیکھی بھال کا ٹیچر بنا کر اسی وادی میں بھیج دیا گیا۔ لیکن رشیما کے گاؤں میں نہیں بلکہ دس میل کے فاصلہ پر دوسرے گاؤں میں۔"

بڈھا اتنا کہہ کر چپ ہو گیا اور حقہ گڑگڑانے لگا۔ رشید نے آہستہ سے پوچھا: "اور رشیما؟ کیا تم نے پھر اسے کبھی دیکھا؟"

"رشیما جاگیردار صاحب کے بڑے لڑکے کے محل میں ہے۔ اگرچہ وہاں عورتیں بہت ہیں لیکن چہیتی بیگم وہی ہے۔ اس کے دو لڑکے ہیں۔ آٹھ نو برس ہوئے جب وہ اپنے بھائی کی شادی میں شریک ہونے آئی تھی۔ کیا یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اس کا باپ اس گاؤں کا نمبردار ہے اور جھونپڑی کی بجائے اس کا مکان پتھر کا بنا ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا۔ وہی مکان جس کے عقب میں ایک باغیچہ ہے۔ میں نے اسے اسی باغیچہ میں دیکھا تھا۔ وہ ریشمین کپڑے پہنے وہاں ٹہل رہی تھی۔ دونوں چھوٹے چھوٹے لڑکے





اس کے ہمراہ تھے۔ اب وہ چودھویں کے چاند کی طرح حسین تھی میں بہت دیر تک درختوں کی آڑ میں کھڑا ہو کر اسے دیکھتا رہا۔ ریشما اگر میری بیوی ہوتی تو ریشمی لباس کے بجائے سرخ دھاری کی شلوار اور چھینٹ کی قمیص پہن کر میرے بچوں کو ساتھ لئے ٹہلتی۔ یہ سوچ کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ انہیں پونچھنے کی کوشش کئے بغیر میں درختوں کی اوٹ سے باہر نکل آیا۔ اسے گالیاں دیں۔ اس کے سارے خاندان کو جی بھر اور چلا چلا کر کوسا۔ اور اس وقت تک وہاں سے نہ ٹلا جب تک لوگ مجھے گھسیٹ کر وہاں سے دور نہ لے گئے۔"

"اور ریشما کچھ نہ بولی؟" رشید نے پوچھا

"نہیں۔ مجھے دیکھ کر وہ ٹھٹھک گئی۔ پھر گردن جھکا کر چپ چاپ گالیاں سنتی رہی۔ دونیلی جھیلوں سے چشمے ابل پڑے اور اس نے کانپ کر دونوں بچوں کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ بھاناں جب وہ گاؤں سے چلی گئی تو اس کی ایک سہیلی نے مجھے بتایا کہ اس نے ریشما سے دریافت کیا تھا کہ وہ چپ چاپ گالیاں کیوں سنتی رہی۔ ریشما نے کہا

"بہن اگر وہ مجھے پیٹنے لگتا یا جان سے بھی مار ڈالتا تب بھی میں وہاں سے نہ ہلتی۔ وہ گالیاں نہ تھیں پھول تھے۔ میں نے انہیں آنسوؤں کے تاروں میں پرو لیا اور دل کی قبر پر چڑھا دیا تاکہ میری محبت کا مزار ویران نہ رہے۔"

ڈکسی نیشر بولا: لیکن اب مجھے کسی سے محبت نہیں۔ کسی پر غصہ نہیں آتا۔ میں کسی کا لحاظ بھی نہیں کرتا۔ پہلے چیچک کا ٹیکہ مفت لگاتا تھا۔ اب دو آنے وصول کئے بغیر کسی کے بازو کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ اس گاؤں میں ریشما کے باپ کے سوائے سب میرے مقروض ہیں۔ میں اپنا روپیہ سود پر اٹھاتا ہوں۔ وہ مجھے بخیل اور ظالم کہتے ہیں لیکن انہوں نے میرا بھلا کب چاہا۔ ان کا بس چلے تو مجھے کچا چبا ڈالیں۔ لیکن مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ میرے پاس پیسہ ہے۔ بال بچے ہیں۔ تین نکاح کر چکا ہوں۔ جاگیردار صاحب کی وفادار رعایا ہوں۔ ان کا غلام ہوں۔"

"کیا سچ مچ تمہیں کسی پر غصہ نہیں آتا؟" رشید نے تیکھی نظروں سے ڈکسی نیشر کی طرف دیکھ کر پوچھا

ڈکسی نیشر گھبرا سا گیا۔ آنکھیں نیچی کرکے بولا۔

"نہیں۔ میرا دل صاف ہے۔ لیکن دوست!—"

اب اس نے نگاہیں اٹھائیں اور شرمسار ہو کر بولا۔

"میں ایک بات تم سے کہنا چاہتا ہوں کہے بغیر رہ نہیں سکتا۔ وہ بات جاگیردار صاحب کے پرانے محل کے برجوں کے متعلق ہے۔ دھوپ میں انہیں سونے کی طرح چمکتے دیکھ کر میں پاگل ہو جاتا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھے چڑا رہے ہیں۔ گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ تم ہمیں نہیں جانتے۔ ہم اب بھی تمہاری دنیا کو برباد کرسکتے ہیں۔ تمہاری راحت و مسرت کو خاک میں ملا سکتے ہیں۔ تمہاری زندگی کی امنگیں پاؤں تلے روند سکتے ہیں۔ تم ہمیں نہیں جانتے۔"

اور میں پاگل ہو اٹھتا ہوں۔ اور سوچتا ہوں کہ جب تک یہ برج موجود ہیں مجھے راحت قلب نصیب نہ ہوگی کئی دفعہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ایک دو روپے کا بارود لیکر رات کے وقت ان برجوں کے قریب جاؤں اور انہیں بھک سے اڑا دوں لیکن ہر مرتبہ میں نے اس خیال کو زور سے دبا دیا ہے۔"

اور ڈکسی نیشر نے رشید سے ذرا جھک کر رازدارانہ لہجہ میں کہا۔

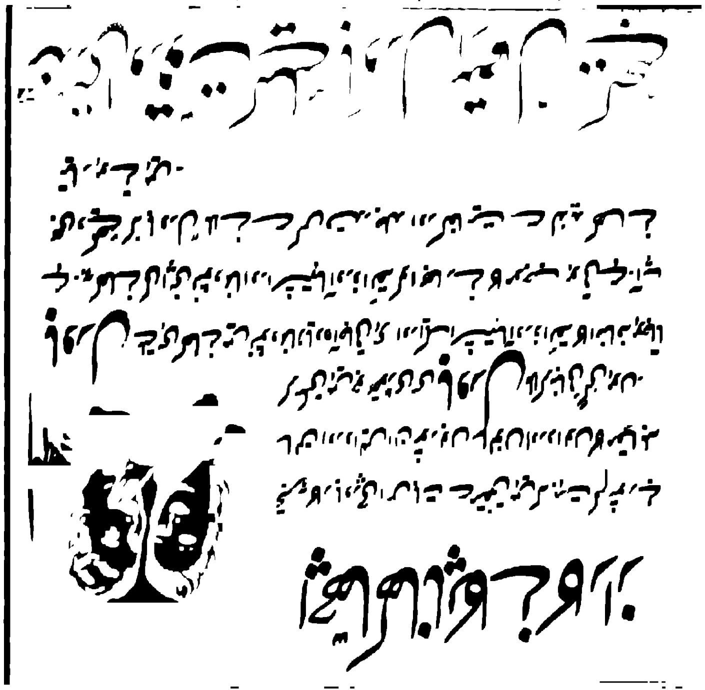
"لیکن ایک دن میں یہ کام کرکے چھوڑوں گا۔ دوست! اس کے بغیر میری روح کو جنت میں بھی سکون نہ ملیگا۔"

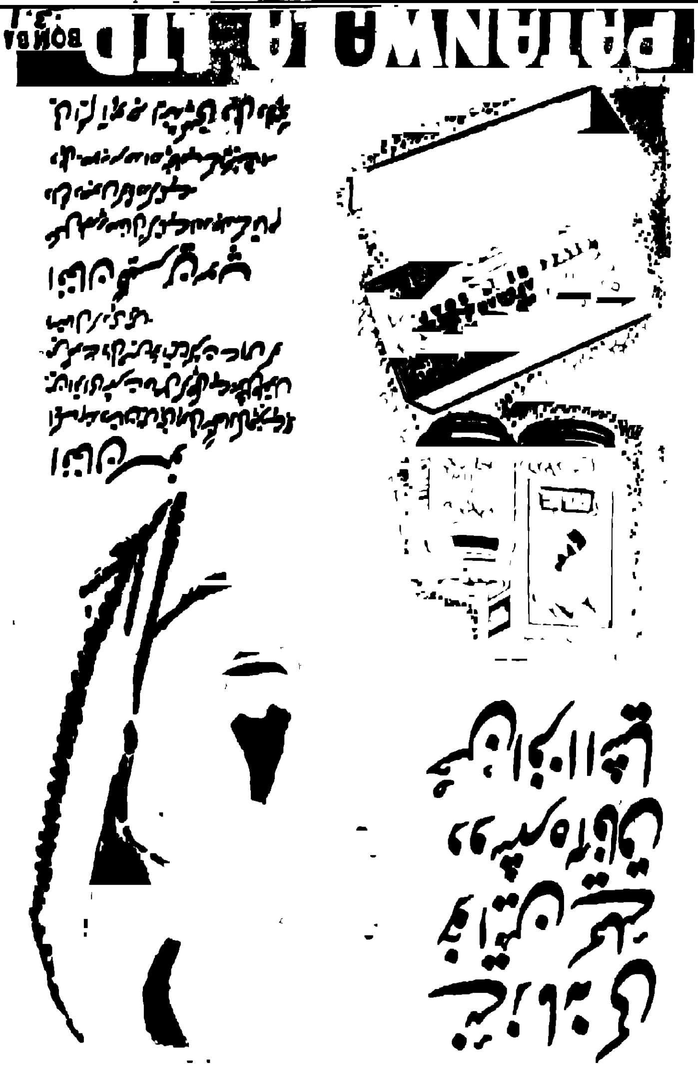
تاریخ و تمدن

قبرص

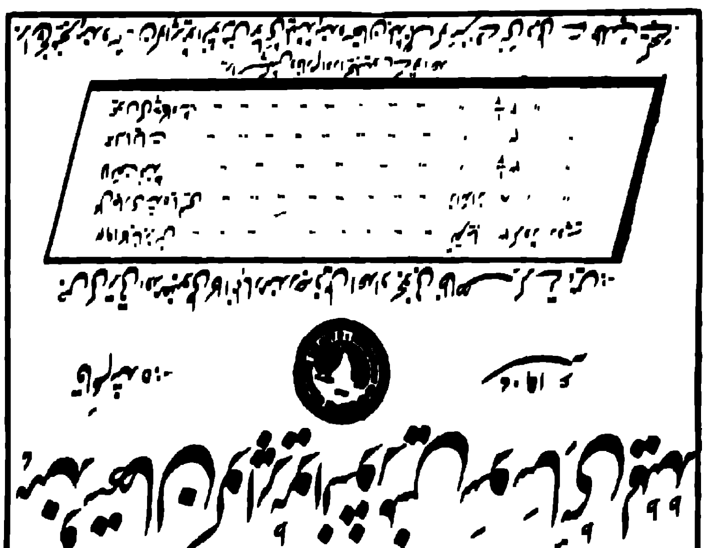
حسن و محبت کی ملکہ —— یونانیوں کی دیوی وینس قبرص کے جزیرے میں پیدا ہوئی تھی۔ ہٹلر کی نگاہ اس جزیرہ پر بھی ہے۔ اگرچہ اسے حسن سے دلچسپی ہے۔ محبت کی ۔ ۱۸۷۸ء میں جب برطانیہ نے اس جزیرے پر قبضہ کیا تو ایک ایک جرمن سیاستدان نے لکھا تھا: جس طاقت کو مشرق میں اقتدار حاصل ہو یا جو مشرق پر اپنا اقتدار قائم رکھنا چاہتی ہو اسے قبرص پر اپنا قبضہ برقرار رکھنا چاہیئے۔ یہ بات صرف آج ہی درست نہیں بلکہ ساڑھے تین ہزار برس پہلے بھی درست تھی شاید اس سے بھی قدیم عرصہ سے قبرص کو مشرق کی سیاست میں اہمیت حاصل ہے۔ مصری۔ یونانی۔ ایرانی۔ رومن نسلوں نے جو مشرق وسطیٰ میں اپنی حکومت قائم رکھنا چاہتی تھیں قبرص کے لئے بارہا جنگ کی۔ ان لڑائیوں کا ذکر تاریخ میں آتا ہے لیکن ان قوموں کے وجود میں آنے سے کہیں بہت پہلے قبرص کا قبضہ حاصل کرنے کے لئے انسان انسان کا گلا کاٹتا رہا ہے۔

پتھر کے زمانہ کے بعد انسان پیتل کے برتن استعمال کرنے لگا وہ اپنے ہتھیار بھی اسی دھات سے بناتا تھا یہیں جب یہ معلوم ہوا کہ قبرص تانبے کا گھر ہے تو وہ اسے بڑھا بڑھا کر لینا چاہتا سائپرس کا مطلب ہی تانبا ہے۔ یونانیوں نے قبرص پر قبضہ کرنے کے بعد اس کے متعلق مذہبی روایات مشہور کردیں۔ اور کہا گیا کہ دیش کی دیوی وینوس (جیکا نام ب کوکلیا ہے) کے قریب سمندر کے جھاگ سے برآمد ہوئی تھی یہ مقام جزیرہ کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ یہاں سمندر میں سفید





BOMBAY
LTD

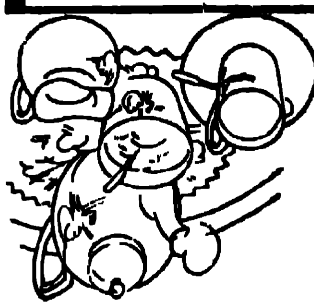


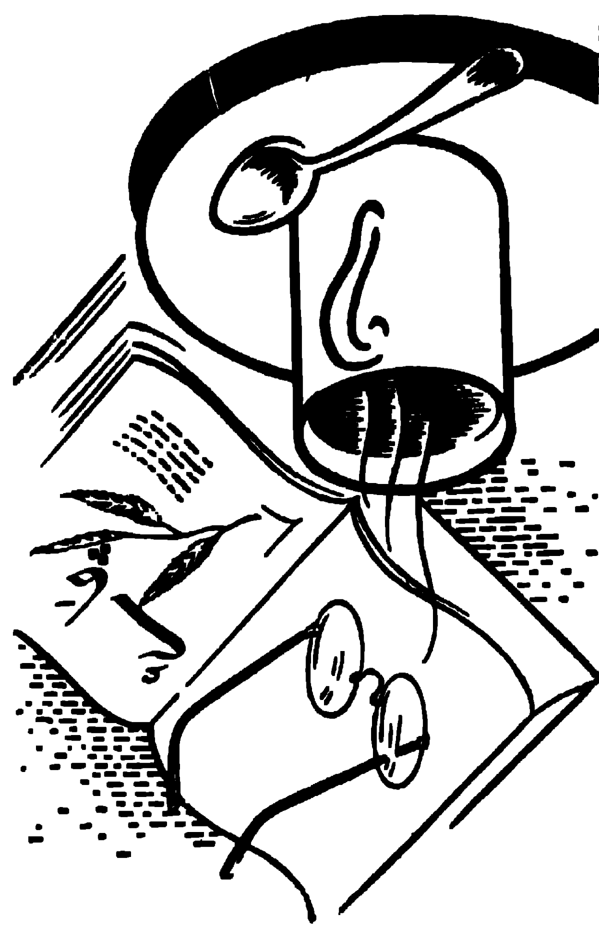


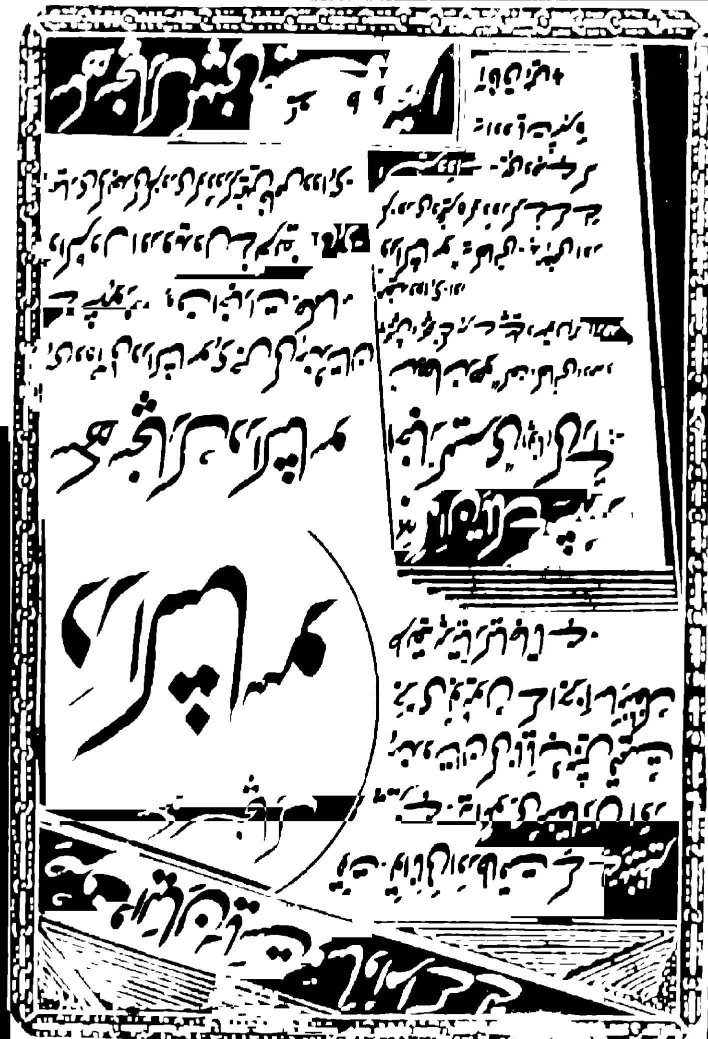
SCENTED HAIR OIL

[illegible]









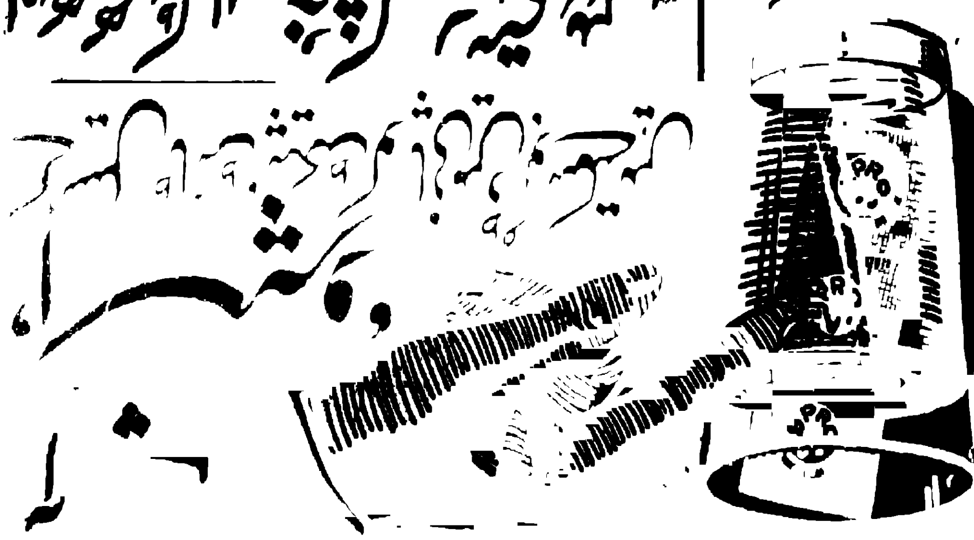














اور جنگ کے خلاف تبلیغ کرنے کے لئے آزادی کا مطالبہ۔

پھر جیل!

اس کے آگے لکھا ہے کہ سبھاش بابو کا منہ۔ کہاں چھپ چلا سبھاش بوس۔

کمرے۔ نارمان ایم۔ این رائے

انھوں نے بھی تو آزادی خیال ہی کا حق مانگا تھا پھر کانگریس سے نکال کیوں دیا گیا؟ پھر سبھاش کی جیر روانگی جانے کے لئے گاندھی جی کی پریشانی کیوں؟

بھائی پرمانند۔ سبھا کا گرس کو کہتی ہے ہندؤں کی دشمن

مسٹر جناح ان کی مسلم لیگ کے نزدیک ہے وہ اسلام کش آخر کیوں؟

ہٹلر کہتا ہے کہ وہ دنیا کی پسماندہ قوموں کی خاطر لڑ رہا ہے بالکل بے غرضانہ ہے اس کی یہ جنگ۔ ملکوں کو فتح کرلینا تو محض حسن اتفاق ہے۔

چرچل کہتا ہے کہ اس نے دنیا میں جمہوریت کی حفاظت کیلئے نئے ہٹلر کے خلاف جہاد شروع کیا ہے۔

اٹلی نے ابے سینیا کو مہذب بنانے کے لئے اس پر قبضہ جمایا۔ لیکن حبشی تو غیر مہذب بنے رہنے پر مصر ہیں اس لئے موقع پاتے ہی انھوں نے اٹلی والوں کو ملک بدر کر رہا ہے۔

مشرق میں جاپان چین کو مہذب بنا رہا ہے۔ جہاد کی نوک پر لیکن عجیب بات ہے؟ سب اپنے کو فرض کی راہ پر

گامزن بتاتے ہیں۔ پھر خونریزی اور جنگ وجدل کیوں؟

اخبار خبروں سے لبریز ہے۔ موسم بڑا امن طریق سے گزر گیا لیکن ایک ... مقالات پر تو ---؟

تیوہاروں پر گو نہیں ہوتی تو اخبار میں خبر آ جاتی ہے کتنا گر گیا ہے انسان۔

رائے عامہ کے رہنما ایک دوسرے کو تالیاں کیوں دیتے ہیں؟ اس پر طرہ یہ کہ سب ہمارے بھلائی کے لئے پاگل ہو رہے ہیں۔ حتیٰ کہ جرمنی بھی یہی کہتا ہے۔ جو غضب! زندگی کی سیدھی راہ کیا ہو ہی نہیں سکتی؟ یہ کیسی مصیبت ہے خدا! کوئی راستہ سیدھا ہے ہی نہیں۔ سب کی راہیں ٹیڑھی ہیں۔

کھانا تیار ہے بی بی بلا رہی ہیں۔

اوہ! کھانا! دفتر کا وقت ہو گیا۔

کھانا! شاید ہی ہماری زندگی ہے۔ لیکن اسے حاصل کرنے کی راہ تو سیدھی ہونی چاہئے۔

یہ بھی نہیں۔

چلوں دیر ہو جائیگی۔ اور بڑے صاحب کی ڈانٹ ڈپٹ سننا پڑیگی۔

دنیا تو ایسے ہی چلتی ہے۔

(رام شرن)

مشاہیرِ عالم

سائمن بولیوار

کہتے ہیں کہ نپولین تسخیر عالم کی خاطر کوہ ایلپس کی بلندیوں پر چڑھ گیا تھا۔ شاید اسی لئے اسے فاتح عالم کہا جاتا ہے لیکن اس شخص کو کیا کہا جائے گا جس نے پانسو لڑائیوں میں حصہ لیا۔ تین لاکھ مربع میل میدانوں میں تلوار چلائی۔ اور گرم خطوں سے مارچ کرتا ہوا ہمالیائی پہاڑوں کی چوٹیوں تک جا پہنچا۔ جس نے دس ہزار میل کا میدانی سفر کیا۔

وہ شخص تھا سائمن بولیوار — جنوبی امریکہ کا نجات دہندہ۔ جس نے پانچ ممالک کی گردن سے غلامی کا جوا اتار پھینکا۔ جس نے آزادی کی نعمت عطا کی۔ اور جب وقت لوگوں نے اسے ڈکٹیٹر بنانا چاہا؟ تو اس اعزاز کو بھی ٹھکرا دیا اور آخری دم تک آزادی اور جمہوریت کے لئے جنگ کرتا رہا۔ ڈکٹیٹر اور بہت ترقی کرتے کرتے بلندی پر پہنچے ہیں۔ سائمن ایک رئیس زادہ تھا لیکن اس کی زندگی افلاس اور فاقہ مستی۔ غریب الوطنی اور بیکسی پر جا کر ختم ہوئی۔ بہرحال اس نے امریکہ میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی اور یورپی ملوکیت کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں۔

سائمن بولیوار وینزویلا کے دارالخلافہ کیریکس میں ۱۷۸۳ء میں ایک متمول خاندان میں پیدا ہوا۔ وہ ایک دلکش لڑکا تھا جسے اس کے والدین کے لاڈ پیار نے بگاڑ دیا۔ جب وہ بارہ برس کا تھا اس وقت سپین کے مظالم کے خلاف بغاوت ہوئی اس بغاوت کو دبانے کے لئے اتنے وحشیانہ مظالم توڑے گئے کہ سائمن کا قلب ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اس زمانہ میں سارے کا سارا ملک سپین کی نوآبادی تھا۔ اور ان دنوں نوآبادی کا مصرف یہی تھا کہ وہاں جی بھر کر لوٹ مار کی جائے لیکن سپین حد سے متجاوز ہو گیا۔ اس نے ایسے افسر وہاں بھیجے جو لوگوں کا لہو چوسنے میں مشاق تھے۔ جب لوگ کوئی چیز خریدتے یا فروخت کرتے تو دونوں حالتوں میں سرکاری افسر انہیں لوٹتے تھے۔ انہی دنوں شمالی امریکہ نے برطانیہ کی غلامی کا جوا اپنی گردن سے اتار دیا تھا۔ اور انقلاب کے بعد فرانس میں جمہوریت قائم ہو چکی تھی ان واقعات کا اثر جنوبی امریکہ پر بھی پڑا۔

جوان ہو کر سائمن یورپ گیا اور اس نے فرانس، اٹلی اور انگلستان کی سیر کی۔ وہ نپولین کا بڑا مداح تھا۔ اگرچہ بعد ازاں اس نے نپولین کے کئی اصولوں سے شدید اختلاف ظاہر کیا وطن واپس آ کر اس نے جنگ آزادی کا علم اپنے ہاتھ میں لیا۔ انقلاب کامیاب رہا اور وینزویلا میں ایک آزاد گورنمنٹ قائم ہو گئی۔ لیکن اس کے دوسرے ہی سال ایک خوفناک زلزلہ آیا اور دارالخلافہ کیریکس کھنڈر بن گیا۔ دس ہزار آدمی ملبے کے نیچے دب کر مر گئے۔ ہسپانوی پادریوں نے موقعہ دیکھ کر کہنا شروع کیا کہ یہ لوگوں کو گناہ انقلاب کی سزا ملی ہے۔ اور کہ خدا اور اس کا بیٹا آزادی پسندوں سے ناخوش ہیں۔ سادہ لوح عوام ان باتوں پر ایمان لے آئے۔ اور بولیوار اور اس کے ساتھیوں کو اپنی جان بچانے کے لئے بھاگنا پڑا۔ بولیوار بچ نکلا۔ لیکن اس کے بہت سے حامی پکڑے گئے۔ اور ان کے سر قلم کر دیئے گئے۔

سائمن بولیوار کیوراکو میں پہنچا۔ اور اس نے دوسری بار انقلاب لانے کی کوشش کی۔ بیس ہزار مرد عورتوں کو جنہوں نے اسے اپنا نجات دہندہ قرار دے کر اس کا استقبال کیا تھا ہسپانوی فوج نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ سائمن اس بیدردانہ قتل عام کو کبھی نہ بھول سکا۔ اس کے بعد لڑائی موت اور زندگی کی جدوجہد میں تبدیل ہو گئی۔ فریقین نے مخالف سپاہیوں کو قید کرنے کی بجائے ایذائیں دینا شروع کیا اور نئی نئی قسم کی ایذائیں اختراع کی گئیں

ایک مرتبہ سائمن جمیکا کی ایک جھونپڑی میں پڑا تھا اس کے کپڑے تار تار ہو چکے تھے۔ اور اس کے پاس پیسہ بھی نہ تھا اس پر بخار کا شدید حملہ! اس وقت بھی وہ اپنے ملک کی آزادی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ یہ بھول کر کہ ہسپانیہ کی تلوار ہر وقت اس کے سر پر لٹک رہی ہے اور اس کے ملک کو غلام بنانے والے شکاری کتوں کی طرح اس کی بو پانے کے لئے اِدھر اُدھر دوڑ رہے ہیں۔

بہرحال اس نے اڑھائی سو سپاہی جمع کئے۔ اور ایک بار پھر دشمنان حریت سے لڑنے کے لئے تیار ہو گیا اس کے بعد اس نے کبھی پسپائی کا منہ نہ دیکھا وہ لڑتا رہا جب تک کہ کولمبیا۔ وینزویلا۔ پیرو۔ بولیویا وغیرہ ممالک سے ہسپانوی دشمنوں کو نکالنے میں وہ کامیاب نہ ہو گیا

پانچ برس تک جنگ کرنے کے بعد جب وہ اپنے وطن وینزویلا واپس گیا۔ تو اس نے دیکھا۔ کہ ملک میں ڈکٹیٹرشپ قائم ہو چکی ہے۔ حکام وقت جمہوریت کے خلاف تھے۔ سائمن یہ برداشت نہ کر سکا۔ اس نے اسی وقت ڈکٹیٹرشپ کے خلاف اپنی تبلیغ شروع کر دی۔ اس کے ہم وطنوں نے اس کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا۔ اس کا مکان توڑ ڈالا اور اسے قتل کرنے کی کوشش کی

اس سلوک سے سائمن کا دل ٹوٹ گیا۔ جنگ کے مصائب، بخار اور ہم وطنوں کی بدسلوکی نے اسے سینتالیس برس ہی کی عمر میں بوڑھا کر دیا۔ کسی سے خدا حافظ کہے اور کسی کا سلام لئے بغیر وہ کولمبیا میں پہنچا۔ اور وہاں سمندر کے کنارے تھک کر گر پڑا۔ "میرے ہم وطنوں کو میری ضرورت نہیں"۔ یہ وہ الفاظ تھے جو اس نے مرتے وقت کہے۔

اس دن دسمبر کی ۱۷ تاریخ تھی اور سن ۱۸۳۰ء۔

اس کے بارہ برس بعد اس کے ہم وطنوں کو ہوش آیا۔ وہ اپنی غلطیوں پر پشیمان ہوئے۔ اور اس کی ہڈیاں قبر میں سے نکال کر کیریکس میں لے آئے۔ جہاں وہ شاہی دھوم دھام کے ساتھ دفن کی گئیں۔ آج اس کی یادگاریں جنوبی امریکہ کے قریباً ہر شہر میں دکھائی دیتی ہیں۔

عجائبات

ریاستہائے متحدہ امریکہ لوگوں کے اس عجیب و غریب طرز عمل

کی بھی ایک وجہ ہے وہاں یہ قاعدہ ہے کہ جتنا روپیہ زیادہ دیا جائے اس پر انکم ٹیکس ادا کرنے والے کو چھ فیصدی سود دیتا ہے۔ اس قسم کی "غلطیوں" کا سراغ لگانے میں قدرتی طور پر تاخیر ہو جاتی ہے اور لوگ سرکاری خزانہ کے سود سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اگرچہ جیب الوطن کے نکتہ نگاہ سے یہ بالکل نامناسب معلوم ہوتا ہے لیکن اپیکر نا قانون کے مطابق جرم نہیں اور قانون کی وجہ سے بے بس سرکاری افسر ایسے واقعات کی روک تھام کرنے سے بالکل قاصر ہیں۔

ہوٹل میں خود کھانا پکائیے

نیو یارک میں ایک ہوٹل کھلا ہے جس میں ہر خریدار کو اپنا کھانا خود پکانا پڑتا ہے اور وہ اپنے حسب منشا کوئی بھی چیز وہاں پکا سکتا ہے۔ رکابیاں صاف کرنے کی زحمت نہیں اٹھانا پڑتی کیونکہ بھاپ کی شیرز نل کھول دینے سے وہ خود بخود صاف ہو جاتی ہیں۔

جنگ سے بے خبر بڑھیا

امسال انگلستان میں ایک ایسی عورت کا انتقال ہوا ہے جسے موجودہ جنگ چھڑنے کے وقت سے آخری دم تک یہ خبر ہی نہ تھی۔ کہ اس کا ملک جرمنی یا کسی دوسرے ملک کے ساتھ برسر پیکار ہے۔ اس عورت کی جس کا نام مسز الزبتھ ہیچشا نر تھا۔ موت کے وقت عمر ۱۰۲ برس تھی اس کی قوت سماع زائل ہو چکی تھی۔ اور وہ برطانیہ پر فضائی حملہ کے وقت خطرہ کی گھنٹیوں کی آواز نہ سن سکتی تھی۔ جب شہر میں بلیک آؤٹ ہوتا اور وہ اپنی لڑکیوں سے اس تاریکی کا سبب دریافت کرتی تو اسے جواب ملتا۔ "اماں جان! بجلی گھر میں ہڑتال ہو گئی ہے۔"

لکڑی اور روئی کے مکانات

اس بات کے آثار نمایاں ہیں۔ کہ جنگ کے بعد ہم اینٹ پتھر کے مکانات کی بجائے پلائی وڈ اور روئی کے گھر بنا کر ان میں رہیں گے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ کے زرعی محکمہ نے واشنگٹن کے قریب بیٹسول کے مقام پر پانچ کمروں پر مشتمل ایک عمارت تعمیر کی ہے۔ اس کی دیواریں پلائی وڈ کی ہیں۔ اور ان پر سوتی خول چڑھا ہے۔ اس سوتی چادر پر جو مستحکم اور خوبصورت ہے۔ انواع و اقسام کی تصاویر اور نقوش بھی بنائے گئے ہیں۔ فرش کا بالائی حصہ بھی روئی سے بنایا گیا ہے۔

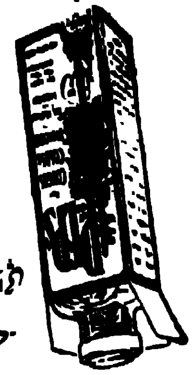
گائے کو مسحور کرنے والا آلہ

امریکہ میں موسیقی کا ایک آلہ ایجاد کیا گیا ہے جسے گائے بھینس کا دودھ دوہنے کے وقت بجایا جاتا ہے۔ موجد کا بیان ہے کہ اس آلہ کی موسیقی مویشی پر دلکش اثر ڈالتی ہے اور وہ معمول سے زیادہ دودھ دیتے ہیں۔

ایک ڈیری فارم میں اس آلہ کا تجربہ کیا گیا اور ثابت ہوا کہ موجد کا دعویٰ غلط نہیں۔ جو گائیں پانچ پانچ سیر دودھ دیتی تھیں۔ انہوں نے موسیقی سے مسحور ہو کر آٹھ آٹھ سیر دودھ دیا۔ اس آلہ کے موجد نے اخبارات کے نمائندوں کو بتایا کہ وہ چند برس پیشتر کاٹ لینڈ گیا تو جہاں اس نے کچھ دیہاتی لڑکیوں کو دودھ دوہتے وقت موسیقی کے قریب کھڑے ہو کر گاتے دیکھا۔ اسی واقعہ سے اس کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ موسیقی کے اثر سے مویشیوں کے دودھ میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

دیدہ دانستہ زیادہ انکم ٹیکس دینے والے

دنیا میں کم از کم ایک ملک ضرور ایسا ہے جس میں لوگ غلطی سے (در اصل دیدہ دانستہ) انکم ٹیکس کی مقررہ رقم سے زیادہ روپیہ سرکاری خزانہ میں داخل کر دیتے ہیں۔ اس ملک کا نام ہے۔





د ل چ س پ

لطائف و ظرائف

انگلستان میں ایک خوش پوش عورت جس نے کفایت شعاری کے خیال سے کوئی منشی ملازم نہیں رکھا تھا اپنے مکانات کے کرائے خود وصول کر رہی تھی۔
وہ ایک شخص کے ہاں گئی جو بہت مفلس معلوم ہوتا تھا عورت نے مطالبہ کیا کہ اس کے پاس کرایہ دینے کو نہیں ہے۔ اس نے پہلے ہی سے رام و متعجب ہو کر اس نے کہا، "سنئیے میں۔ دیکھو تو سہی۔ مادہ عمارت کتنی بری حالت میں ہے۔"
"ہاں محترمہ" اس نے جواب دیا۔ "سفید ہی نہیں ہوئی اس لئے اگر آپ بھی چھ برس تک عمارہ استعمال کریں تو آپ کی حالت بھی بادرچی خانہ جیسی ہو جائے"

رام سنگھ نے ایک آہ بھر کر کہا "آجکل لوگ کتنے بے ایمان ہو گئے ہیں۔ کسی پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا"
"آخر ہوا کیا ہے؟" اس کی بیوی نے پوچھا۔
"وہ میرہ گردش ہے۔ کھاری باؤلی میں اس نے

مجھے کھوٹی اٹھنی دے دی۔"
"لاؤ۔ میں دیکھوں تو۔"
"اب میرے پاس نہیں ہے۔ سبزی والے کے کچھ پیسے دینا باقی تھے۔ میں اس میں وہ اٹھنی ہی اُسے دے آیا۔"

ایک حبشی پر سرقہ کا مقدمہ چلا۔ مجسٹریٹ کو شک تھا کہ ملزم حلف کے معنی نہیں سمجھتا اس لئے اس نے مطلب واضح کرنے کے لئے پوچھا۔
"کیا تم جانتے ہو کہ جھوٹ بولنے کا نتیجہ کیا ہوگا؟"
"جی ہاں۔ مجھے دوزخ کی آگ میں جلنا پڑے گا۔" حبشی نے کہا
مجسٹریٹ بولا: "بالکل درست ہے۔ اور یہ بھی جانتے ہو کہ اگر تم نے سچ بیان کیا تو کیا ہوگا؟"
حبشی نے منہ لٹکا کر جواب دیا۔ "میں مقدمہ ہار جاؤنگا۔"

ایک عورت:- سُنا تھا کہ وہ اپنے شوہر سے طلاق لے رہی تھی۔ اب وہ اس کے پاس واپس کیوں چلی گئی ہے؟
دوسری:- جب اس نے سنا کہ اس کا شوہر اس کے بغیر بہت خوش ہے تو اس نے اپنا ارادہ بدل ڈالا

شوہر نے کہا، "یہ درست ہے کہ بچہ تکلیف فرما دیتا ہے لیکن یاد رکھو جھولے کو ہلانے والا ہاتھ ہی دنیا پر حکومت کرتا ہے"
بیوی نے جواب دیا: "تو آج شام کے لئے دنیا کی حکومت تم لے لو۔ میں ذرا سینما دیکھ آؤں!"

فوجی مشق کے لئے سپاہی ایک گاؤں میں گئے۔ اور دو حصوں میں بٹ گئے ایک حصہ کو "دشمن" کا پارٹ دیا گیا۔
"دشمن" کا ایک سپاہی ایک پھاٹک پر کھڑا تھا۔ کہ ایک بڑھیا نے گھر سے باہر آ کر اسے ایک سیب پیش کیا۔ اور پوچھنے لگی۔ "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"
"میں ــ میں دشمن ہوں" سپاہی نے جواب دیا۔
"دشمن ہو تو میرا سیب واپس دے دو۔" بڑھیا بے صبری سے کہنے لگی۔

خطرہ کا الارم بجتے ہی شوہر بستر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بیوی سے کہنے لگا، "جلدی کرو دشمن کے ہوائی جہاز آ رہے ہیں۔"
لیکن اس نے دیر کر دی۔ شوہر بے صبر ہو کر کہنے لگا۔ "تم دیر کیوں کر رہی ہو!"
وہ بولی۔ "اپنے مصنوعی دانت میں نے میز پر رکھے تھے وہ ملتے نہیں۔"
خاوند کہنے لگا۔ "نہیں ملتے تو نہ سہی۔ دشمن کے طیارے بم پھینکیں گے روٹیاں نہیں۔"

باپ کہنے لگا: "ہماری بیٹی کی عمر کچھ زیادہ تو نہیں ہوئی وہ اس وقت تک انتظار کر سکتی ہے جب تک اسے کوئی عمدہ شوہر نہ ملے۔"
ماں بولی۔ "آخر وہ کب تک بیٹھی رہے۔ میں نے بھی عمدہ آدمی کا انتظار کب کیا تھا۔"

ایک دوست:- وہ شخص کہہ رہا تھا کہ اس کا تعلق بڑے بڑے وزیروں سے ہے اور وہ ہر روز ان کے پاس جاتا ہے۔
دوسرا:- جی ہاں۔ وہ حجام ہے۔

"ریاست" پڑھو اور "ریاست" میں اشتہار دو



Printed at Jayyed & Ranjit Press Delhi and Published from the "Riyasat" Office ... Printer, Publisher & Editor Mr. Zaffar Ahmad

WANTED candidates to qualify as Sub-Engineers; Overseers by post. Our successful students hold lucrative posts all over India, Burma and Ceylon. For free illustrated prospectus apply to the Principal

British India Technical College (R.B.), Sukkur, Sindh

In the language of flowers



PANSY
MEANS
Think of me

And when it comes to seeds think of Pocha's— — — Purveyors of vegetable and flower seeds and bulbs of pedigree, quality, freshness and tested germination.

Write for our

Free Catalogue

—— P. Pocha & Sons
Seed Merchants
8, Napier Road, Poona

ایمپائر ہوٹل اجمیر

جب آپ اجمیر تشریف لائیں تو ایمپائر ہوٹل کو ضرور یاد رکھیں۔ جہاں آپ گھر کا سا آرام محسوس کریں گے۔ لذیذ کھانے اور آرام دہ سامان اس کا طرۂ امتیاز ہیں۔ ایک بار کا قیام آپ کو ہمیشہ اسی ہوٹل میں ٹھیرنے پر مجبور کریگا۔

(منیجر)



گورنمنٹ سلک ویونگ فیکٹری میسور کا
میسور ساڑھی
پہن کر امتیازی شان پیدا کیجئے

ساڑی حسب ذیل سے مل سکتا ہے:
میسرز گوکل چند کھنہ اینڈ کمپنی۔ ۲۲۲۔ کٹڑہ نیل۔ چاندنی چوک۔ دہلی



فلمستان

عظیم الشان تصویر کا عظیم الشان خیر مقدم

(بھکتی ہٹس ٹوٹ گئے۔ سکندر دیکھنے کیلئے تماشائیوں کا بے پناہ ہجوم۔ مقبولیت کے تمام گزشتہ ریکارڈ ات ہوگئے۔"

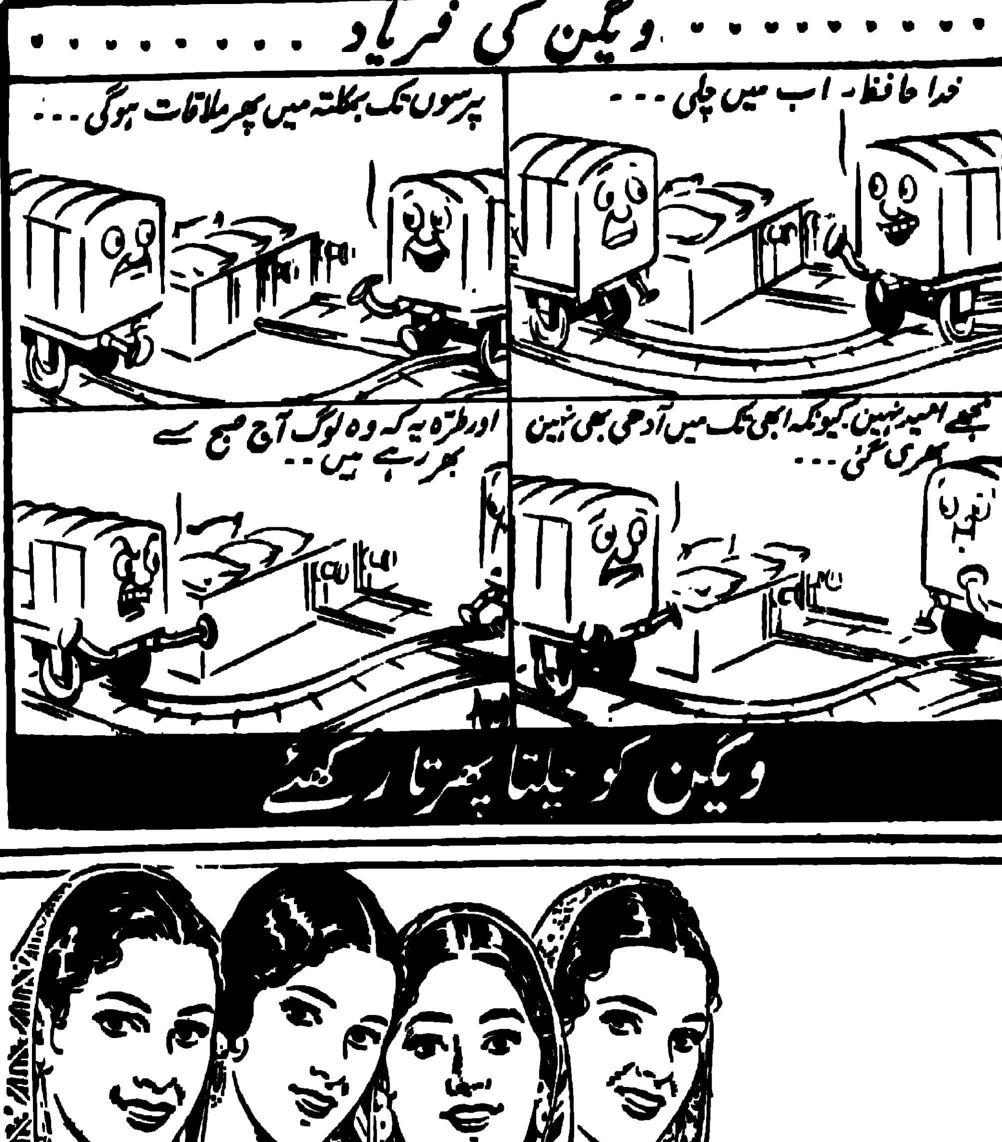
یہ ان تاروں کا خلاصہ جو شمالی ہند کے بعض اہم شہروں سے وصول ہوئے ہیں۔ ایسا ہونا قدرتی تھا کیونکہ منروا مووی ٹون نے تیار کیا ہے۔ سہراب مودی نے ڈائرکٹ کیا ہے اور اس کی تصویر کشی پر دس لاکھ روپیہ اٹھ گیا ہے۔ اس تصویر میں خصوصیات اتنی زیادہ ہیں کہ مختلف مذاق رکھنے والے بھی اس بارے میں یک زبان ہیں۔ سکندر بہترین تاریخی تصویر ہے جو آج تک ہندوستان میں تیار کی گئی۔

بعض لوگ فاتح سکندر سے متاثر ہوتے ہیں جس نے دنیا کو فتح کیا لیکن اپنا دل ایک یونانی دوشیزہ کے ہاتھوں لٹایا تھا دیگر لوگ مہاراجہ پورس کی حب الوطنی اور شجاعت پر فدا ہیں جس نے آزادی وطن کے لئے سب کچھ قربان کر دیا۔ ایران کے شاہی محلات اور مہاراجہ پورس کا دربار، ان تماشائیوں پر خاص اثر کرتے ہیں۔ اس تصویر میں بارہ ہزار اداکاروں نے حصہ لیا ہے۔

رخسانہ کی حیثیت سے وفادار اور سکندر کی حیثیت سے پرتھوی راج انتہائی معراج پر پہنچ گئے ہیں۔ سہراب مودی کے لئے یہ تصویر سرگرم کامیابی کی حامل ہے۔ ایک عظیم پروڈیوسر، دوسرے ڈائرکٹر۔ اور تیسرے کامیاب اداکار کی حیثیت سے۔

مسٹر سیتہ موتی اور مسٹر اکبر حیدری "نیشنل" میں

گذشتہ ہفتہ مسٹر سیتہ موتی نیشنل سٹوڈیوز میں تشریف لائے مسٹر فضل بھائی نے ان کا استقبال کیا اور ان کا تعارف ڈائرکٹر محبوب سے کرایا۔ مسٹر سیتہ موتی نے "روٹی" میں دلچسپی کا اظہار کیا اور مسٹر محبوب کو شانتی کے باغ میں اس فلم کے لئے خود کاشت کرتے دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔ ڈائرکٹر محبوب کے نام ایک پیغام میں انہوں نے کہا کہ وہ عورت نے عاشق کو کبھی بھول نہیں سکیں گے اور امید ظاہر کی کہ ہندوستان سوراجیہ حاصل کرلیگا اور اس وقت نیشنل نہ صرف تفریح بلکہ مجلسی، اقتصادی اور تمدنی ترقی کے لئے بھی تصاویر



بنائے گی۔

تین روز بعد راشٹ آنریبل سر اکبر حیدری ممبر محکمہ اطلاعات حکومت ہند نے ایسی ہی ... ایک اور ... افسر ... آبادی ... کام کرنے ... دوسرے ... قدم ... سے ظاہر ہے کہ ... کے لئے ... ہوئی ہے

"اشوک کا چندن"

اشوک پکچرز کی تازہ تصویر ... کی تصویر کشی ... میں ... گیا لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ یہ تصویر ... کامیاب ہوگی۔

اشوک ... کے ... حقوق کی خریداری کے لئے ... ہو رہے ہیں۔ اشوک

اس کے مقابلہ ناکافی ثابت ہوتی ہے۔ بہرحال احاطہ بمبئی کے لئے سین تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔

نئی فلم کمپنیاں

حال ہی میں دو نئی فلم کمپنیاں قائم ہوئی ہیں۔ ایک ہے پلوار پکچرز۔ اس کے پہلے فلم کی تصویر کشی شروع ہو گئی ہے۔ دوسری کمپنی کا نام ہے سیجیون پکچرز۔ اس کی پہلی تصویر "ملتینا" ہوگا۔ یہ تصویر دشنو سٹوڈیوز میں تیار ہونا شروع ہوگا۔

مظہر خان "میری دنیا" میں

نیشنل آرٹسٹس کا پہلا رومانی فلم ہندوستان کے مشہور کیرکٹر ایکٹر مظہر خان کی ڈائرکشن میں بڑی سرعت کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔ بیرونی مناظر لئے جا چکے ہیں۔ فلم کے گانوں کی صدا بندی کی جا چکی ہے اور اب مظہر خان بڑی سرگرمی کے ساتھ اندرونی مناظر کی فلم بندی کر رہے ہیں۔

نمبارو کی سندھ کی سب سے زیادہ مشہور داستان عشق ہے جسے ہندوستان کے سب سے بڑے کیرکٹر ایکٹر مظہر خان پردۂ سیمیں پر پیش کرتے ہیں۔ محبت ... اور درس صلح و آشتی کا پیغام ہندوستان کے گوشے گوشے تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ ماروی "یا میری دنیا" میں مظہر خان نہ صرف ایک اداکار کی حیثیت سے پردۂ فلم پر دکھائی دیں گے بلکہ پس پردہ آپ کی ڈائرکشن کی جھلک بھی نظر آئے گی۔

"پردہ نشین" میں نئے چہرے

ہندوستان فلم کارپوریشن کی پہلی مجلسی فلم "پردہ نشین" میں بعض نئے چہرے نظر آتے ہیں۔ حسینہ۔ کنیز۔ فیروز بیگم۔ وید مترا۔ اپنچ پی شرما اور ز۔ ڈ۔ شی نے اس تصویر میں کام کیا ہے۔



زمانۂ حال کی سحر (جادو)



ایک مریض پر عمل جراحی کیا جا رہا ہے

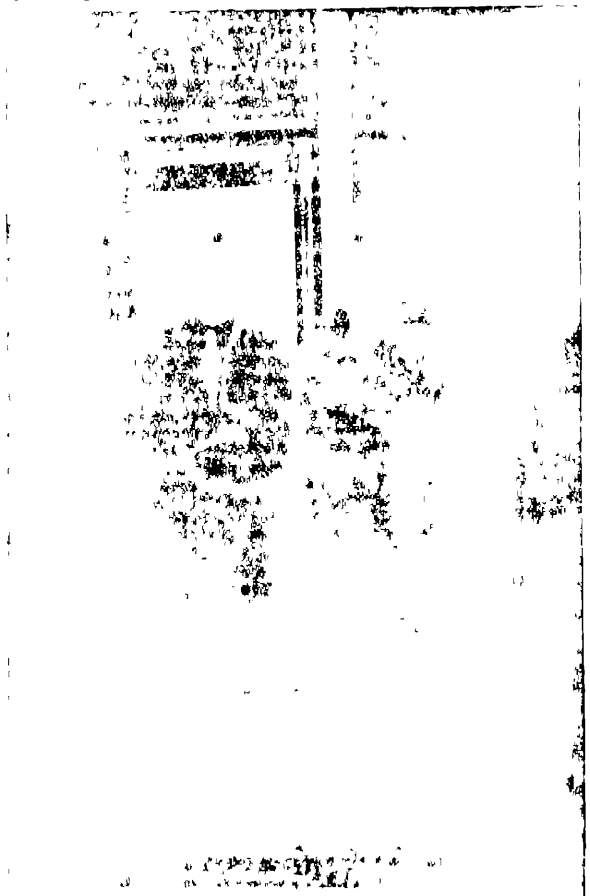


منروا کے "سکندر" کے چند عالیشان مناظر

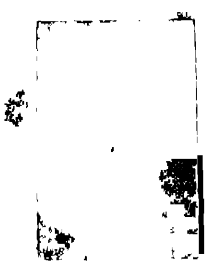


"سکندر" کی ہیروئن ونمالا دیوی ایم اے بی ٹی

Registered No. L. 1722.

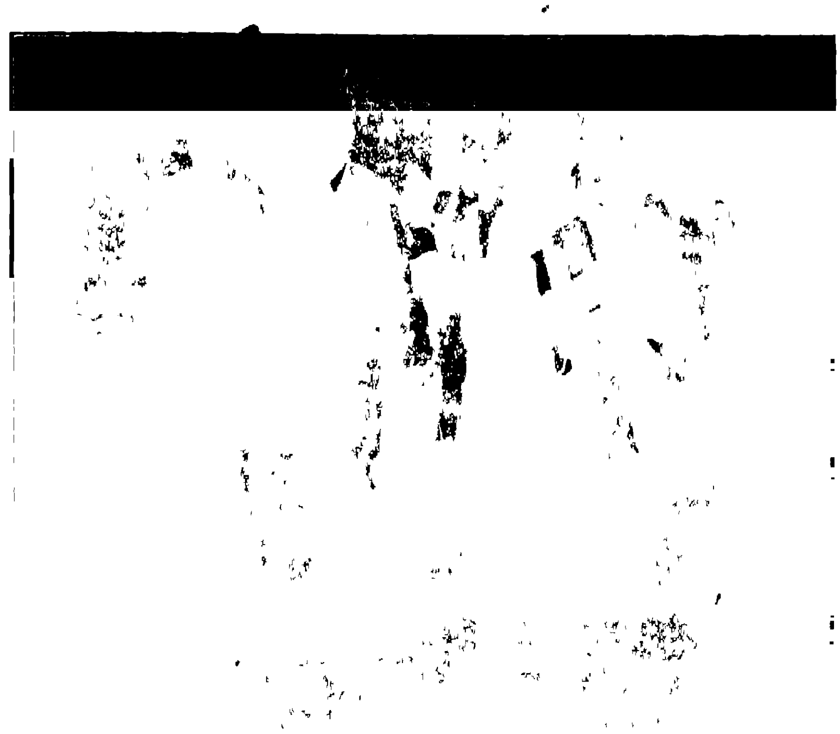


کلونت سنگھ

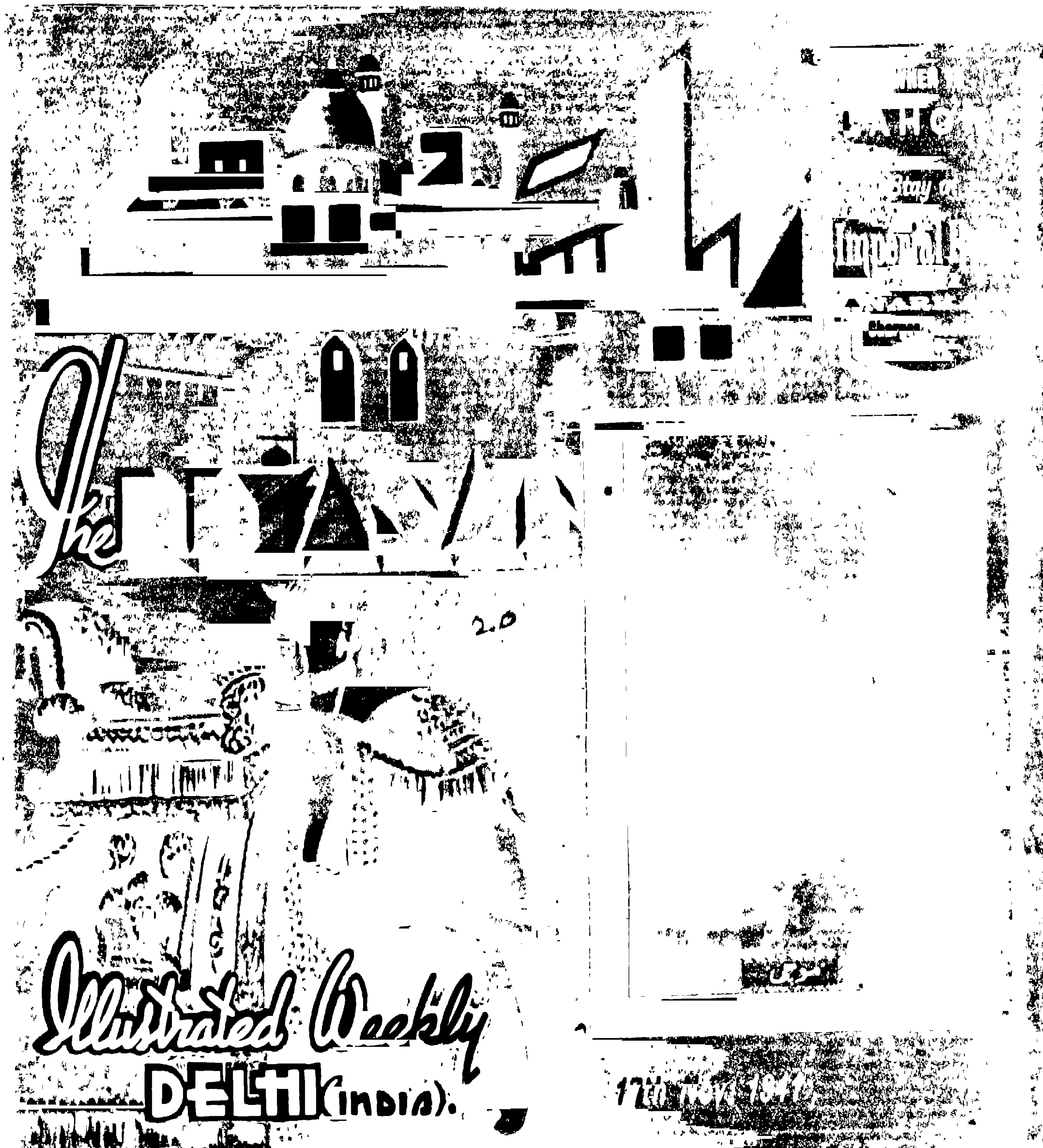


لدھیانہ کے ڈپٹی کمشنر
مقرر ہوئے ہیں .





حال ہی میں ... کی کنٹرول کانفرنس ہو رہی ہے



Bombay



Calcutta

OFFICE
YUSUF BUILDING
CHURCHGATE ST.

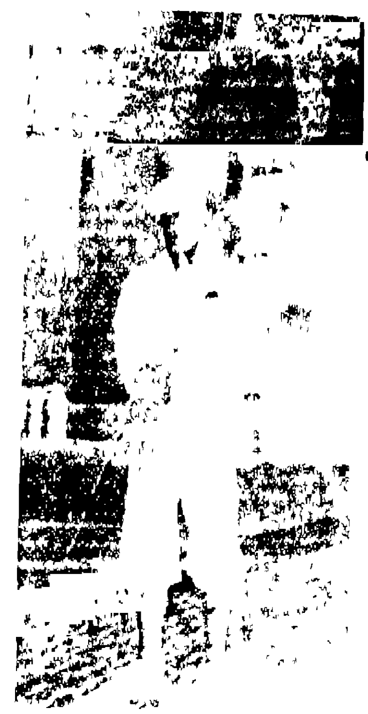
OFFICE
1. WATERLOO ST
P.O. BOX 2081.

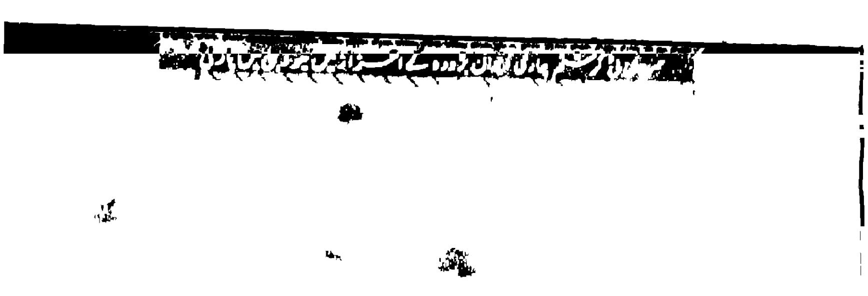




کرنل لنڈ برگ کی مخالفت کے باوجود
امریکی سینٹ نے غیر جانبداری کے
قانون میں ترمیم منظور کر لی ہے

ایک بحری بیڑہ نے بحیرۂ روم میں متعدد اطالوی
تجارتی اور باربرداری کے جہاز غرق کردئے ہیں





ہندوستان کا بہترین باتصویر اُردو ہفتہ وار

نمبر ۲۰

قیمت سالانہ چار روپے

فی پرچہ ایک آنہ

قیمت ممالک غیر سالانہ آٹھ روپے

CALCUTTA OFFICE
1 WATERLOO ST
P O BOX 2081

BOMBAY OFFICE
YUSUF BUILDING
CHURCHGATE

ہندوستان کا ڈیفنس ہندوستانیوں کے ہاتھ میں

وقت کی سب سے بڑی ضرورت

مرکز میں ذمہ دار قومی حکومت کا قیام

آزادیٔ ہند کی اہمیت کا اعتراف اب خود برطانیہ کے سنجیدہ طبقہ میں بھی کیا جا رہا ہے۔ پچھلے دنوں مشہور برطانوی انشاپرداز مسٹر ایچ۔ جی۔ ویلز کی قیادت میں انگلستان کے متعدد مصنفوں، پارلیمنٹ کے ممبروں اور معزز شہریوں نے آزادیٔ ہند کی حمایت میں آواز بلند کرتے ہوئے مسٹر چرچل سے مطالبہ کیا تھا۔ کہ اٹلانٹک چارٹر کا اطلاق ہندوستان پر بھی کیا جائے۔ اب مسٹر بلسفورڈ نے جو لیبر پارٹی کے ایک مشہور لیڈر اور پارلیمنٹ کے ممبر ہیں۔ "ہندوستان کی آزادی" کے عنوان سے ایک طویل مضمون لندن کے اخبارات میں شائع کرایا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں۔

"ہم اب تک ہندوستان کی حفاظت کے ذمہ دار رہے ہیں۔ لیکن اب ہماری پالیسی غلط ہے ہمیں خود ہندوستانیوں کو اپنی حفاظت کے قابل بنانا چاہئے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر اس معاملہ میں ہندوستانی امداد نیک نیتی کے ساتھ کریں۔ تو وہ اپنے وطن کی آزادی کے بہترین محافظ ثابت ہوں گے۔"

اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسٹر بریلسفورڈ کے قلم سے جو الفاظ نکلے ہیں۔ وہ حق صداقت کے گہرے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ برطانوی حکومت کی جانب سے ہندوستانیوں کے متعلق عام طور پر یہ کہا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے وطن کی حفاظت کے قابل نہیں ہیں۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ ہندوستانیوں کی اس قابلیت کو سلب کس نے کیا اور انہیں اس قدر مفلوج و اپاہج کس نے بنا دیا کہ وہ آزادی جیسی بیش قیمت چیز کی بھی حفاظت نہ کر سکیں۔ ہندوستان کے فرزندوں کو بزدل ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ ان کی جنگی صلاحیتوں کا اعتراف خود برطانوی حکومت کو ہے۔ گزشتہ جنگ یورپ میں ہندوستانی سپاہیوں نے یورپ کے اجنبی ماحول میں جس حیرت انگیز طریقہ پر داد شجاعت دی اس کی یاد اب بھی دلوں میں تازہ ہے۔ اور موجودہ جنگ میں بھی ہندوستانیوں کی شجاعت اور دلیری کا ہر طرف اعتراف کیا جا رہا ہے۔ اگر برطانیہ ہندوستان کو فوجی طاقت سے محروم رکھنے کی پالیسی ترک کر دے اور آزاد ہندوستان کی حفاظت کا بار ہندوستانیوں پر چھوڑ دے۔ تو کون کہہ سکتا ہے کہ ہندوستانی سپاہی اپنے وطن کی آزادی کے بہترین محافظ ثابت نہیں ہوں گے؟

اپاہج ہندوستان جہاں چھ انچ کا چاقو تو رکھنا بھی جرم ہو۔ اپنی حفاظت کے لئے برطانوی سنگینوں کا محتاج رہ کر برطانیہ کے لئے یقیناً ایک بار بن سکتا ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ جنگ یورپ کے جہاں سوز شعلے ایشیا تک پہنچ رہے ہیں۔ برطانیہ کے سامنے محض مغربی محاذ نہیں بلکہ مشرقی محاذ کی حفاظت کا سوال بھی ہے۔ اگر آج ہندوستان آزاد ہوتا ہے۔ اگر آج آزاد ہندوستانیوں کے بازوؤں میں اپنے بچاؤ کی طاقت ہوتی تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا صورت حال خود برطانیہ کے لئے مفید ثابت نہ ہوتی۔ اور کیا برطانیہ مشرق کی حفاظت کا بار اپنے آزاد حلیف ہندوستان پر چھوڑ کر اطمینان سے صرف مغربی مورچہ کو نہیں سنبھال سکتا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ برطانوی حکومت نے اب تک اس اہمیت کو سمجھنے ہی کی کوشش نہیں کی۔ اسکے خیال میں ہندوستانیوں کا سرکاری فوج میں تنخواہ کے لئے بھرتی ہو جانا ہی عین ہندوستان کی شرکت جنگ ہے۔ مسٹر بریلسفورڈ نے اس مسئلہ پر خوبصورتی سے روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

"غریب آدمی فوج میں سپاہیوں کی حیثیت سے یا فیکٹریوں میں کام کرنے کے لئے ہی جاتے ہیں لیکن ان کا مقصد محض تنخواہ لینا ہوتا ہے۔ اب قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہندوستان دل و دماغ اور تعلیم یافتہ طبقہ برطانیہ کی اس قومی جدوجہد میں ہمارے ساتھ شریک ہے؟ اس سوال کا ایک ہی جواب ہے کہ ہندوستان ہمارے لئے من حیث القوم نہیں لڑیگا۔ اگر وہ صدق دل کے ساتھ لڑ سکتا ہے تو صرف اپنے وطن کی آزادی کے لئے۔ اور یہ صورت اسی وقت ممکن ہے جب ہندوستان میں خود ہندوستانیوں کی قومی حکومت موجود ہو۔"

مسٹر بریلسفورڈ نے ان الفاظ سے نہ صرف ہندوستانی [illegible] بلکہ انسانی نفسیات کی صحیح نبض شناسی کی ہے۔ ہندوستانیوں کو فاشیزم اور نازیت سے جس قدر نفرت ہے اس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس نفرت کے باوجود ہندوستانیوں کے دلوں میں شرکت جنگ کا پُرجوش جذبہ اس وقت تک کسی طرح پیدا کیا جا سکتا ہے۔ جب تک انہیں اس بات کا یقین نہ ہو کہ نازی فتنہ کے استیصال کے بعد دنیا میں کمزور اقوام کے لئے آزادی کا نیا دور شروع ہوگا۔ اس سے ہندوستانی بھی مستفید ہو سکیں گے۔ ایک طرف تو حکومت برطانیہ کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ کمزور و محکوم ممالک کو جرمنی کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے شمشیر بکف ہے اور اس کار خیر میں ہندوستانیوں کا تعاون بھی حاصل کرنا چاہتی ہے اور دوسری جانب وہ ہندوستانیوں سے کہتی ہے کہ جرمنی کی شکست کے بعد دنیا پر جو آزادی و مساوات کی بارش ہوگی اس سے ہندوستانیوں کو کشت تمنا بدستور محروم رہے گی۔ کیا یہ انمل بے جوڑ پالیسی کسی طرح صحیح قرار دی جا سکتی ہے؟

مسٹر بریلسفورڈ نے ہندوستان کے موجودہ آئینی تعطل کو دور کرنے کے لئے حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ وہ صوبجات میں کانگریس منسٹریوں کو دوبارہ برسر اقتدار آنے کا موقع دے اور مرکز میں ذمہ دار حکومت قائم کر دے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ برطانوی حکومت اس مشورہ پر عمل کرنے کے لئے کس حد تک تیار ہو سکے گی۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کے درد کا صحیح علاج یہی ہے اور سوائے اس کے ہندوستان کے موجودہ ڈیڈ لاک کو ختم کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ حکومت اگر تدبر کے اعتبار سے ابھی بالکل دیوالیہ نہیں ہوئی ہے تو اسکا فرض ہے کہ جنگ کے اس خطرہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو آہستہ آہستہ ہندوستان کی جانب بڑھ رہا ہے۔ کانگریس کا مطالبہ تسلیم کرلے اور اس وعدہ کے بعد کہ خاتمہ جنگ پر مظلوم یورپین قوموں کی طرح ہندوستانیوں کو بھی آزادی کی فضا میں سانس لینے کا حق حاصل ہوگا۔ مرکز میں ایک ذمہ دار قومی حکومت قائم کر دے۔ تاکہ ہندوستان کے فرزند اپنی تنخواہوں کے خیال سے یا برطانوی استعمار کی حفاظت کے لئے نہیں بلکہ اپنے وطن کی آزادی کے لئے پورے جوش و خروش کے ساتھ جنگ میں تعاون کر سکیں۔ اس صورت میں ان کی شرکت جنگ کسی ذاتی فائدہ یا خوشنودیٔ حکومت کے خیال سے نہیں بلکہ اپنے ایمان اور ضمیر کی آواز کو لبیک کہنے کے لئے ہوگی۔ اور ایسی ہی شرکت حقیقی معنوں میں برطانیہ کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

ڈاکٹر متھراداس حیدرآباد میں

تازہ اطلاعات سے ہمیں یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ حکومت نظام نے ہندوستان کے نامور ترین ماہر امراض چشم ڈاکٹر متھراداس آف موگہ کی خدمات سے اپنی رعایا کو مستفید کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ چنانچہ حکومت کی دعوت پر ڈاکٹر صاحب

۱۸ نومبر [illegible] **حیدرآباد تشریف لے** جائیں گے۔ جہاں حکومت کی جانب سے آنریبل سید عبدالعزیز وزیر عدل و انصاف کی نگرانی میں مریضان چشم کے لئے کیمپ قائم کیا جائے گا۔ اور اس کے مصارف حکومت اور اس کے معزز ارکان برداشت کریں گے۔

ڈاکٹر متھراداس کی شہرت اب کسی تعارف کی محتاج نہیں رہی ہے۔ ان کے دست مسیحائی سے اس وقت تک لاکھوں بندگان خدا اپنی کھوئی ہوئی بصارت دوبارہ حاصل کر چکے ہیں اور ڈاکٹر صاحب کے کمالات فن کا اعتراف تمام دنیا میں کیا جاتا ہے حکومت حیدرآباد نے اپنی غریب رعایا کو ڈاکٹر متھراداس کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کا جو موقع دیا ہے اس کے لئے وہ مستحق ستائش ہے۔ اور ہم اسے اس کار خیر پر مبارکباد دیتے ہوئے حکومت دہلی کو مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں۔ کہ وہ حکومت نظام کی روشن مثال اپنے سامنے رکھے ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سال گزشتہ جب دہلی کے چند مخیر اصحاب نے ڈاکٹر صاحب کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ کوشش کی کہ غریب مریضان چشم کے لئے پرانے قلعہ میں کیمپ قائم کیا جا سکے تو حکومت نے اس خدمت خلق کے لئے پرانا قلعہ دینے سے انکار کر دیا۔ اور اب بھی جبکہ ڈاکٹر صاحب دہلی میں کافی عرصہ کے لئے تشریف لا رہے ہیں اور کچھ لوگوں کی خواہش ہے کہ غریب مریضان چشم کو ڈاکٹر متھراداس کی خدمات سے مستفید کرنے کے لئے پرانے قلعہ میں کیمپ قائم کیا جائے حکومت دہلی ابھی اس کے لئے تیار نہیں ہوئی ہے۔

ہم انسانی ہمدردی کے نام پر حکومت دہلی سے پُرزور اپیل کرتے ہیں۔ کہ وہ پرانے قلعہ میں مریضان چشم کے لئے کیمپ قائم کرنے کی اجازت دیدے تاکہ سینکڑوں وہ غریب بندگان خدا جو آنکھوں کی نعمت سے محروم ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر متھراداس جیسے نامور ترین ماہر فن کے علاج سے فائدہ اٹھا سکیں۔

دیولی کیمپ کے نظربندوں کی رہائی

تین ہفتوں کی طویل بھوک ہڑتال سے دیولی کیمپ کے بیشتر سیاسی نظربندوں کی حالت بہت خراب ہو چکی ہے۔ اور چند ایسے لوگوں کو جن کی حالت زیادہ نازک ہو گئی تھی۔ حکومت نے رہا کر دیا ہے۔ حکومت کی موجودہ پالیسی یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی قیدی کو اسی وقت رہا کیا جائے جب کہ وہ مرگ و زیست کی کشمکش میں گرفتار ہو۔ اور حکام جیل کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ اسے قید خانہ میں رکھنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر بھوک ہڑتال کا افسوسناک سلسلہ اسی طرح طول کھینچتا رہے تو سبھی قیدیوں کی حالت ایک نہ ایک دن نازک ہو جائیگی۔ اور حکومت ایک ایک کرکے سارے قیدیوں کو رہا کرنے پر مجبور ہوگی۔

جب یہ صورت حال ہے تو کیوں نہ حکومت ان مظلوم نظربندوں کو اب بغیر کسی تاخیر کے رہا کر دے۔ اور اس بات کا انتظار نہ کرے کہ موت کے دروازے کے قریب پہنچ سکیں۔ اس طرح حکومت کی بدنامی بھی نہ ہوگی اور ملک پر ان نظربندوں کی رہائی کا اچھا اثر پڑے گا۔

تپ دق کا پہلا دیسی ہسپتال

کانگرس منسٹریوں نے اپنے عہد اقتدار میں بہبود خلق کے بہت سے کام کئے ان میں یو۔ پی منسٹری کا یہ کارنامہ بھی قابل ستائش ہے کہ اس نے حکیم محمد احمد جیری صاحب کے زیر انتظام علی گڑھ میں تپ دق کا پہلا دیسی ہسپتال قائم کیا۔ جس کی رسم افتتاح پنڈت جواہرلال نہرو نے انجام دی تھی۔ اس ہسپتال کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے جو فاقہ کش فرزند تپ دق میں مبتلا ہو جانے کے بعد مغربی طریقہ علاج، قیمتی ادویات کی خریداری اور سینیٹوریموں میں قیام کے گرانبار مصارف برداشت نہیں کر سکتے ہیں ان کا علاج علی گڑھ میں معمولی دیسی دواؤں سے کیا جائے۔ نہ صرف یو۔ پی بلکہ ہندوستان میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا تپ دق کا ہسپتال تھا جس سے غریب باشندوں کو بہت فائدہ پہنچا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر کانگرس منسٹری یو۔ پی میں دو چار سال اور قائم رہ جاتی تو یہ دیسی ہسپتال آج کس انتہائی ترقی پر ہوتا لیکن افسوس ہے کہ کانگرس منسٹریوں کا اقتدار زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا اور اس سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ موجودہ پراونشل حکومتوں نے اپنی پرسینج پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے کانگرس منسٹریوں کی بعض ایسی یادگاریں مٹانے کی بھی کوشش کی جو درحقیقت ملک و قوم کے لئے بہت مفید تھیں۔ چنانچہ علی گڑھ کا یہ دیسی ہسپتال بھی کوئی سرپرست نہ ہونے کی وجہ سے مرگ و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہے۔

ہندوستان میں تپ دق کی افسوسناک شرح موت پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں اور یہ حقیقت بیکار ہے کہ متمدن ممالک میں سب سے زیادہ غریب ہندوستان ہے جس کی نصف سے زیادہ آبادی کو ایک وقت بھی پیٹ بھر کر روٹی نصیب نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ انگریزی دوائیں زیادہ قیمتی ہوتی ہیں جن کے متحمل فاقہ کشان ہند نہیں ہو سکتے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر سال لاکھوں ہندوستانی بغیر علاج کے تپ دق کی منحوس چوکھٹ پر بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ ان حالات میں علی گڑھ کے اس دیسی ہسپتال کو جو کانگرس منسٹری کی سرپرستی میں قائم ہوا تھا ایک نعمت کہا جا سکتا ہے اور اس کی جانب سے ملک و حکومت کی بے اعتنائی افسوسناک ہے۔ ضرورت ہے کہ حکومت یو۔ پی اور خاص کر لیڈی لنلتھگو جو تپ دق کے سلسلہ میں مفید خدمات انجام دے رہی ہیں اس دیسی ہسپتال کی جانب متوجہ ہوں اس کی مالی امداد کی جائے اور اسے یو۔ پی کے انڈین میڈیسن بورڈ میں نمائندگی کا حق حاصل ہو۔

ایم۔ اسٹالین امیدوں کی دنیا میں

روسی لیڈر ایم۔ اسٹالین نے سرخ انقلاب کی بیسویں سالگرہ کے موقع پر جو پُرجوش تقریر کی ہے اس سے دو باتیں صرور ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض دوسرے سربراہوں کے مقابلہ میں یہ مرد رہنما غیر معمولی طور پر دلیر اور صاف واقع ہوا ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ ماسکو جرمن توپوں کی زد میں آ چکا ہے۔ اس کے بیرونی استحکامات ٹوٹ چکے ہیں اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ مزدوران عالم کے اس مرکز ارادت پر کب جرمن قبضہ ہو جائے گا ایم۔ اسٹالین ماسکو سے باہر نکلنا پسند نہیں کرتے۔ اور حیرت انگیز اخلاقی جرات سے کام لے کر اپنے ہولناک نقصانات کا اعتراف کرتے ہیں۔ دوسری یہ بات کہ ایم۔ اسٹالین نے چند سال بیشتر جو ایسے چند رفیقوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور جس پر دنیا کے ہر گوشہ میں جو میگوئیاں کی گئی تھیں وہ یقیناً ان کا ایک مدبرانہ قدم تھا اور آج اس کے اسی اقدام کا یہ نتیجہ ہے کہ خوفناک شکستوں کے باوجود روسی وحدت کی تمام کڑیاں بدستور مستحکم ہیں۔ اور وہاں موجودہ نظام حکومت کے خلاف آواز بلند کرنے کے لئے کوئی ٹروٹسکی پیدا نہیں ہوا لیکن ایم۔ اسٹالین کی قابل فخر اخلاقی جرات اور حیرت انگیز دماغی صلاحیتوں کا اعتراف کرنے کے ساتھ ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ انھوں نے جرمنی کی شکست اور ہٹلر کے متعلق جو پیشین گوئیاں کی ہیں بظاہر ان کا کوئی امکان نہیں ہے اور ہم نہیں سمجھ سکتے کہ امریکہ و برطانیہ کی فوجی امداد کے بغیر روس کے بہادر فرزند اور کسان نازی یلغار کو روکنے میں کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے برطانیہ کو ہمیشہ یہی مشورہ دیا کہ اگر وہ اپنی مصلحتوں کی بناء پر سردست مغرب میں جرمنی پر حملہ نہیں کر سکتی ہے تو کم از کم قفقاز میں اپنی تازہ دم فوجیں روس کی امداد کے لئے بھیج دے۔

وہاں تک ہمارا خیال ہے خود ایم۔ اسٹالین بھی اس فوری ضرورت کو محسوس کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی تقریر میں اس بات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہ مغربی محاذ پر جرمنوں کو الجھانے کے لئے امریکہ اور برطانیہ کی فوج موجود نہیں ہے یہ امید ظاہر کی ہے کہ مستقبل قریب میں جرمنی کے خلاف ایک دوسرا محاذ ضرور قائم ہو جائے گا۔ ہماری دلی تمنا ہے کہ ایم۔ اسٹالین کی یہ امید پوری ہو اور برطانیہ و امریکہ شدید خطرہ کا احساس کرتے ہوئے فوراً روس کی فوجی امداد کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ روس کی شکست صرف دنیا کے فاقہ کش مزدوروں اور کسانوں ہی کے مفاد کے لئے تباہ کن نہ ہوگی بلکہ امریکی اور برطانوی مفاد کے لئے بھی سخت مضرتیں ثابت ہوگی۔

بھوک ہڑتالیوں کو ناک کے ذریعہ غذا

دیولی کیمپ میں سیاسی نظربندوں کی بھوک ہڑتال کو تقریباً تین ہفتے گزر چکے ہیں اور ملک میں ان کے متعلق تشویش بڑھتی جا رہی ہے لیکن افسوس ہے کہ حکومت نے مظلوم نظربندوں کی شکایات رفع کرنے کے بجائے اب انہیں ناک کے ذریعہ جبراً غذا کھلانے کا افسوسناک طریقہ شروع کر دیا ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ قیدی کو دو چار آدمی مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں اور اس کی ناک میں ربڑ کی ایک نلکی زبردستی ٹھونس دی جاتی ہے جو حلق تک پہنچتی ہے اور اس کے ذریعہ دودھ قیدی کے حلق میں اتارا جاتا ہے یہ طریقہ جس قدر تکلیف دہ ہو سکتا ہے اس کے تصور سے ہی جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اس تکلیف کا ہلکا سا اندازہ ہم اس وقت کر سکتے ہیں جب ہم ذرا سی بہت پتلی بتی ناک کے اندر ٹھونسنے کی کوشش کریں۔

مسٹر جوگیش چندر چیٹرجی جو حال ہی میں سخت بیمار ہو جانے کی بناء پر دیولی کیمپ سے رہا کر دیئے گئے ہیں ان کا بیان ہے کہ دودھ پلانے جانے کے اس طریقہ سے ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہے۔ اور ناک سے خون جاری ہو جاتا ہے۔

ہم حکومت سے پُرزور الفاظ میں مطالبہ کرتے ہیں کہ ایسی حالت میں جبکہ بھوک ہڑتال کو تین ہفتے گزر چکے ہیں اور قیدیوں کی حالت آب و غذا ترک کر دینے کی وجہ سے پہلے ہی بہت خراب ہو رہی ہے۔ وہ غذا پہنچانے کے اس مذموم طریقہ کو فوراً ترک کر دے۔ اگر وہ اس قدر فراخ حوصلگی کا ثبوت دینے کے لئے تیار نہیں ہو سکتی کہ تمام نظربندوں کو رہا کر دے تو کاش وہ انہیں اطمینان و سکون سے مرنے ہی کی اجازت دیدے۔

مس سہراب جی کی تازہ "قومی غیرت"

پارسی خاتون مس کورنیلیا سہراب جی نے لندن کے اخبار "ٹائمس" میں ایک مضمون لکھا ہے کہ مسٹر چرچل اور مسٹر روزولٹ کے مشترکہ اعلان کا اطلاق ہندوستان پر اس لئے نہیں کیا جا سکتا ہے کہ برطانیہ سے ہندوستانیوں کا جھگڑا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی کنبہ کے چھوٹے افراد کا اپنے بزرگ خاندان سے جس میں کسی غیر کو دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

مس سہراب جی ایک ہندوستانی خاتون کا یہ بیان قومی بے غیرتی کا ایسا افسوسناک نمونہ ہے کہ ہمیں اس کی ملامت کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ لیکن مس سہراب جی کی یہ بے حمیتی اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے پیشتر بھی مس کیتھرائن میو کو اپنی رسوائے زمانہ کتاب "مدر انڈیا" کی حمایت کے لئے پینتیس کروڑ ہندوستانیوں میں صرف مس کورنیلیا سہراب جی کی ذات والاصفات ہی دستیاب ہو سکی تھی۔

قومی بے غیرتی کے اس شرمناک مظاہرہ سے قطع نظر ہم حیران ہیں۔ کہ اٹلانٹک چارٹر کو ہندوستان کے لئے ناقابل نفاذ بتاتے ہوئے مس کورنیلیا سہراب جی کو افراد خاندان اور بزرگ خاندان کی مثال کیوں سوجھی۔ حالانکہ برطانیہ کو ہندوستان میں بزرگ خاندان کی نہیں بلکہ ایک آقا کی حیثیت حاصل ہے اور اس کا جھگڑا اپنے غلاموں سے ہے جو آزادی کی فضا میں سانس لینے کے لئے مضطرب ہیں اگر برطانیہ کو ہندوستان میں بزرگ خاندان کی حیثیت عطا کر دی جائے تو ہم پوچھتے ہیں۔ کہ روسی کو ہیم۔ بالینڈ۔ یوگوسلافیہ یا یونان میں بزرگ خاندان کیوں نہیں تسلیم کیا جا سکتا؟

اصل سوال ہمارے سامنے غلام ممالک کو آزادی کی نعمت سے بہرہ ور کرنے کا ہے۔ اور تقاضائے انصاف یہ ہے کہ اگر برطانیہ یورپین ممالک کو نازیوں کی غلامی سے آزاد کرانا چاہتی ہے تو اس کا اخلاقی فرض ہے۔ کہ اپنے مشرقی غلاموں کو بھی آزاد کر دے۔

حکومت ہند کی "باخبری"

پچھلے دنوں نیویارک کے ایک اخبار سنڈے نیوز نے "ہٹلر اور محمد" کے عنوان سے ایک مضمون سپرد قلم کرتے ہوئے لکھا کہ "نوں آشام عصریت" ہٹلر کو نپولین کے بجائے حضرت پیغمبر اسلام سے زیادہ مناسبت حاصل ہے۔ کیونکہ آنحضرت بھی ہٹلر کی طرح بنی نوع انسان کو چند افراد کا غلام بنانا چاہتے تھے۔

گزشتہ مغربی ڈاک سے جب یہ اخبار ہندوستان پہنچا تو قدرتی طور پر مسلمانوں میں بےچینی پیدا ہوئی اور درجنوں اخبارات نے "مغربی اخلاق و تہذیب" کے اس شاہکار پر احتجاج کیا۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ پُرلطف بات یہ ہے کہ جب مندرجہ بالا مضمون پر غور کرنے کے لئے سر عبدالحلیم غزنوی نے اس ہفتہ مرکزی اسمبلی میں تحریک التوا پیش کی اور حکومت پر الزام لگایا کہ وہ مسلمانوں کے جذبات سے کس قدر بے پروائی برتتی ہے تو حکومت کی جانب سے کہا گیا کہ اسے تو تحریک التوا پیش ہونے سے پہلے "سنڈے نیوز" کے اس مضمون کی خبر تک نہ تھی۔

ذرا حکومت ہند کی یہ "باخبری" ملاحظہ فرمائیے کہ تقریباً ایک ماہ سے تمام ہندوستان کے مسلم اخبارات جن میں اردو بھی ہیں۔ انگریزی بھی۔ گجراتی بھی ہیں اور بنگالی بھی۔ برابر احتجاج کر رہے ہیں۔ اور سنڈے نیوز کے خلاف برابر مضامین لکھ کر حکومت کو توجہ دلا رہے ہیں۔ مگر حکومت کے ایوان بلند تک ایک آواز بھی نہیں پہنچتی اور معاملات خارجیہ حکومت ہند کا سکرٹری جیسا ذمہ دار افسر ہندوستان کی پارلیمنٹ مرکزی اسمبلی میں کہتا ہے کہ اسے تو اب تک خبر بھی نہ تھی کہ ایسا کوئی مضمون امریکن اخبار میں شائع ہوا ہے۔ اور مسلم اخبارات اس کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں!

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کے ہر چھوٹے بڑے اخبار پر حکومت کی کڑی نگاہ رہتی ہے۔ کوئی اخبار بھی ایسا نہ ہوگا جس کی ایک سطر حکومت کے ذمہ دار عمال پڑھ نہ لیتے ہوں۔ ڈیفنس آف انڈیا رولز۔ پریس ایمرجنسی پاورز ایکٹ وغیرہ دفعہ ۱۵۳ وغیرہ کی خوردبینیں لگا کر پڑھتے ہوں۔ برطانوی مقاصد کے خلاف کسی اخبار کا ایک لفظ بھی اسے موت کی آغوش میں سلا دینے کے لئے کافی ہے۔ لیکن جب سوال پبلک جذبات کے اظہار کا آتا ہو تو حکومت اس طرح بےخبر بن جاتی ہے کہ گویا اس کی نظر سے کوئی اخبار گزرتا ہی نہیں۔ کیا یہ تجاہل عارفانہ کسی متمدن حکومت کے شایان شان ہو سکتا ہے؟

حکومت یو۔ پی کی تنگ نظری

گزشتہ ہفتہ سرکاری حلقوں میں اسیران سیاسی کی رہائی کے لئے جو تبادلہ خیالات شروع ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں بعض معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ حکومت یو۔ پی سیاسی قیدیوں کی رہائی کے حق میں نہیں۔ خاص کر پنڈت جواہرلال نہرو کی رہائی وہ اپنے مفاد کے لئے مضر سمجھتی ہے اور اس کا خیال ہے کہ اگر پنڈت جی کو رہا کر دیا گیا تو وہ خاموش نہ بیٹھ سکیں گے۔ بلکہ ہندوستان کے طول و عرض میں دورے کر کے جنگی کوششوں میں روڑے اٹکائیں گے۔

اگر حکومت ہند اس مقصد کے پیش نظر سیاسی قیدیوں کو رہا کرنا چاہتی ہے۔ کہ وہ آزادی ہند کے مطالبہ کو پس پشت ڈال کر حکومت کے آلہ کار بن جائیں تو یہ اس کی سخت غلطی ہوگی۔ جن لوگوں نے ایمان و ضمیر کی آواز کو پہچانتے ہوئے قید خانہ کے مصائب کو لبیک کہا ہو ان سے یہ توقع کبھی نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے عقائد کے خلاف کوئی قدم اٹھانا پسند کریں گے لیکن اگر اسیران سیاسی کی رہائی سے حکومت کا مقصد یہ ہے کہ ملک کی فضا خوشگوار ہو جائے۔ تو حکومت یو۔ پی یا کسی دوسری پراونشل حکومت کا تذبذب غیر ضروری ہے۔ جب حکومت ہند نیک نیتی کے ساتھ ہندوستانیوں کی شکایات رفع کرنا چاہے گی اور ہندوستانیوں کو یہ موقع دیگی کہ وہ مساویانہ حیثیت سے برطانوی ساعی جنگ میں حصہ لے سکیں۔ تو پنڈت جواہرلال نہرو یا کسی دوسرے لیڈر کو حکومت کی راہ میں روڑے اٹکانے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوگی۔

مسٹر فضل الحق کی تازہ "بے نمکی"

تازہ اطلاعات کے مطابق مسٹر ابوالقاسم فضل الحق نے مسلم لیگ کی ہائی کمانڈ سے اپنے گزشتہ "باغیانہ" خط کی معافی مانگ لی۔ ان کا معافی نامہ لے کر سر ناظم الدین ہوم منسٹر دہلی آئے تھے۔ جہاں مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے جلسہ میں پیش کیا گیا۔ اور ورکنگ کمیٹی نے مسٹر فضل الحق کی یہ معذرت قبول کر کے ان کے خلاف تادیبی کارروائی کا سوال ختم کر دیا۔

یا تو مسٹر فضل الحق کی یہ خود اعتمادی تھی کہ انھوں نے مسلم لیگ ہائی کمانڈ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور "نو لیگ" کے نام سے بنگالی زبان میں اخبار نکلوا کر اعلان کر دیا تھا کہ بنگال میں ایک غیر بنگالی مسٹر جناح کی لیڈری کو ختم کر دیا جائے گا یا اس قدر بے بسی کہ تمام گزشتہ اعلانات و بیانات پر خاک ڈال کر مسٹر جناح سے معافی مانگ لی ہے۔ سبب کچھ بھی ہے مسٹر فضل الحق کے جذباتی انسان ہونے کا اور یہی وجہ ہے کہ سنجیدہ طبقہ میں ان کی بات کو قابل اعتماد نہیں سمجھا جا سکتا۔

مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ کے خلاف بغاوت

مسٹر محمد علی جناح نے جب مرکزی اسمبلی کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا تو ہم نے آل انڈیا مسلم لیگ کی افسوسناک حیثیت ترکیبی کو پیش نظر رکھتے ہوئے پیشین گوئی کر دی تھی۔ کہ کچھ ارکان جنہیں اپنی سیاسی سربلندیوں کا راز پرستاری حکومت کے دامن میں پوشیدہ نظر آتا ہے۔ اس اہم فیصلہ کی ضرور مخالفت کریں گے۔ چنانچہ یہ سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ اور اس کی ابتدا کا فخر سر سکندر حیات خاں کے صوبہ پنجاب کو حاصل ہوا ہے۔ اس ہفتہ مسٹر غیاث الدین ایم۔ ایل۔ اے نے جو پنجاب سے مرکزی اسمبلی کے نمائندہ ہیں آل انڈیا مسلم لیگ کی ممبری سے استعفیٰ دے کر ایک طویل خط اخبارات میں شائع کیا ہے۔ جس میں مرکزی اسمبلی کے بائیکاٹ کی بجز دو مخالفت کرتے ہوئے بتایا گیا۔ کہ مسٹر جناح ایک تنگ نظر ڈکٹیٹر ہیں اور انہوں نے اسمبلی کی پشت ٹھکرا کر رسید کر کے مسلم مفاد کو نقصان پہنچایا۔

ہمیں سب سے زیادہ حیرت کانگرس سے ہمدردی رکھنے والے ان قوم پرست اخبارات پر ہے۔ جو اسمبلی بائیکاٹ کے حامی ہوتے ہوئے مسٹر غیاث الدین کے لڑے یا نہ خط کو لمبی چوڑی سرخیوں کے ساتھ اپنے صفحات پر شائع کر رہے ہیں۔ اور ان کی مدح سرائی میں اس طرح مصروف ہیں کہ گویا مسٹر غیاث الدین کوئی بڑے "مجاہد قوم" ہیں جنہوں نے اپنے خط کا بم برسا کر مسلم لیگ کے قلعہ کو مسمار کر دیا۔ حالانکہ اصول پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر اس قدم کی (خواہ وہ قدم مسلم لیگ یا ہندو مہاسبھا ہی کا کیوں نہ ہو) حمایت کرنا چاہئے جو ملک یا اس کی کسی خاص جماعت کو قوم پرستی کی منزل کی طرف لانے والا ہو اور ہر اس فعل کی مذمت کرنا چاہئے (چاہے وہ فعل مہاتما گاندھی یا پنڈت جواہر لال نہرو ہی کا کیوں نہ ہو) جو ہمیں حکومت پرستی کی جانب لے جائے اگر اڑیسہ اسمبلی کے کانگرسی ممبروں کا یہ طرز عمل غلط اور قابل ملامت ہے۔ کہ وہ اپنی ہائی کمانڈ کے واضح اور صریح حکم کو ٹھکرا کر صوبہ میں منسٹری قائم کرنا چاہتے ہیں تو مسٹر غیاث الدین اور ان کے ہم خیال لوگوں کی یہ حرکت بھی کسی طرح پسندیدہ قرار نہیں دی جا سکتی۔ کہ وہ بائیکاٹ کے فیصلہ سے بغاوت کر کے اسمبلی کی کرسیوں کو رونق بخشنے اور اپنا الاؤنس سیدھا کرنے کے لئے تلملا رہے ہیں۔

علاوہ بریں بیگم شاہنواز ہوں یا سر سلطان احمد۔ مسٹر غیاث الدین ہوں یا اسکول صاحب۔ ان لوگوں کے صدق خلوص پر کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ کہ جب تک مسٹر جناح ہندوستان میں دو قوموں کی تھیوری پیش کریں۔ پاکستان کا شوشہ چھوڑیں اور مسلمانوں کو ہندوؤں سے لڑنے کا حکم دیں۔ اس وقت تک مسٹر جناح ان بزرگوں کے "امیر المسلمین" اور مسلم قائد اعظم ہیں اور یہ لوگ ان کے خلاف لب کشائی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ لیکن جونہی مسٹر جناح وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل، ڈیفنس کونسل اور سنٹرل اسمبلی کے بائیکاٹ کا وہ قدم اٹھائیں جو مسلمانوں کو کانگرس اور قوم پرستی کے قریب لا سکتا ہے یا حکومت سے تصادم کا امکان پیدا ہو جاتا ہے تو یہ "بزرگان ملت" فوراً اعلانات شائع فرماتے ہیں کہ مسٹر جناح تنگ نظر ڈکٹیٹر اور ملت اسلامیہ کے مفاد کو نقصان پہنچانے والے ہیں۔

حکومت کے طرز عمل سے بڑھتی ہوئی مایوسی

آنریبل سید حسین امام نے اپنی مسلم لیگ پارٹی کے ساتھ کونسل آف سٹیٹ سے واک آؤٹ کرتے وقت جو تقریر کی اس میں وہ فرماتے ہیں:۔

"بجائے اس کے کہ ہمیں آزادی کی فضا میں سانس لینے کا موقع مل سکے ہماری غلامی کی زنجیریں مستحکم ہو رہی ہیں۔ ہندوستان کے ڈیفنس میں [illegible] کوئی آواز نہیں ہے۔ حکومت کے طرز عمل سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ مستقبل میں بھی ہمارے ساتھ کسی خاص حسن سلوک کے لئے تیار نہیں۔ موجودہ جنگ میں بہت سے ممالک نے محض اس امید پر اپنی توقع برطانیہ کے دامن سے وابستہ کر دی ہے۔ کہ وہ جنگ کے خاتمہ پر اپنی کھوئی ہوئی آزادی دوبارہ حاصل کر سکیں گے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ہندوستان بھی دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ اسے جنگ کے خاتمہ پر مکمل آزادی حاصل ہو جائے گی؟"

اگرچہ یہ الفاظ ایک مسلم لیگی لیڈر کی زبان سے نکلے ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ہندوستانی جذبات کی صحیح تصویر کشی کی گئی ہے۔ اور یہی وہ خیالات ہیں۔ جو آج ہندوستان کے سنجیدہ طبقہ میں خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ پیدا ہو رہے ہیں۔ ان الفاظ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کے طرز عمل سے اس طبقہ کو بھی کس قدر مایوسی ہو رہی ہے جو اعتدال پسند ہے اور حکومت سے متصادم ہونا نہیں چاہتا تھا۔

مسٹر سبھاش چندر بوس کہاں ہیں؟

ہندوستان کے مشہور رہنما مسٹر سبھاش چندر بوس سابق صدر کانگرس تقریباً دس ماہ سے لاپتہ ہیں اور ان کے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیوں کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ اب کونسل آف سٹیٹ میں آنریبل راجہ یوراج دت سنگھ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ہوم ممبر نے یہ حیرت انگیز انکشاف کیا ہے کہ مسٹر سبھاش چندر بوس اس وقت برلن یا روم میں موجود ہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے جرمن حکومت سے معاہدہ کر لیا ہے کہ جب اس کی فوجیں ہندوستان پر حملہ کریں گی تو مسٹر سبھاش چندر بوس پانچویں کالم کے طریقوں سے ان کی امداد کریں گے!

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ حیرت انگیز اور ساتھ ہی دلچسپ بات یہ ہے کہ حکومت نے اس قدر اہم اطلاع کا ماخذ قرار دیا ہے ان گمنام اشتہارات کو جو پچھلے دنوں [illegible] کمشنر کے بنگلہ میں تقسیم کئے گئے تھے اور جن کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اصلی بھی ہیں یا بالکل جعلی۔

ہمیں سب سے پہلے تو حیرت ہے اس بات پر کہ ایسی حالت میں جبکہ کونسل آف سٹیٹ میں بعض متوسط آزاد خیال ارکان بھی موجود تھے۔ آخر ایک راجہ ہی کو مسٹر سبھاش چندر بوس کی ذات سے اس قدر دلچسپی کیوں ہوئی کہ وہ ان کے متعلق سوال کریں۔ اور پھر یہ سوال بھی اس وقت کیا گیا جبکہ [illegible] کمشنر کے بنگلہ میں مذکورہ بالا گمنام اشتہارات تقسیم ہو چکے تھے!

ہم حکومت کو صاف الفاظ میں بتا دینا چاہتے ہیں۔ کہ اس کا یہ بیان ہندوستانیوں کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ مسٹر سبھاش چندر بوس کے سیاسی عقائد کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ وہ فاشیزم کے بھی اتنے ہی سخت مخالف تھے جتنے امپیریلزم کے۔ اور کانگرس ہائی کمانڈ سے انہیں سب سے بڑی شکایت بھی یہی تھی۔ کہ وہ کانگرس کی ڈیموکریٹک روح کو کچل کر فاسسٹ ڈکٹیٹری مسلط کرنا چاہتی ہے لہٰذا ان حالات میں یہ کہنا کہ مسٹر سبھاش چندر بوس برلن یا روم جا کر فاسسٹوں کے آلہ کار بن گئے کسی طرح باور نہیں کیا جا سکتا۔

علاوہ بریں ہمیں بتایا جائے کہ اگر برطانوی پریس ایک جرمن لیڈر ہیس کے اتفاقیہ طور پر انگلستان میں نازل ہو جانے کا اس قدر زبردست پراپیگنڈا کر سکتا ہے کہ گویا نازی پارٹی میں شدید ترین اختلافات برپا ہو گئے اور ہٹلر کا اقتدار اب چند روز کا مہمان ہے تو کیا ہندوستان کے ایک عظیم ترین رہنما مسٹر سبھاش چندر بوس کے برلن پہنچ جانے کی صورت میں جرمن پریس اور ریڈیو اس طرح خاموش رہتا اور اس کا زبردست پراپیگنڈہ کر کے فائدہ نہ اٹھاتا۔ جو جرمن حکومت اپنے مفاد کے لئے اسٹالن کے بیٹے سے روسی نظام حکومت کے خلاف ریڈیو پر تقریریں کرا سکتی ہو۔ ہم حیران ہیں کہ مسٹر سبھاش چندر بوس کے برلن میں موجود ہونے کی صورت میں اس نے ابتک کیوں خاموشی رکھی؟ اور جب مسٹر سبھاش چندر بوس جیسا بااثر لیڈر اس کا آلہ کار بن گیا تھا۔ تو اس نے ان سے برطانوی حکومت کے خلاف تقریریں کرا کے ہندوستان میں شورش و فساد کی نئی چنگاریاں سلگانے کی کوشش کیوں نہ کی؟

ہم حکومت کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ مسٹر سبھاش چندر بوس کے متعلق اس قسم کے بے معنی انکشافات کرنے کے بجائے سنجیدگی سے تحقیقات کرے اور اس بات کا پتہ لگائے کہ ہندوستان کا یہ نامور فرزند آیا زندہ بھی ہے اور اگر زندہ ہے تو کہاں اور کس حال میں ہے۔

ہندوستانی یتیم خانوں کی افسوسناک حالت

محترمہ رامیشوری نہرو سکرٹری چلڈرنس ایڈ سوسائٹی لاہور نے اپنے ایک تازہ بیان میں قوم کی توجہ ہندوستانی یتیم خانوں کی دردناک حالت کی جانب مبذول کرائی ہے آپ ذاتی تجربات کی بنا پر فرماتی ہیں کہ ہندوستان میں یتیم خانوں کی بہت بڑی تعداد بوگس ہے۔ جہاں معصوم یتیموں کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ اور ان کے قیام کا مقصد یتامیٰ کی امداد نہیں بلکہ منتظمین کی شکم پری ہے۔ موجودہ افسوسناک حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے محترمہ رامیشوری نہرو نے حکومت سے اپیل کی ہے کہ وہ یتیم خانوں کے انتظامات پر کڑی نظر رکھے۔

ہم ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ ہندوستان کے نام نہاد ودھوا آشرموں اور یتیم خانوں کے خلاف آواز بلند کر چکے ہیں۔ جو ملک و قوم کے لئے بدترین لعنت بنے ہوئے ہیں ہمیں مسرت ہے۔ کہ چند سال پیشتر دہلی پولیس نے چند ایسے ودھوا آشرموں پر چھاپے مار کر جو بردہ فروشی کے شرمناک مرکز بنے ہوئے تھے متعدد مظلوم عورتوں کو بے ایمان منتظمین کے پنجہ عذاب سے نجات بھی دلائی تھی لیکن جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے شاید ہندوستان کے کسی حصہ میں بھی حکومت نے ایسے بوگس یتیم خانوں کے خلاف جن کی جانب مسز نہرو نے اشارہ فرمایا ہے ابھی تک کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ حالانکہ شاید ہی کوئی ایسا بڑا شہر ہوگا جہاں اس قسم کا کوئی نہ کوئی بوگس یتیم خانہ موجود نہ ہو۔ غلامی کی وجہ سے ہمارے ملک پر جہاں بہت سی نحوستیں مسلط ہیں ان میں ایک افسوسناک نحوست یہ بھی ہے کہ بیواؤں اور یتیموں کی مظلومی سے بھی ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے چند آدمی مل کر کسی چھوٹے سے مکان میں ایک ودھوا آشرم یا یتیم خانہ کھول لیتے ہیں۔ جہاں مظلوم بھولی عورتوں کو دام فریب کا شکار بنا کر ان کے ذریعہ روپیہ کمایا جاتا ہے۔ اور چند کمسن یتیم بچے جمع کر کے ان سے بھیک منگوائی جاتی اور انہیں اخلاقی جرائم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

مسز رامیشوری نہرو نے جو دردناک مرقع پبلک کے سامنے پیش فرمایا ہے۔ اس کا انسداد صرف اسی طرح ہو سکتا ہے۔ کہ ایک جانب تو پریس کے ذریعہ رائے عامہ کو بیدار کیا جائے اور دوسری جانب حکومت کو ایک ایسا قانون بنانے پر مجبور کیا جائے جس کی رو سے تمام ودھوا آشرم اور یتیم خانے براہ راست حکومت کی نگرانی میں رہیں۔ اور کسی شخص کو پرائیویٹ طور پر کوئی یتیم خانہ یا ودھوا آشرم قائم کرنے کی اجازت نہ دی جائے



امید افزا مستقبل تقریباً برباد ہو چکا تھا
VOTE FOR
HORLICKS
ہارلکس استعمال کیجئے

ایک بڑی قوم کی رُوح



پُرانی اور نفیس وسکیوں سے کشیدہ لانگ جان سکاچ وسکی کی بہترین خوبیوں کی آئینہ دار ہے۔

تمام شراب کی دوکانوں سے مل سکتی ہے

سول ایجنٹس :- ٹی موتن داس اینڈ کمپنی (وائن اینڈ پروڈیرن مرچنٹس) کلیرنگ فارورڈنگ اینڈ شپنگ ایجنٹس - بندر روڈ - کراچی

ٹیلیفون نمبر ۲-۳۰۹

پوسٹ آفس بکس ۵۱

اب تو نہ میری جلد دکھیگی اور نہ اس پر داغ نظر آئینگے





میں کیوٹکیورہ (Cuticura) کو استعمال کرتا ہوں - یہ دوکام کا صابن ہے - جلد کو صاف بھی کر دیتا ہے اور خوبصورت بھی - یہ صابن نہانے کے کام آتا ہے اور دوائی کا بھی اثر رکھتا ہے - صابن کے ایک ہی بڑے ٹکڑے میں آرام اور شفا دونوں پائے جاتے ہیں - اسکا جھاگ جلد کے مساموں میں گھسکر ہر قسم کی میل کو نکالتا ہے - آج ہی کیوٹکیورہ صابن (Cuticura Soap) دوا فروش سے خرید لیجئے -

کیوٹکیورہ صابن (Cuticura Soap) مرہم کے برابر آرام دہ ہے - سخت جلد کو صاف اور نرم سا دیتا ہے - پسینہ کو بڑھنے نہیں دیتا بلکہ میل اور داغوں سے صاف کر دیتا ہے -

کیوٹکیورہ صابن

CUTICURA SOAP

مانگ کی زیادتی پر تجارت کی خوشحالی کا دارومدار ہے

اشتہار دینے سے آپ اپنی چیزوں کی مانگ بڑھا سکتے ہیں

"ریاست" اس کے لئے بہترین ذریعہ ہے



دہلی میں بہترین کھانا

اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے کہ دہلی میں خالص گھی کا لذیذ کھانا نہیں مل سکتا - اسپلینڈ بار اینڈ ریسٹورنٹ (تیرہ والا گھنٹہ گھر کے بالکل قریب) نے انتظام میں لائلپور پنجاب کے خالص گھی سے انگریزی و دیسی لذیذ کھانے تیار کرنے شروع کئے ہیں - صحت کے اعتبار سے تمام ریسٹورنٹوں سے بہترین چنانچہ چیلنج کیا جاتا ہے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ ہمارے ریسٹورنٹ میں خالص گھی استعمال نہیں کیا جاتا اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائیگا - آپ ایک بار تشریف لا کر ہماری صداقت کی داد دیں گے - نرخ دوسرے ریسٹورنٹوں سے بہت کم -

منیجر اسپلینڈ بار اینڈ ریسٹورنٹ دہلی

(تیرہ والا گھنٹہ گھر کے بالکل قریب)

سینما ایکٹرسوں کی مسکراہٹ کا راز

کوئی چیز اس مسکراہٹ کو زیادہ جاذب نظر اور دلکش نہیں بناتی جو چمکدار اور سفید دانت ظاہر کرنے کا موجب ہو - یقیناً آپ کے دانت ایسے ہونے چاہئیں جو مسکراہٹ کے وقت بالکل صاف اور چمکدار نظر آئیں - اس لئے آپ فوراً Kolynos کالینوس کا خشک برش کا طریقہ استعمال کیجئے یعنی Kolynos کالینوس خشک برش پر استعمال کیجئے - برش کو تر نہ کیجئے - نتیجہ کرامات ظاہر ہوگا - بہت جلد Kolynos کالینوس ایک خوشگوار ذائقہ والی جھاگ میں تبدیل ہو جائیگی اور یہ جھاگ دانتوں کی تمام کھوڑیوں اور ان کے درمیان گھس جائیگی - داغ اور دانتوں کی بدرنگی فوراً غائب ہو جائیگی - آج سے ہی Kolynos کالینوس کے اس خشک برش طریقہ کو آزمانا شروع کیجئے - آپ حیران ہوں گے کہ کس طرح یہ آپ کے دانتوں کے مخفی حُسن کو ظاہر کرتی ہے

کفایت کے لئے بڑی ٹیوب خریدیئے -



اپنی مسکراہٹ کو Kolynos کالینوس سے جاذب بنایئے



KOLYNOS

the economical

DENTAL CREAM

حکایت و افسانہ

شبہ

(ظفر واسطی)

دہلی میں ہاکی ٹورنامنٹ ہو رہا تھا۔ سارے ملک کی مشہور مشہور ٹیمیں اس میں شرکت کرنے آئی تھیں۔ شبیر بھی ایک ٹیم لے کر آیا تھا۔ ایک چھوٹی سی ریاست کی طرف سے میچ ہوتے رہے۔ کچھ ٹیمیں جیتتی رہیں کچھ ہارتی گئیں۔

شبیر والی ٹیم برابر جیتتی جا رہی تھی۔

شبیر نے کوئی خاص کھیل نہ دکھایا تھا۔ اس لئے دہلی والے اس سے ناواقف تھے۔ اور اسے اپنے "فن" کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی تھی۔

وہ بڑی آسانی سے جیتتے چلے جا رہے تھے۔

جن کھلاڑیوں کو اس نے اپنی ٹیم میں شامل کیا تھا، وہ سب [illegible] خوب تھے۔

اور انہیں خوب [illegible] جانتے ہیں، اس نے بڑی محنت کی تھی میچ ختم ہونے پر اس کی خوشی دیکھنے کے قابل ہوتی۔ وہ ہر ایک کھلاڑی کی الگ الگ پیٹھ ٹھونکتا اور شاباش دیتا۔

آخر ان کی ٹیم سیمی فائنل میں پہنچ گئی۔

اور جن سے ان کا میچ پڑا وہ بہت ہی سخت اور بہت ہی ہوشیار ٹیم تھی۔ جب ہاف ٹائم ہوا تو شبیر کی ٹیم دو گولوں سے ہار رہی تھی

تماشائی سمجھنے لگے تھے کہ اب ریاست والی ٹیم نہیں جیت سکتی۔ لیکن شبیر بالکل مطمئن نظر آتا تھا۔ اس کے چہرے پر ذرا بھی پریشانی نہ تھی۔

مخالفوں کے حوصلے بڑھ رہے تھے۔ انہیں کامیابی [illegible] شبہ سے بلند نظر آ رہی تھی

ہاف ٹائم ختم ہوا تو شبیر مسکراتا ہوا میدان میں آیا۔ اس نے اپنی جگہ بدل لی تھی۔ اب وہ سنٹر فارورڈ کی جگہ کھڑا تھا۔

لوگوں نے اسے "بلی" کرتے دیکھا۔ اور پھر [illegible] میں پٹ کرتے ہوئے۔

ریفری نے سیٹی بجائی اور تماشائیوں نے تالیاں [illegible] سامنے [illegible] میں [illegible] ہوتے [illegible] نہ دیکھا تھا۔

دوسری دفعہ پھر شبیر نے [illegible] کے ساتھ گیند لیکر چلا، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دوسرا گول کر دیا۔

اب مخالفوں کو فکر ہوئی۔ انہوں نے بھی دو ایک کھلاڑیوں کی جگہیں بدلیں۔ لیکن شبیر کے مقابلہ میں [illegible] نہ چلی۔

اس نے اوپر تلے چار گول کر دیئے۔

ہر ایک گول پر لوگوں نے خوب ہی تالیاں بجائیں۔ اور اب انہیں اس کا نام معلوم ہو گیا تھا۔ وہ اس کا نام لے لیکر تحسین [illegible] کرنے لگے۔

سارا میدان "ویل ڈن شبیر" [illegible] سے گونج رہا تھا۔

دوسرے [illegible] دہلی کے [illegible] شبیر کی تصویر [illegible] [illegible] اچھے اخبار میں [illegible] تصویر [illegible] وہ [illegible] دہلی [illegible] بچے بچے کی زبان پر [illegible] [illegible] پڑھ پڑھ کر لوگوں کے دلوں میں نا شکل دیکھنے کا شوق پیدا ہو [illegible] عطیہ نے بھی [illegible] دیکھی، اور [illegible] بھی پڑھی۔

تصویر [illegible] [illegible] ساتھ کی تیں [illegible] طاری [illegible] [illegible] وہ [illegible] بیٹھی سوچتی رہی۔ سوچتی رہی۔

تصویر دیکھ [illegible]

[illegible] میں [illegible] ایک کلرک تھا۔

ان ایک برس پہلے وہ صرف ایک کلرک تھا۔

[illegible] کی زندگی میں انقلاب آیا۔ اس نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ کچھ دنوں مقامی ٹیموں میں ہاکی کی [illegible] [illegible] ریاست میں ملازم ہو گیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں [illegible] بنا دیا گیا۔

[illegible] ہاکی کا اسٹنڈرڈ بلند کر دیا ہے۔ سارا ملک [illegible] گا۔

لیکن اس [illegible] سارے انقلاب میں ایک لڑکی کا ہاتھ ہے۔ ایک لڑکی کا [illegible] ایک بہت ہی رومانس پرور [illegible] کا ہاتھ ہے

عطیہ کو عصہ تھے لگا شبیر نے [illegible] باتیں اخبار کے [illegible] کو کیوں بتا دیں۔

در اصل وہ رومانس پرور لڑکی عطیہ ہی تھی۔

ہاں عطیہ ہی تھی وہ لڑکی جسے حاصل کرنے کی آرزو جسے خوش کرنے کی تمنا میں شبیر ہاکی کا بہترین کھلاڑی بن گیا تھا۔

عطیہ زنانہ کالج کی [illegible] طالبہ تھی۔ ایک بہت حسین اور شہر کی طالبہ۔ اس کے [illegible] کے چوٹی کے [illegible] میں تھے

[illegible]

کی دولت [illegible]

معمولی [illegible]

[illegible] دیکھتی [illegible]

سب بر [illegible]

[illegible] شبیر نے عطیہ کو دیکھا اور [illegible] ہی [illegible] دے بیٹھا۔

کئی برس گزر گئے۔ شبیر عطیہ کے خیال کی پرستش کرتا رہا۔ لیکن اس سے بات کرنا نصیب نہ ہوا۔

[illegible] ہاکی کھیلتی تھی۔ [illegible] [illegible] ہوتے تھے عطیہ [illegible] [illegible] اور [illegible] اور پھر سارا ملک سارا [illegible] [illegible] زیادہ [illegible]

[illegible] ہوا

[illegible] کی دفعہ [illegible] [illegible] کی گرمی کم کرنے کی کوشش کی۔

[illegible] عطیہ نے [illegible] تیل [illegible]

[illegible] کوشش کی۔ [illegible] [illegible]

غصہ اور حقارت [illegible] جواب ملا

"نہیں میری [illegible] ہوئے شرم نہیں [illegible]

[illegible] کچھ ہو، اور پھر [illegible] کی [illegible] کرو۔"

شبیر نے نہایت [illegible] کا نپتے ہوئے کہا

"[illegible]"

عطیہ نے [illegible] سہیلیوں [illegible]

سے کے … علیہ … [illegible]

[illegible] آیا!

[illegible]

لیکن … میں بھی شبیر … نظر نہیں آیا۔

علیہ کے دل میں … پر ایک خواہش پیدا ہو رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ … سے خط لکھے۔ محبت [illegible] … سے معلوم … وہ چاہتی تھی … کہیں … پریشان … دراصل وہ خود … کو دیکھنا چاہتی تھی کنکھیوں سے تو پہلے بھی … لیکن … نہیں دیکھ سکی … اب تو وہ … سے دیکھنا چاہتی تھی

جوں جوں دن گزرتے جا رہے تھے … یہ … ایک خاص قسم کی ہمدردی پیدا ہو رہی تھی وہ کہاں چلا گیا … علیہ کو اکثر خیال آتا کہیں وہ … ایوس تو نہیں ہو بیٹھا۔

… اخبار میں شبیر کی تصویر … [illegible]

[illegible]

علیہ کو ہاکی کا بہت ہی زیادہ شوق تھا

اس کی آرزو تھی کہ وہ سارے ملک کی … میں بہترین کھلاڑی بن جائے۔ اور بہترین کھلاڑی بننے کی اس میں صلاحیت موجود تھی۔

وہ بڑی چست اور چالاک تھی اور پھرتیلی بھی بڑی تھی۔ دوڑنے میں تیز … طاق۔ لیکن اسے کوئی اچھا … نہ ملا تھا۔

اب … شبیر … [illegible]

[illegible]

وہ لوگ کیا … دیکھتے تھے۔ وہ دیکھتے آئے تھے کہ … طرح گیند … آ جاتی ہے۔ شبیر کی تیزی اور پھرتی دیکھنے … نہیں … تھی۔

… تو دونوں ٹیمیں … طرح طرح کی باتیں … کوئی کہتا تھا … ٹیم کمزور ہو گی۔ کوئی کہتا تھا … دوسرے کر رہے … شبیر کچھ کر کے دکھائے تو جانیں

… قریب جو … بیٹھے تھے انہوں نے … [illegible]

… شبیر … معلوم نہیں ہوتا۔ آج تو وہ کچھ … معلوم ہوتا ہے۔ … دوسرا بولا آج تو شاید … جب سے کھیل شروع ہوا گیند انہی کی طرف … علیہ … ان کی باتیں … بڑی … شبیر کی ٹیم کے … متعلق … تھی۔

… شبیر … مسکراتا … آیا۔ … کھیل پہلے … انہوں نے … [illegible]

[illegible]

دوسرے نے … گیند چھینتے … تھی۔

ایک مرتبہ پھر …

ایک مرتبہ پھر علیہ … شبیر کی ٹیم … کچھ دیر پھر … کھیل … ایک … کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اب پھر … اور پھر لوگوں نے … وہ درمیان میں تھا۔ … دوسری سمت … گول … ہو گیا۔ … نے کر … شاباش دی۔ علیہ اپنی سہیلی کو … شیم کے گول کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

وہ شبیر کو قریب سے دیکھنا چاہتی تھی۔ یا شاید خود کو دکھانا چاہتی تھی۔

اب جو شبیر گیند … کر دی … "شاباش شبیر" … نعرہ شبیر نے پہلے … مرتبہ سنا تھا اور کبھی متوجہ نہ ہوا تھا۔

مگر … آواز میں ایک خاص … تھی۔

اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اور علیہ کو دیکھ کر … بھر پر ایک … طاری ہو گیا۔

علیہ کی … [illegible]

[illegible]



شور بلند ہوا۔

لیکن شبیر ان سے متاثر معلوم نہ ہوتا تھا۔

وہ گردن جھکائے میدان کے درمیان میں تیلی کرنے چلا گیا۔ اب حریف ٹیم والوں نے اپنی جانیں لڑا دیں۔

سب نے مل کر تہیہ کر لیا کہ شبیر کو اور گول نہ کرنے دینگے۔

اس نے بھی سستانے کے لئے ذرا ڈھیل چھوڑ دی۔

کھیل ختم ہونے میں چند منٹ رہ گئے۔

ایک دفعہ جو وہ ڈی کے پاس گیا۔ تو عطیہ نے کہا: ایک اور گول شبیر!

صرف چند منٹ باقی ہیں۔ کاش عطیہ نے کچھ دیر پہلے کہا ہوتا۔"

اس نے سوچا اور ارادہ کر لیا کہ گول ضرور کرنا ہے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ دوسری طرف کا ایک کھلاڑی ان کے گول کی طرف گیند لے گیا۔

یہ حالیہ تماشا تھا۔ سے عطیہ کا پیدا کرنا تھا۔ اپنی ڈی کے قریب شبیر نے اس سے گیند چھینی۔ اور چلا بجلی کی تیزی کے ساتھ۔ ادھر اُدھر دیکھتا۔

دیکھنے والوں کو ایسا نظر آتا تھا کہ گیند اس کی اسٹک سے چپک گئی ہے۔ کئی کھلاڑیوں نے اس سے گیند چھیننے کی کوشش کی، لیکن یہ انہیں بھوت کی طرح کھلاتا بڑھتا گیا۔

گول کیپر نے ڈی سے باہر نکل کر اسے روکنا چاہا۔ ذرا سے اشارے سے یہ اس سے صاف بچ گیا۔ اور عطیہ کا کہا پورا ہو گیا۔ شبیر نے ایکدم اس کی طرف دیکھا۔

وہ خوشی سے بے خود ہو کر اچھل رہی تھی۔ اور تالیاں بجا رہی تھی۔

شبیر نے عطیہ ہی کو اچھلتے دیکھا اور عطیہ ہی کی تالیوں کی آواز سنی۔ حالانکہ اور سینکڑوں تماشائی بھی اچھل رہے تھے اور تالیاں تو تقریباً سبھی بجا رہے تھے۔

اب کھیل ختم ہونے میں صرف دو منٹ باقی تھے۔ شبیر کے جی میں ایک اور گول کرنے کا خیال آیا۔

عطیہ کو اپنے کھیل کا کمال دکھانے کی خواہش نے اسکے دل پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور یہ تو اسی کے لئے تو اس نے نوکری چھوڑی تھی۔ اسی کے لئے تو اس نے ہاکی کھیلنا شروع کی تھی۔ ورنہ اسکول کے زمانہ میں تو اسے کتابوں ہی سے فرصت نہ ملتی تھی۔ کھیل کود میں حصہ کیسے لے سکتا اور پھر کالج کی زندگی ختم بھی تو بہت جلد ہو گئی تھی۔ لہٰذا اس نے تیزی سے بلی کی لیکن ریفری نے سیٹی بجا دی۔ دوبارہ بلی کی۔ دوبارہ سیٹی بجی۔ حریف کھلاڑی شرارت کر رہا تھا۔

تیسری مرتبہ اس نے اطمینان سے دوسرے کھلاڑی کو تین دفعہ اپنی اسٹک پر اسٹک لگانے دی۔ اور جب وہ گیند لے کر چلا تو اس سے گیند چھین لی اور بڑھا گول کی طرف

ایک منٹ تو بلی کہنے میں صرف ہو گیا تھا۔ ایک رہ گیا تھا۔ یہ اس ایک ہی منٹ میں پہنچنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنا سارا زور لگا دیا۔

جب ڈی کے پاس پہنچا تو وقت ہو چکا تھا۔ لیکن ریفری بھی آخر انسان تھے۔ وہ بھی اس کے کھیل کے گرویدہ ہو گئے تھے

ان میں سے کسی نے بھی وسل نہیں دی۔ اور دوسرے لمحہ میں شبیر نے گول کر دیا۔

ادھر ریفری نے گول کی سیٹی بجائی اور ادھر دوسرے نے کھیل ختم ہونے کی۔

کئی منٹ تالیوں کا اور تعریفی کلمات کا شور بلند ہوتا رہا۔ تماشائیوں نے آکر شبیر کی ٹیم کو گھیر لیا۔

دوسری ٹیم میں کئی بہترین کھلاڑی کھیل رہے تھے۔ پھر بھی وہ پانچ گولوں سے ہار گئے تھے۔ اور سارے کے سارے گول شبیر ہی نے کئے تھے۔

عطیہ اور اس کی سہیلی بھی آہستہ آہستہ میدان کے کنارے کنارے اسکی طرف بڑھتی گئیں۔

جب ان کی ٹیم کھیل کے میدان سے نکلی تو عطیہ نے دیکھا، کہ ایک نوجوان خوبصورت عورت ہاتھ میں پھولوں کا ہار لئے کھڑی ہے۔

اس عورت نے بڑی قیمتی ساڑھی پہن رکھی تھی اور وہ بہت ہی زیادہ خوب صورت تھی۔

اس کے سرو جیسے قد پر شہزادیوں کا وقار برس رہا تھا

عطیہ کے دل پر بجلی سی گر پڑی۔ یہ عورت کون ہے۔ اس کے دل میں خیال آیا۔ جب شبیر اس عورت کے قریب گیا تو اس نے شبیر کے گلے میں ہار ڈال دیا۔

شبیر نے عزت اور احترام کے طور پر گردن جھکالی اور کچھ بولا بھی جو عطیہ نہ سن سکی۔

عطیہ سے یہ منظر نہ دیکھا گیا۔ وہ اپنی سہیلی کو لے کر واپس چلی گئی۔

سہیلی کہتی بھی رہی کہ ابھی وائسرائے صاحب انہیں "کپ" دیں گے، انعامات تقسیم ہونے کا تماشا دیکھ کر چلیں گے۔ لیکن عطیہ نے ایک نہ سنی۔

وہ شبیر کو کسی اور عورت کے سامنے عزت اور احترام سے سر جھکاتے نہ دیکھ سکتی تھی۔

یہ اس کی توہین تھی اور اپنی توہین اس نے کبھی برداشت نہیں کی تھی۔ یہ شاید جوشِ رقابت تھا لیکن وہ اسے برداشت نہ کر سکی۔

اُسے خود پر غصہ آیا کہ وہ میچ دیکھنے کیوں آئی تھی

اُسے خود پر غصہ آیا کہ وہ شبیر کو داد کیوں دیتی رہی۔

اُسے خود پر غصہ آیا کہ اس نے شبیر کو ایک اور گول کرنے کو کیوں کہا تھا۔

اور شبیر کو جب انعامات وغیرہ کے ہنگامہ سے فرصت ملی تو اس نے عطیہ کی تلاش کی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنی سہیلی کے ساتھ الگ بیٹھی اس کا انتظار کر رہی ہوگی۔

لیکن وہ اسے کہیں نظر نہ آئی۔ اسے افسوس ہوا کہ کھیل ختم ہوتے ہی اسے ملنے کیوں نہ چلا گیا۔

وہ وہاں سے سیدھا اپنے ہوٹل میں گیا۔ نہا دھو کر کپڑے بدلے۔

ہوٹل سے نیچے اتر کر کار کرایہ کی اور ڈرائیور کو زنانہ کالج چلنے کے لئے کہا۔

جب وہ ہوسٹل کے احاطہ میں داخل ہو رہا تھا تو اس کا ایک ہاتھ جیب میں تھا۔ اور اس ہاتھ میں اس نے سونے کی انگوٹھی کی ڈبیا پکڑ رکھی تھی۔

دربان نے اسے سلام کیا اور پوچھا آپ کو کس سے ملنا ہے۔

اس نے اپنے نام کا کارڈ دیا۔ اور کہا مس عطیہ سے۔ دربان کو واپس آنے میں چند منٹ لگے۔ اور یہ چند منٹ شبیر کو بھاری ہو گئے۔

دربان آیا۔ شبیر نے بغیر کچھ جواب سنے اس کے ہاتھ پر روپیہ رکھ دیا۔

اس نے روپیہ واپس کرنے کی معمولی سی کوشش کرتے ہوئے کہا

آپ بیٹھئے وہ ابھی آ رہی ہیں۔

اگر شبیر روپیہ نہ دیتا تو وہ سوچ آ رہا تھا کہ اسے واپس جانے کے لئے کہے گا کیونکہ پہلے تو مس عطیہ نے کہہ دیا تھا کہ ان سے جا کر کہہ دو ہمیں فرصت نہیں ہے۔

پھر سوچ کر کہا تھا کہ اچھا ہم آ رہے ہیں۔

تو دربان اسے پہلا جواب بتانے کی سوچ آ رہا تھا۔ مگر روپے نے اسے یہ نہ کہنے دیا۔

عطیہ آئی تو شبیر نے کھڑے ہو کر سلام کیا۔

وہ غصے سے بولی: آپ کون ہیں۔ آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟"

اس نے کانپتے ہوئے جواب دیا: میں شبیر ہوں۔

میں آپ سے ملنے آیا ہوں۔"
اس نے پھر اسی لہجہ میں کہا: "ہم آپ کو نہیں جانتے"
شبیر نے ڈرتے ڈرتے کہا: "میں اسی لئے آیا تھا کہ آپ مجھے جاننے لگیں۔"
"ہمیں کسی کو جاننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ اب تشریف لے جا سکتے ہیں۔"
علیہ جانے لگی تو شبیر نے ہمت کر کے پھر کہا
"لیکن آپ نے فرمایا تھا کہ پہلے کچھ ہو تو اب میں اتنا بڑا گیا ہوں —"
"ہم نے کچھ نہیں کہا تھا۔ ہم نے کبھی آپ سے بات نہیں کی۔"
وہ چلی گئی۔ اس کی ہر بات سے نفرت اور رعونت ظاہر تھا۔
شبیر کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور اس کا سر چکرانے لگا۔ وہ پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔ رنج کے ساتھ اسے تعجب کی بھی انتہا نہ تھی۔
علیہ اپنے کمرے میں جا کر کتاب پڑھنے لگی مگر جو کچھ اس نے کہا تھا اس کا اسے رنج ضرور تھا لیکن اس کا دل مطمئن تھا۔ اس نے اپنی توہین کا بدلہ لیا تھا۔
دوسرے دن پھر اخباروں میں شبیر کی تصویریں نکلیں۔ پہلے سے زیادہ اس کی تعریف میں رپورٹروں نے کالم سیاہ کئے تھے۔
جو اخبار علیہ نے دیکھا اس میں شبیر کی تصویر کے ساتھ ہر الیٰ نس کی بھی تصویر تھی۔ ان ہر الیٰ نس کی جنہوں نے شبیر کو میچ ختم ہونے کے بعد ہار پہنایا تھا۔
اخبار میں لکھا تھا کہ بیگم صاحبہ ہاکی کی بڑی شائق ہیں۔" ہاکی کی ٹیم پر اپنی جیب خاص سے ہزاروں روپیہ خرچ کرتی ہیں۔ کل ہی نصیب ریاست سے اپنی ٹیم کا کھیل دیکھنے آئی تھیں۔ اور میچ ختم ہونے پر خود اپنے ہاتھ سے کیپٹن کو پھولوں کا ہار پہنایا تھا۔
علیہ نے یہ سب کچھ پڑھا۔ اور وہ زردی اپنے شبہ پر۔ پھر ہنس پڑی۔ شبیر کی بزدلی پر۔

تاریخ و تمدن

جزائر منوآ کے رسم و رواج

بحیرۂ جنوبی کے بعض گمنام جزائر میں مرغزاروں، کھیتوں کے جھنڈ کے درمیان چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد ہیں۔ ان کے قریب ہی سمندر کے کنارے ریت سونے کی طرح چمکتی ہے یہ سرزمین قدرت کی دولت سے مالا مال ہے لیکن یہاں شادی کا خواہشمند قریب قریب موت کے منہ میں پہنچ جاتا ہے یہاں کے سماج کو "کیوپڈ" ——— "خدائے محبت" کے دیوتا سے اتنی دشمنی کیوں ہے۔ اس جزیرہ کا نام ہے منوآ۔

معاشقہ کرنے والے نوجوان کا فرض ہے کہ خود دوشیزہ کے پاس نہ جائے۔ بلکہ اپنے کسی دوست یا اعتبار کے ذریعہ اس کے پاس پیغام بھیجے۔ اور جب ملاقات کا انتظام ہو جائے تو خفیہ طور پر دوشیزہ کو اپنی طرف مائل کرنے کی سعی کرے۔

ہونے والے نوشہ میں مردانگی اور دلیری کا ہونا اشد ضروری ہے۔ اور اس مردانگی و دلیری کا ثبوت اسے ایک عجیب و غریب طریقہ سے دینا پڑتا ہے۔ اسے رات کو کم از کم ایک دفعہ دبے پاؤں دوشیزہ کے پاس جانا چاہیئے۔ لیکن اس قدر احتیاط سے کام لیا جائے کہ اس کمرے میں محو خواب کنبہ کے دیگر افراد کو اس کی آمد کی خبر نہ ہو۔ اگر اہل کنبہ میں سے کوئی بیدار ہو جائے تو "پکڑو مارو" کے نعرے بلند ہو جاتے ہیں اور گھر میں گھسنے والے اجنبی کا تعاقب کیا جاتا ہے لیکن اس تعاقب میں صرف عورتیں حصہ لیتی ہیں۔ نہ صرف گھر کی عورتیں بلکہ محلہ کی بھی۔

مرد گھروں سے باہر نکل کر تماشا دیکھتے رہتے ہیں اگر وہ نوجوان چالاکی سے کام لے کر تماشائیوں کے مجمع میں جا کھڑا ہو تو بہت اچھا اگر ایسا کرنا ناممکن ہو تو اسے بھاگ جانا چاہیئے۔ کیونکہ گرفتاری کی صورت میں عورتیں اسے اس قدر پیٹیں گی کہ اس کی ہڈی پسلی ایک ہو جانے کی ممکن ہے کہ وہ اسے جان سے مار ڈالیں۔ لڑکی کا فرض ہے کہ اس تعاقب میں خود شریک ہو اور لوگوں پر یہ ظاہر کرے کہ نوجوان اس کا طلبگار نہیں بلکہ کوئی اجنبی ہے۔

ایک مرد کے لئے اس سے بڑی ذلت اور خجالت دوسری نہیں ہو سکتی کہ وہ عورتوں کے ہاتھ پڑ جائے۔ اگر کوئی شخص پکڑا جائے تو اس کے بعد عرصہ دراز تک کوئی لڑکی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتی اس کے رفقا آوازے کستے ہیں اور وہ لوگوں کی تضحیک، مذاق اور بازاری گیتوں کا موضوع بن جاتا ہے۔ عام طور پر اس کے گھر کے لوگ اسے عاق کر دیتے ہیں اور اسے کسی دوسرے گاؤں میں جہاں اس کی بدنامی نہ پہنچی ہو۔ از سر نو زندگی شروع کرنا پڑتی ہے۔

کسی شخص کے متعلق مشہور ہو جانا کہ وہ دبے پاؤں لوگوں کی خوابگاہوں کے اندر گھسنے میں مشاق ہے اور اس کی آمد کی کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ سماج میں اس کی عزت افزائی کا باعث ہے۔ عورتیں اس کی طلبگار رہتی ہیں اور مرد اس پر رشک کرتے ہیں۔ لیکن ایسا شخص اگر دست درازی میں ناکام رہے تو اسے سزا بھی سخت دی جاتی ہے۔

ناخواندہ مہمان کے تعاقب میں مرد صرف اس صورت میں حصہ لیتے ہیں جبکہ اس نے اس کام کے لئے کسی بادشاہ یا گاؤں کے سردار کا گھر تاکا ہو۔

گاؤں کا ڈھول اسی وقت بج اٹھتا ہے۔ سارا گاؤں بیدار ہو جاتا ہے۔ سب لوگ لاٹھیاں لے کر اس شخص کا پیچھا کرتے ہیں۔ اور اس وقت تک دم نہیں لیتے جب تک ملزم پکڑا نہ جائے۔ عام طور پر وہ اسے گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ بجز اس کے کہ وہ کشتی میں بیٹھ کر کسی دوسرے جزیرہ کو چل دے۔

اگر گھر میں ایک ہی لڑکی ہو تو ملزم کو شدید زد و کوب کے بعد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور حکم دیا جاتا ہے کہ وہ گاؤں سے نکل جائے۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ سردار کی بیگمات میں سے کسی ایک یا گاؤں کی "سرکاری دوشیزہ" کا طلبگار ہے تو لوگ اسے لاٹھیوں سے مار ڈالتے ہیں اور اس کی لاش ٹکڑے ٹکڑے کر کے مچھلیوں کی خوراک بننے کے لئے سمندر میں پھینک دی جاتی ہے۔

یہ سرکاری دوشیزہ کیا ہے عام طور پر ہر گاؤں میں سردار کی بہن کی پوتی کو یہ عہدہ دیا جاتا ہے۔ گاؤں والے گیارہ بارہ برس کی عمر میں ہی اس کا انتخاب کر لیتے ہیں۔

اس تقریب پر ایک شاندار ضیافت ہوتی ہے اور تحائف تقسیم کئے جاتے ہیں۔ بالغ ہوتے ہی شادی ہونے تک (جو عموماً اکیس بائیس برس کی عمر میں ہوتی ہے) وہ مختلف تقاریب پر ملکہ کے فرائض انجام دیتی ہے۔ عموماً اس کی شادی کسی پڑوسی سردار کے بیٹے سے ہوتی ہے اور وہ بہن کو سردار بنا دیتی ہے۔ کونسل عورتوں سے تمام معاملات کا فیصلہ کرنے کی مجاز ہے۔

جزائر منوا میں سب سے بڑی عزت جو کسی مہمان کو دی جا سکتی ہے یہ ہے کہ دعوت میں اس پر چاقو کے تیز پھل پھینکے جاتے ہیں لیکن ایسے ڈھنگ سے کہ ایک بھی اسے نہیں لگتا۔ ایک امریکی سیاح مسٹر سلون ان جزائر میں گئے تھے۔ ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔ ایک جنگی ناچ کے بعد یکایک قاتلوں نے اپنے چاقو مسٹر سلون کی طرف پھینک دیئے۔ امریکی سیاح بہت گھبرایا اور یک لخت بعد اس نے دیکھا کہ تمام چاقو اس کے سر کے قریب چوبی ستون میں گڑ گئے ہیں۔ نزدیک ترین چاقو سے اس کے سر کا فاصلہ صرف ایک انچ تھا۔

روسی ادب میں گورکی کا حصہ

میکسم گورکی کا نام جدید روسی ادب میں ہمیشہ زندہ جاوید رہے گا۔ ٹالسٹائے اور ترگنیف کی طرح دولت اور خوشحالی اس کے حصہ میں نہیں آئی تھی۔ وہ ایک ایسا آرٹسٹ تھا جو مفلسی اور فاقہ مستی کی دنیا، روس کو عبور کر کے آگے بڑھا۔ ہر قسم کے تجربات کو صفحۂ قرطاس پر منتقش کیا۔ اس نے حقائق کے پیش نظر قلم اٹھایا اور یہی وجہ تھی کہ اس نے جو کچھ لکھا اس میں رومانیات بہت کم تھی۔ میکسم گورکی کا حقیقی نام الکسائی میکسموف پشکاف تھا۔

روس کے مشہور شہر نوو گرڈ میں اس نے آفتاب کی پہلی شعاع دیکھی۔ یہ ۲۳ مارچ ۱۸۶۸ء کا ذکر ہے۔ بچپن ہی میں اس کے والدین اسے چھوڑ کر عدم آباد کو چل بسے۔ اس لئے گورکی کو بسر اوقات کے لئے کبھی چمار، کبھی کسان، کبھی جہازی اور کبھی باغبان اور کبھی چائے فروش کے فرائض انجام دینا پڑے۔ بندرگاہ میں محنت مزدوری بھی اس نے کی۔ اتنے دنوں تک قسمت کے تھپیڑوں سے لڑتا رہا۔ تب کہیں جا کر ایک بیرسٹر کا کاتب بنا۔ لیکن زندگی اتنا سرسبز نہ لگا کہ اس نے بھی چھوڑا۔ اسی زمانہ میں اس کی ادبی سرگرمیاں شروع ہوتی ہیں روس کے آسمان ادب پر ایک نئے آفتاب کے طلوع ہونے کا وقت آپہنچا تھا۔

ابتدائی زندگی کے جو تلخ تجربات ہوتے ہیں ان ہی کا نتیجہ تھا کہ اس نے اپنا نام گورکی رکھ لیا۔ روسی میں گورکی کے معنی ہیں "تلخ"۔ ان ہی تجربات سے اس کی تحریروں میں تلخی حد سے زیادہ پیدا ہوئی۔ اس قسم کے انداز تحریر سے اصلاحی تحریکوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ لیکن ان میں ایک جلن پوشیدہ ہوتی ہے جو جلانے والوں کو بلا دیتی ہے۔ کمزور، شکست خوردہ، غمگین، سماج میں ستائے ہوئے لوگوں کی تصویریں کھینچنے میں اسے شوق تھا۔ دستوئفسکی گورکی سے زیادہ کوئی روسی آرٹسٹ کامیاب نہیں ہوا۔

کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ گورکی اصلی رنگوں کی نسبت اپنی تصویروں میں قدرتی رنگ بھرنے میں زیادہ مشاق ہے۔ مشہور فرانسیسی مصنف ایمل زولا اور گورکی میں یہی فرق ہے۔ زولا کے مشہور ناول "جرمنل" میں جنوبی فرانس کی کوئلہ کی کانوں کے مزدوروں کی جدوجہد کا ذکر پڑھ کر آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پڑھتے پڑھتے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا دم گھٹنے لگا ہے۔ گورکی کے ناول "ماں" کو پڑھ کر ذہن میں ایک نئی روشنی۔ خیرہ کن روشنی نظر آنے لگتی ہے۔

گورکی جسم کے اندر پوشیدہ انسان کی جدوجہد کی تصویر کھینچتا ہے۔ اس حقیقت کا کہ عوام اساس کی دبے ترین جماعت کی تاریک زندگی کے ایک گوشہ میں آرٹ پوشیدہ ہے ..... اطلاق گورکی پر نہیں ہوتا۔ نہ وہ اس آرٹسٹ کی مانند ہے جو غریبی کی نمائش کے لئے ایک بھکاری کی سیاہ تصویر بنائے۔ اور جو عام دکھ نے گٹ ..... پورٹ ہے۔ اس کی تصویر صاف شفاف تالاب کی مانند ہے جس میں شجروں کی تروتازہ شاخیں خزاں رسیدہ اور نیم سوختہ شاخوں سے گلے ملتی ہیں۔ دستوئفسکی کی مانند گورکی نے بھی نفرت آمیز مناظر اور قابل نفرت کرداروں کی قلمی تصویریں کھینچی ہیں لیکن اس کی عظمت اثبات میں ہے۔ ان کرداروں کا وجود ناگزیر تھا۔ ان کے بغیر کام نہیں چل سکتا تھا۔

گورکی محض علم و ادب کے کونش کا مینڈک نہ تھا۔ اس کی تصانیف سے روس کے مجلسی معاشرہ اور نئی بیداری کو بھی بہت کچھ مدد ملتی ہے۔ انقلاب پسند روس کے باپ لینن نے گورکی اور ٹالسٹائی کو عوام الناس کے دل کی گہرائیوں تک پہنچنے والے ادبا میں عظیم ترین تسلیم کیا تھا۔ ادب اور دنیا ایک ہی چراغ کے دو شعلے ہیں جو چراغ انقلاب سے اٹھنے والے خونیں شعلہ کو روشنی کے مینار میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ روسو کی "سوشل کنٹریکٹ" والٹیر کی تنقیدیں، فرانسیسی عوام کے دلوں پر ایک گہرا نقش چھوڑ گئیں تھیں۔ وہی نقش ۱۷۸۹ء میں آتش انقلاب کو شعلہ زن کرنے میں کامیاب ہوا۔

ایک طرف روس کے انقلاب پسند زار شاہی کی بیخ کنی کے لئے زمین آسمان ایک کر رہے تھے۔ دوسری طرف گورکی "پولی کی ماں" اور "نا چیز روسی" کے خواب دیکھ رہا تھا۔ ۱۹۰۶ء میں اس نے دنیا کو اپنا لافانی ناول "ماں" دیا۔ لینن اس کے مصنف کی عظمت سے ناواقف نہیں تھا۔ انقلاب کے بعد جو عزت گورکی کو حاصل ہوئی وہ دکھ جو گورکی آخری وقت کو چھوڑ کر اپنی زندگی میں کسی ادیب کو حاصل نہیں ہوئی ہوگی۔ سوویٹ روس نے جو سب سے بڑا ہوائی جہاز تعمیر کیا اس کا نام اس عظیم ترین ادیب کے نام پر "میکسم گورکی" رکھ دیا۔

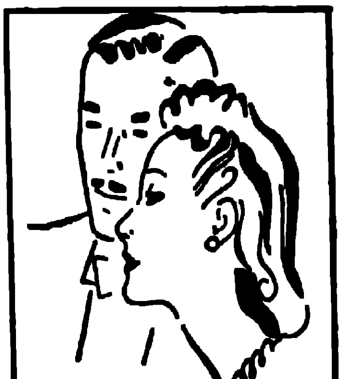
گورکی کی زندگی کے دو پہلو تھے۔ ایک سیاسی۔

دن بھر کی تازگی



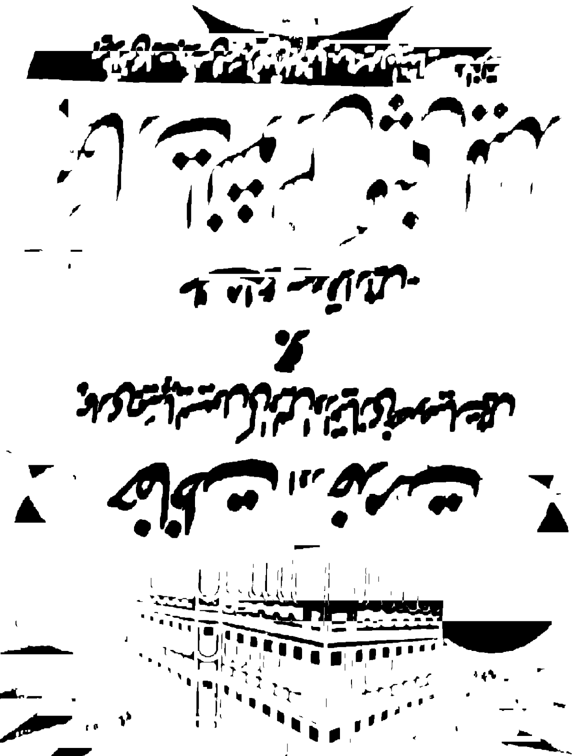
بیداری اور مست امنگوں میں سرشاری۔ پھوار تلے گانا نلکے یا ٹب میں نہاتے وقت گنگنانا۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا دن اسی طرح شروع ہو؟ تو آج ہی بوسفا روز صابن کا استعمال شروع کیجئے۔ یہ ملائم اور جھاگ دار اور بہترین خوشبو آپکو دن بھر شگفتہ اور تازہ رکھے گی۔

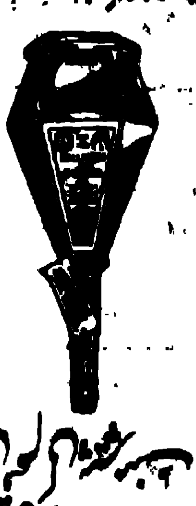




FAZLI BROS LTD,
KENT HOUSE,
MISSION ROAD,
EXTENTION,
CALCUTTA.

MASOOM





مذاکرہ علمیہ

بحر اوقیانوس کا ہوائی سفر

سائنس میدان ترقی میں غیر معمولی سرعت سے آگے بڑھ رہی ہے ۱۹۲۷ء میں جب کرنل لینڈبرگ نے بحر اوقیانوس کا فضائی سفر تینتیس گھنٹوں میں ختم کیا تھا تو لوگ حیران رہ گئے تھے لیکن اب امریکہ کے چھ طیارے ساڑھے گیارہ گھنٹوں میں برطانیہ پہنچ جاتے ہیں اور کسی کو اس عظیم الشان کامیابی پر تعجب نہیں ہوتا۔ گزشتہ دنوں اکیس ڈیسن بمبار طیارے نیو فاؤنڈلینڈ کے فضائی مستقر سے روانہ ہوئے۔ چھ یا دیڑھ ادا کر چکے تھے۔ ... اگلی صبح کو راستہ انگلستان میں ... گئے۔ جب انہیں ایک امریکن اخبار کا وہ مضمون دکھایا گیا جس میں لکھا تھا کہ ہر پچاس طیاروں میں سے تین طیارے انگلستان پہنچتے ہیں۔ تو وہ قہقہہ مار کر ہنسے۔ انہوں نے ساڑھے دس گھنٹے کے اندر اندر اس دو ہزار میل لمبے سمندر کو عبور کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس مضمون کا راقم بھی ان ہی سے ایک تھا۔ اور اس نے یہ سفر ایک گھنٹہ دیر سے یعنی ساڑھے گیارہ گھنٹوں میں ختم کیا۔ وہ لکھتا ہے۔

انگلستان کا فضائی سفر شروع کرنے سے دو دن پیشتر میں نے اخبارات میں پڑھا کہ ہر پچاس میں سے تین طیارے امریکہ سے انگلستان پہنچتے ہیں۔ باقی وہ یا تو سمندر میں گر کر تباہ ہو جاتے ہیں یا کسی دیگر سبب سے راستہ ہی میں رک جاتے ہیں۔ ایک اخبار نے تو یہ بھی لکھا تھا کہ جرمن ہوابازوں کو معلوم ہے کہ امریکن طیارے انگلستان میں کس وقت اور کہاں خشکی پر اترتے ہیں۔ اس لئے انہیں ان طیاروں کو روک لینے یا تباہ کرنے میں بڑی آسانی رہتی ہے۔

جب میں نے اخبارات کے یہ تراشے اپنے ہواباز اور طیارہ کے ریڈیو آپریٹر کو دکھائے تو وہ بہت ہنسے۔ میرا ہواباز اس سے پہلے ایک اڑنے والا قلعہ لے کر برطانیہ گیا تھا۔ اس مرتبہ ہم تینوں ہڈسن طیارہ میں جا رہے تھے۔ جو اڑنے والے قلعہ کی نسبت مقابلتاً ہلکا ہوتا ہے۔

اس دن صبح ہم مانٹریال سے آٹو موبیل کا سفر طے کر کے نیو فاؤنڈلینڈ کے فضائی مستقر پر پہنچے۔ میں کینیڈا میں رہ کر چھ ہفتوں سے گیارہ گھنٹے میں برطانیہ پہنچنے کی طیاری کر رہا تھا مجھے برطانیہ سے ناروے تک پرواز کرنے کا موقع ملا تھا اور میرے لئے سمندر کا یہ قطعہ ایک سڑک بن کر رہ گیا تھا لیکن یہ سڑک جس پر اب مجھے سفر کرنا تھا ۔۔۔ یہ سڑک دو ہزار میل لمبی تھی۔

ناشتہ کر کے ہم رصد گاہ میں گئے تاکہ موسم کے متعلق معلومات حاصل کر سکیں۔ انہی معلومات کی بنا پر ہواباز یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ انہیں روانہ ہونا چاہئے یا نہیں۔ یا کس وقت اپنی پرواز شروع کرنا چاہئے۔ گورنمنٹ کی طرف سے ہوابازوں پر وقت کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ موسمی حالات کے متعلق اطلاعات حاصل کرنے کے بعد وہ خود اپنا وقت روانگی تعین کرتے ہیں۔ انہیں یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ کس جگہ انہیں کتنی بلندی پر اڑنا چاہئے۔ تاکہ وہ آندھی یا طوفان کا شکار نہ ہو جائیں۔ ہم نے نقشہ اور تختیاں نکالے گئے اور تخمینہ لگانے بیٹھ گئے ... حساب لگایا اور آدھ گھنٹے ... ہمارا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ ہمیں شام کو روانہ ہونا چاہئے۔ انگریزی ٹائم کے مطابق چھ بجے شام کو۔

دوپہر کو لنچ کھانے کے بعد ہم نے بہت سی چیزیں خریدیں اور دفتر میں واپس آ گئے۔ ہمارا اندازہ تھا کہ ہم یہ سفر ساڑھے دس گھنٹوں میں ختم کر دیں گے۔ یعنی اگلے روز ساڑھے چار بجے انگلستان پہنچ جائیں گے۔ اب ہمیں مزید انتظار کی ضرورت نہ تھی۔ ریڈیو سگنل نے ہمیں روانگی کی اجازت دیدی۔ ہم سے پہلے دو طیارے روانہ ہو چکے تھے ہمارا نمبر تیسرا تھا میں اپنی نشست پر بیٹھا کینیڈا میں گزرے ہوئے دنوں کی باتیں سوچ رہا تھا کہ ریڈیو آپریٹر میرے پاس آیا اور بولا۔ "جناب! گوند!" اس نے گوند کی ٹکیہ میرے ہاتھ میں دیدی

ہمارے پیچھے بھی بہت سے طیارے پرواز شروع کرنے کو تیار کھڑے تھے۔ جب ہم روانہ ہوئے تو ان کے ہوابازوں نے رومال ہلا ہلا کر ہمیں خدا حافظ کہا۔

میں نے ہواباز کو اپنا نقشہ دے دیا تاکہ وہ اس کے مطابق راستہ اختیار کرے۔ ہر پانچ منٹ کے بعد میں اس نقشہ کو دیکھ لیتا تھا۔ اس قسم کے سفر میں نقشے بار بار دیکھے جاتے ہیں۔ تاکہ طیارہ راستہ نہ بھول جائے۔ ہواباز نے ایک بٹن دبایا اور مشینی ہواباز "جارج" اپنا کام کرنے لگا۔ ہڈسن طیاروں میں ایک جیتے جاگتے ہواباز کے علاوہ ایک آہنی مشین بھی طیارہ کو چلاتی ہے اور ہماری اصطلاح میں اس مصنوعی آدمی کو



جارج · کہتے ہیں۔ ہوا باز بیچ میں مصنوعی آدمی کی حرکات کی نگرانی کرتا تھا ڈائل پر جبکہ۔ موسم اور دیگر ضروری اعداد و شمار اپنے آپ آ رہے تھے۔

ڈھائی ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچنے میں ہمیں اٹھائیس منٹ لگے۔ گرمی بہت تھی اور ہر گز پنکھے جیسی پرواز کر رہے تھے جب ہمیں راستہ کی صحت اور مصنوعی ہوا باز کے کام کے متعلق اطمینان ہو گیا تو ہم آپس میں باتیں کرنے لگے ہوا باز نے دور آسمان کی طرف اشارہ کیا جہاں آٹھ سیاہ نکات نظر آ رہے تھے یہی ہمارے ہم سفر تھے اتنے طویل سفر میں اس احساس سے آدمی کو اطمینان ہوتا ہے کہ اس کے ہمراہ دوسرے طیارے بھی پرواز کر رہے ہیں۔

روانگی کے دو گھنٹے بعد تک سورج غروب ہو چکا تھا ہم نے نقشہ کے مطابق ایک دوسری سمت میں پرواز شروع کی۔ مقناطیسی کمپاس نیو فونڈلینڈ اور آئرلینڈ کے درمیان ١٦ ڈگری کا فرق دکھاتا ہے۔ اس لئے ہم نے اپنے فضائی راستہ کو پانچ حصوں میں تقسیم کر لیا اسی حساب سے ہمیں وقتاً فوقتاً سمت بدلنا تھا۔

چند منٹ تک بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا کہ ہماری زمینی رفتار (یعنی اگر ہم خشکی پر سفر کرتے تو) ١٦٣ ناٹ رہی ہے۔ حالانکہ ہمارا اندازہ ١٦٤ ناٹ کا تھا۔ یعنی ایک گھنٹے کے پیچھے ایک ناٹ کا فرق پڑ گیا۔ ہمارے دوست بھی ہم سے آگے نکل گئے تھے اب دوسرے طیارے نظر نہیں آتے تھے۔

سمندر میں چاروں طرف تاریکی چھائی تھی۔

ساڑھے گیارہ بجے رات تک ہم نصف راستہ طے کر چکے تھے۔ اس لئے ہم نے گرنہ کو ٹرک دیا اور ریڈیو آپریٹر سے کھانا لانے کے لئے کہا۔ وہ سینڈوچ اور بسکٹ لایا جن میں قہوہ بھرا تھا۔ لیکن قہوہ انڈیلنے پر معلوم ہوا کہ ریڈیائی شعاعوں سے قہوہ جم گیا ہے۔ اور اس میں برف کے ٹکڑے نظر آ رہے ہیں۔ ہم سینڈوچ کھا گئے۔ اور قہوہ پھینک دیا۔ اس کے بعد پھر اپنے کام میں لگ گئے۔

ہم میں سے صرف ریڈیو آپریٹر خاموش تھا۔ تمام رات وہ اپنے وائرلیس پر بیرونی دنیا کے پیغامات سنتا رہا۔ جب تک ہنگامی حالات پیدا نہ ہوں امریکہ سے برطانیہ جانے والے بمبار طیارے کوئی اشارہ یا پیغام وائرلیس پر نشر نہیں کرتے۔ مبادا کسی دشمن کو ان کے سفر اور فضائی راستے کا سراغ مل جائے اور کسی ناگہانی کا سامنا کرنا پڑے۔

میں چھت کے سوراخ میں سے جس پر شیشہ نصب ہوتا ہے (یہ سوراخ وقت ضرورت سامان خارج کرنے کے لئے رکھا جاتا ہے) ستاروں کو دیکھ رہا تھا کہ دفعتاً انجنوں کی حرکت بند ہو گئی۔ مصنوعی آدمی۔ جارج۔ طیارے کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا میں نے دل میں کہا۔ ننھے آدمی! اب کیا کرو گے تم۔ بحر اوقیانوس کے وسط میں نصف شب کے وقت انجن کا بگڑ جانا یقیناً ایک خوشخبری نہیں ہے خواہ تمہارا طیارہ سمندر میں بھی تیر سکتا ہو لیکن انجن میں کوئی خرابی نہ تھی۔ ایک ٹینک کا پٹرول ختم ہو گیا تھا ہوا باز کے بٹن دباتے ہی دوسرے ٹینک سے پٹرول انجن کو پہنچنے لگا اور میری جان میں جان آئی۔

روانگی کے چھ گھنٹے بعد میں نے نقشہ دیکھ کر اپنے رفقا کو بتایا کہ ہم اس وقت کہاں ہیں ہم بیس میل جنوب میں ہیں اور جس مقام پر ہمیں ہونا چاہئے تھا اس سے دس میل پیچھے ہیں۔ نصف گھنٹہ میں ہم اپنے صحیح راستہ پر آ گئے۔ اب ہم صرف تین منٹ لیٹ تھے۔ اگرچہ دیگر طیارے تاریکی میں دکھائی نہ دیتے تھے لیکن ہمارے قریب ہی کہیں ان کے ہوا باز بھی ہماری طرح ریاضی کے سوال حل کر رہے تھے۔ یہ ہماری آخری پرواز تھی۔ کیونکہ ہمیں بتایا گیا تھا کہ اس کے بعد انگلستان کے شہری ہوا باز یہ کام خود سنبھال لیں گے۔ اور ہمیں جنگ میں حصہ لینا ہو گا۔ اس وقت میں بہت تھک گیا تھا۔ اور مجھے ایک سگریٹ کی خواہش ہو رہی تھی۔ گرم چائے کی چاہ میں میرا گلا اور منہ خشک ہو گیا تھا۔

تین بجنے میں ایک منٹ باقی تھا کہ ہم نے پھر اپنا رخ بدلا جوں ہی آسمان پر ہلکی سی روشنی دکھائی دی۔ ہمیں کچھ فاصلہ پر بادلوں کی بھی جھلک دکھائی دینے لگی۔ ہم سمجھ گئے کہ جزائر برطانیہ نزدیک ہیں۔ اس اثنا میں سورج نکل آیا۔ یہ اندازہ کر کے کہ ہم انگلستان سے یکصد میل کے فاصلے پر ہیں۔ ہم نے بلندی سے نیچے اترنا شروع کیا۔ بادل طیارے کے پروں پر جم جاتے تھے۔ اور پانسو فٹ نیچے جا کر ہی چھٹتے تھے۔ ان میں سے میں نے دیکھا۔ کہ کئی میل آگے ایک طیارہ جا رہا ہے ہم رات بھر ساتھ ساتھ پرواز کرتے رہے تھے۔ اب ہم اکٹھے ہی انگلستان پہنچ کر ناشتہ کریں گے۔ یقین جانو اس وقت ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ ترنم اور لطیفوں پر نظمیں لکھنے کو جی چاہتا تھا۔

دفعتاً ہمارے ریڈیو نے ہمیں مغرب کی طرف مڑنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد سطح سمندر میں ایک سیاہ سا سایہ نظر آنے لگا۔ اب یہ بڑھتا جاتا تھا اور نزدیک آ رہا تھا ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔ زمین! ایک بار پھر ہم نے سمندر کا سفر ختم کر لیا۔ سمندروں کی لہروں میں [illegible] سے پرواز۔ پھر چند بندرگاہیں اور جہاز — اور اس کے بعد ہمارا ہوائی اڈہ۔ جہاں ہمیں پہنچنا تھا۔ اور جہاں اس وقت دو درجن طیارے کھڑے تھے۔ گویا اس دوڑ میں بھی ہمارا نمبر تیسرا رہا۔

ابھی ہمارے ٹینکوں میں کئی گیلن پٹرول باقی تھا کہ ہمارے طیارے نے زمین کو چھو لیا۔ ساڑھے گیارہ گھنٹے کے بعد ہم نے پھر زمین پر قدم رکھا۔ اتنے عرصہ کے بعد سگرٹ کے پہلے چند کش جدید پُر لطف تھے۔ مجھے یاد آیا کہ جب کرنل لنڈبرگ ٣٣ گھنٹے میں یہی سفر ختم کر کے انگلستان پہنچا تو اس کا کتنا شاندار خیر مقدم ہوا تھا اور ہمارا استقبال؟ برطانوی بیڑے کے ایک سارجنٹ نے آگے بڑھ کر ہم سے مصافحہ کیا اور بولا۔ "موٹر کار انتظار کر رہی ہے۔ آپ کو ہوٹل میں پہنچانے کے لئے — ہاں جناب! آپ کا ناشتہ تیار ہے"

صنعت و حرفت

صنعت میں آرٹ کی نمائش

برما شیل آئل سٹوریج کمپنی آف انڈیا نے کلکتہ میں ایک غیر معمولی قسم کی نمائش کے انعقاد کا انتظام کیا ہے جس میں یہ دکھایا جائیگا کہ آرٹ صنعت کی مدد کیسے کر سکتا ہے. کمپنی نے مصوروں سے درخواست کی ہے کہ وہ مختلف شعبہ جات کے لئے تصویریں اور ڈیزائن تیار کر کے بھیجیں.

ایک شعبہ کا تعلق جلی اشتہارات سے ہے. اس کے لئے گورنر بنگال نے ایک انعام رکھا ہے.

باٹا سیکشن کے لئے باٹا شو کمپنی نے انعامات رکھے ہیں. اس شعبہ کے لئے کوئی اشتہار پانچ سے زیادہ رنگوں میں نہ ہونا چاہئے. سائز ۲۰ انچ لمبا اور ۱۵ انچ چوڑا ہو. اشتہار میں کسی موسم یعنی بہار گرما، سرما یا بارش یا کسی تہوار مثلاً عید، پوجا یا کرسمس کا منظر دکھایا جائے. دو تہائی اشتہار میں باٹا کے جوتے دکھائے گئے ہوں. اور ایک تہائی میں دیگر آرائش ہو. جوتے کی تصویر کی کوئی حد مقرر نہیں کی جائیگی. ہر اشتہار میں جوتے کی قیمت اور باٹا کے نام کے سوائے اور کوئی عبارت نہ لکھی جانی چاہئے.

بنگال کیمیکل سیکشن کے لئے انعامات کی رقم بنگال کیمیکل اینڈ فارمیسوٹیکل کمپنی نے مرحمت فرمائی ہے. اس کے لئے مصوروں کو پیٹنٹ ادویات یا صابن، عطریات، کریم اور بالوں کے لوشن کے لیبلوں کے ڈیزائن تیار کرنا چاہئیں.

برما شیل سیکشن کے لئے انعامات کی رقم برما شیل آئل سٹوریج اینڈ ڈسٹری بیوٹنگ کمپنی آف انڈیا لمیٹڈ نے ادا کی ہے. سیاہی چوس کے بارہ ڈیزائن تیار کئے جانے چاہئیں جن میں ہندوستانی آرٹ اور مصنوعات کی نمائش کی گئی ہو. ہندوستانی ماحول دکھانا ازحد ضروری ہے. صرف ایک ڈیزائن میں رنگ بھرنا کافی ہے. باقی خاکے کالے ہیں. بشرطیکہ ان کی اثر ریزی پورے طور پر نمایاں ہو.

سیمنٹ سیکشن کے لئے انعامات سیمنٹ مارکٹنگ کمپنی نے دئے ہیں. مصوروں کو چھ تین کی نسبت کے ڈیزائن تیار کرنا چاہئیں جن میں ایک مکمل جالا کنکریٹ کی ایک سڑک یا جو کنکریٹ کی اشیا سے آراستہ باغ وغیرہ دکھائے گئے ہوں. اس ڈیزائن کا نعرہ ہے "صفائی اور کفایت شعاری کے لئے سی. ایم. آئی سیمنٹ کے مکان بناؤ". یا ایک جدید وضع کی کنکریٹ کی سڑک تصویر میں دکھائی جائے. اس تصویر کا نعرہ یہ ہونا چاہئے "سلامتی حفظ صحت اور بالآخر کفایت شعاری".

ڈنلپ سیکشن کے لئے انعامات ڈنلپ ربڑ کمپنی (انڈیا) لمیٹڈ نے رکھے ہیں. مصوروں کو بیس اور تیس انچ کے پوسٹر تیار کرنے چاہئیں. (جن میں سے ایک میں رنگ بھرا جائے. بصورت دیگر باقیوں میں بھی رنگ بھرا ہوگا) ان پوسٹروں میں ڈنلپ ٹرک یا موٹر ٹائر دکھائے جائیں. یہ دو نعرے درج کئے جا سکتے ہیں "ربڑ کی مضبوط ترین گرفت" یا "ٹائر جو عرصہ دراز تک محفوظ رہتے ہیں".

دو شعبہ جات ریلوے اور پبلک کے پوسٹروں اور نمونوں کے لئے مخصوص ہیں.

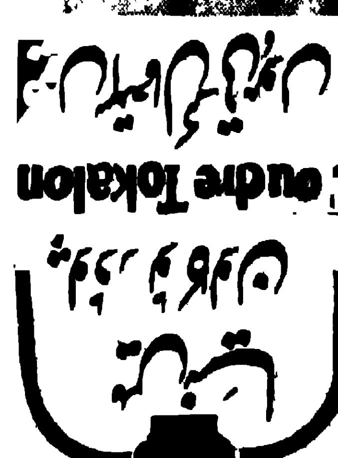
ٹاٹا سیکشن کے لئے انعامات کی رقم ٹاٹا آئرن اینڈ سٹیل کمپنی لمیٹڈ نے ادا کی ہے. اس کے لئے مصوروں کو سٹیل کے متعلق ایسے اشتہارات تیار کرنے چاہئیں جو درجہ اول کے انگریزی اخبارات، نفیس کاغذ پر چھپنے والے ماہناموں اور ہندوستانی اخبارات میں چھپ سکیں. خوشخط اور دلکش حروف کو ترجیح دی جائیگی.

تین شعبہ جات کا تعلق پراپیگنڈا، پارچہ بافی اور ٹاٹا سے ہے. ہر وہ آرٹسٹ جو مستقل یا عارضی طور پر ہندوستان میں رہتا ہو. اپنی تصویر نمائش میں بھیج سکتا ہے. ہر شعبہ میں پہلا انعام اڑھائی سو کا دوسرا ایکسو کا اور تیسرا پچاس روپیہ کا ہوگا. پانسو روپیہ کا انعام مسٹر بھوانی جرل لائی کی طرف سے اس بہترین تصویر کے لئے رکھا گیا ہے. جس میں ہندوستان کا قدیم آرٹ دکھایا گیا ہو. تصویر فروخت ہونے کی صورت میں انعام پانے والا یا تو انعام کا روپیہ لے سکتا ہے، یا تصویر کی قیمت. انعامات کا فیصلہ ایک کمیٹی کریگی. تمام تصاویر ۵ جنوری سے ۱۴ جنوری تک ایک روپیہ فیس داخلہ کے ساتھ گورنمنٹ سکول آف آرٹس چورنگی کلکتہ میں پہنچا دی جانی چاہئیں. جو طلبا اپنے پرنسپل کا سرٹیفکیٹ ہمراہ بھیجیں گے ان سے کوئی فیس نہیں لی جائے گی. قیمت فروخت کا دس فیصدی نمائش کے اخراجات پورے کرنے کے لئے وضع کر لیا جائے گا.









مشاہیر عالم

پُراسرار ترک عصمت انونو

اب جبکہ دنیا کی نگاہیں ترکی پر لگ رہی ہیں۔ وہ اس سوال کا جواب حاصل کرنا پسند کریگی کہ عصمت انونو کیا ہے۔ کون ہے کیوں ہے!

عصمت انونو اپنے تمام معاصرین اور دنیا کے دیگر بڑے بڑے سیاست دانوں کی نسبت ... ایک بہت اختلاف ہیں۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۷ء تک ... وہ ترکی کے وزیر خارجہ اور وزیر اعظم رہے۔ ۱۹۳۸ء میں جب ان کے پیشرو اور ترکی کے نجات دہندہ مصطفےٰ کمال کا انتقال ہوا تو وہ جمہوریہ ترکیہ کے صدر منتخب کئے گئے۔ اگرچہ قانونی طور پر انہیں ترکی پارلیمنٹ نے منتخب کیا ہے تاہم ان کے اختیارات اتنے ہی وسیع ہیں جتنے کہ اپنے اپنے ملک میں ہٹلر یا مسولینی کے۔ وہ ایک عظیم سپاہی ہیں۔ پہلی جنگ عظیم اور اس کے بعد ۱۹۲۲ء کی جنگ یونان میں ان کے کارہائے نمایاں تک مورخ تعریف کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

ان تمام باتوں کے باوجود ان کا نام اخبارات کے جلی عنوانات میں نہیں آتا۔ ان کے متعلق سرکاری روئداد ان کے عہدوں کے نام اور غیر دلچسپ تذکرہ تک محدود ہے۔ وہ ۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۴ء میں فوجی سکول کی تعلیم سے فارغ ہوئے ۱۹۱۶ء میں کرنل بنائے گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ برطانیہ کے انسائیکلو پیڈیا میں ترکی کے تمام سربرآوردہ سیاست دانوں کا ذکر ہے لیکن عصمت انونو کا نام بھی نہیں۔

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ترکی میں بھی لوگ عصمت انونو کے متعلق بہت کم واقفیت رکھتے ہیں۔ قسطنطنیہ سمرنا یا انقرہ کے بازاروں میں جہاں بڑے آدمیوں کے متعلق اکثر گفتگو ہوتی رہتی ہے عصمت انونو کو گفتگو کا موضوع نہیں بنایا جاتا۔ ان کی ازدواجی زندگی پرمسرت ہے۔ اور ان کے تین بچے بھی ہیں جن میں سے کوئی بھی کبھی کسی تقریب میں شریک نہیں ہوا۔ عصمت انونو کو نہ تو مذہب سے مذہبی عقیدت ہے اور نہ وہ اپنے پیشرو کمال اتاترک کی مانند لاوں اور دوروں کے عادی ہیں۔ وہ عام طور پر شراب نہیں پیتے لیکن سیاستدانوں کی بزم شوکت میں ایک آدھ جام پی لینا ان کے نزدیک قابل اعتراض بھی نہیں۔

عصمت انونو کی ابتدائی زندگی سیاسی استبداد کے دور میں بسر ہوئی۔ ... کی عمر میں ہی وہ اس سازش کے قائدین سے ہو گئے ... عبدالحمید کو معزول کرنے کے لئے کی گئی تھی۔ ... وہ بلند مرتبہ اور اونچے عہدوں پر متمکن رہے۔ اور انہوں نے ترکی قوم کے ... اور ترکی قومیت کی تعمیر میں بہت کام کیا۔ ... خود ترکی کے لوگوں میں وہ اتنے ہی گمنام ہیں جتنا کہ کسی دیہاتی سکول کا ماسٹر۔ عصمت انونو ۵۴ برس کی عمر میں خاموشی سے ترکی کی تقدیر کے مالک بن گئے۔ کسی انقلاب کے بغیر۔ ایک قطرہ خون بہائے بغیر۔

... فوجی سکول سے نکلنے کے بعد اب تک ان تینتیس برسوں میں ترکی میں دو انقلاب ہوئے اور اس نے پانچ لڑائیاں لڑیں۔ ان لڑائیوں میں اسے شکست ہوئی۔ ۱۹۱۸ء میں ترکی کی شکست اتنی ہی کٹھن تھی جتنی کہ گزشتہ موسم گرما میں فرانس کی شکست۔ ان تمام تاریخی واقعات میں عصمت انونو نے نمایاں حصہ لیا۔ ہر ایک سازش۔ سازشوں۔ شدید جدال و قتال ... اور دشمنی اور بغض و حسد کا عالم تھا لیکن عصمت انونو نے ملک میں ایک شخص کو بھی اپنا دشمن نہ بنایا۔ انہوں نے سازشی گروہ کے خلاف رسہ کشی میں بھی حصہ لیا۔ جو کمال اتاترک کی ڈکٹیٹر شپ ختم کرنا چاہتا تھا۔ عصمت انونو ایک سچے ... ہیں اور انصاف کے قائل حامی ہیں اگر کسی سیاست دان سے ان کا اختلاف ہو جائے تو اسے کوئی سزا نہیں دی جاتی۔ بلکہ سفیر بنا کر سیام۔ جنوبی افریقہ یا کسی دوسرے ملک میں بھیجدیا جاتا ہے۔ وہ ایک مشرقی انقلاب پسند ہیں۔ اور ان کا عقیدہ ہے کہ صبر و استقلال وہ کام کر سکتا ہے جو ... نہیں کر سکتے۔ ان کو پہلی عظیم الشان کامیابی یونان و ترکی کی جنگ میں انونو کے مقام پر حاصل ہوئی جب ترکی میں خاندانی ناموں کا رواج شروع ہوا تو عصمت نے اسی جنگ کی نسبت سے اپنا خاندانی نام انونو رکھ لیا۔

جنگ انونو کے حالات بڑے دلچسپ ہیں۔ یونانی فوج نے اناطولیہ پر حملہ کر دیا تھا۔ اور تیزی سے انقرہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ لیکن ترکی افواج کے سالار اعظم عصمت انونو نے دشمن کا مقابلہ نہ کیا اور اپنی فوجوں کو پسپا ہونے کا حکم دیتا رہا۔ گورنمنٹ ہراساں ہو گئی۔ وزیر اعظم نے سالار اعظم سے درخواست کی لیکن ... سمجھایا ... کہ وہ ... یونانیوں سے لڑے۔ ... مارشل کی دھمکی بھی دی گئی۔ اس کی ناکافی طور پر مسلح فوج دن بدن کم ہوتی جا رہی تھی۔ کمانڈر انچیف کمال اتاترک ... کے قریب تھا لیکن عصمت انونو پیچھے ہٹتے رہے حتیٰ کہ یونانی دہاں پہنچ گئے جہاں سے ان کے لئے کوئی راہ فرار نہ تھی تب عصمت انونو نے اپنی فوج کو ... کا حکم دیا اور دشمن فوج کی چھاؤنیاں اڑادیں۔

جنگ کے بعد جو صلح کانفرنس منعقد ہوئی اس میں انونو کی کامیابی نے ان کی شہرت کو چار چاند لگا دئیے۔ اس سے پہلے وہ کبھی مغرب میں نہیں گئے تھے نہ انہیں کسی سیاسی گفت و شنید میں داؤ گھات کھیلنے کا تجربہ تھا۔ وہ یورپ کے کسی سیاستدان سے ذاتی طور پر واقف بھی نہ تھے۔ لیکن ۱۹۲۲ء میں بڑی بڑی طاقتوں سے ڈپلومیٹک جنگ لڑنے کیلئے لوزان سے سوئٹزرلینڈ جانے کے لئے انہی کو منتخب کیا گیا وہاں ان کا سامنا پرانے سپاہیوں سے نہ تھا بلکہ سلطنت برطانیہ کے ... وزیر خارجہ لارڈ کرزن جیسے پرانے گھاگ سے تھا۔ کرزن کو یقین تھا کہ ترکی پر برطانیہ کے حملہ کا ساتھی ہے ... کانفرنس میں وہ بھی ایسا ہی اعتبار کیا وہ ایک بدترین ملوکیت پرست تھا اور ... کے خمیر پر رہ کر تو اس کا دماغ اور بھی خراب ہو گیا تھا۔ لہٰذا وہ کالے آدمیوں کی مخالفت کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اس نے ترکی کو تھوڑی سی رعایت دینے سے بھی انکار کر دیا گویا وہ چیخا اور چلایا۔ اس نے عصمت کے منہ پر اسے کالا آدمی کہہ دیا۔ اس نے کانفرنس ہی میں اپنے بحیرہ روم کے بحری بیڑے کو ترکی پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔

عصمت انونو جانتے تھے کہ ... کو روکنا ان کے بس کا روگ نہیں اس وقت ترکی فوج کا ... بحیرہ تو ... ہو چکا تھا۔ پھر بھی وہ مسکراتے رہے وہ جانتے تھے کہ ... روس بالشویزم سے زیادہ ... میں ... پس انہوں نے

بطاقی صلاحی صورت میں شرط خوش سے اعداد طلب ارث لی جملکی ۔۔۔ میں معلوم تھا کہ فرانسیسی اور انگریز شام میں فرانس کی انتدابی حکومت کے سوال پر جھگڑ رہے ہیں۔ ۔۔۔ انہوں نے فرانسیسیوں کے دعاوی کی تائید کی اگرچہ ۔۔۔ شام کی حکومت میں حصہ دار بننا چاہتا تھا۔ عصمت اور باقی ۔۔۔ ۱۹۱۸ء سے سلطنت ترکیہ کے کچھ حصے جیسے ۔۔۔ پوزیشن کر رہا ہے۔ اور اس نے انگریزوں کے ۔۔۔ پر ۔۔۔ صدر میں فوقیت حاصل کرنے سے متعلق ان کی خواہشات کو بنظر ۔۔۔ ۔۔۔ عصمت انونو نے ۔۔۔ کے مقابلہ میں اٹلی کی حمایت کی۔ نتیجہ یہ ہوا ۔۔۔ سارا نشیب ہرن ہو گیا عصمت انونو جب ۔۔۔ لینڈ میں تھے اس وقت حالات اس کے خلاف تھے لیکن جب وہ وہاں سے واپس روانہ ہوئے تو ان کی جیب میں ایک ایسا شاندار معاہدہ تھا جس کی خود ترکوں کو بھی امید نہ تھی۔

اس وقت سے عصمت انونو کی خارجہ پالیسی یہ رہی ہے کہ یورپی طاقتوں کے باہمی جھگڑوں کو ترکی کے مفاد کے لئے استعمال کیا جائے۔ ۔۔۔ دوست بنائے جائیں اور پرانے دوستوں کے ساتھ تعلقات مضبوط کئے جائیں۔ ترکی میں کمیونسٹ پارٹی بنانے کی اجازت نہیں لیکن مغربی ۔۔۔ کو روکنے کے لئے انہوں نے روس سے یارانہ گانٹھ لیا۔ بحیرہ روم میں پہلے انہوں نے فرانسیسیوں اور انگریزوں اور اس کے بعد فرانسیسیوں اور اٹلی والوں کی کشیدگی سے فائدہ اٹھایا

انہوں نے یونان کے سوائے ہر ملک کے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنالی۔ انہوں نے ایران، عراق اور شام سے دوستانہ معاہدے کئے۔ جب جنگ حبشہ کی وجہ سے بحیرہ روم میں طوفان پیدا ہونے کے آثار نظر آئے تو انہوں نے ایک ہی رات میں برطانیہ اور ترکی کے جھگڑے سے فائدہ اٹھا کر برطانیہ سے دوستانہ معاہدہ کر لیا آج یورپ جنگ کے دلدل کے سرے پر ۔۔۔ رہے ہیں۔ اس موقع پر عصمت کا استقلال کام دے گا یا ترکی کی قوتیں؟ اس سوال کا جواب وقت ہی دے سکتا ہے لیکن اس میں شک نہیں ترکی کو اپنے قائد ورصدر کی ذات ۔۔۔ ۔۔۔ پر پورا اعتماد ہے

پیشاب میں جلن

اگر آپ مکمل آرام اور ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اسی منٹ ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر "راہ نجات" مفت منگائیے

دی جبلین لیبوریٹریز دہلی

عجائبات

ٹھیلے میں ۴۲ ٹن بوجھ

بعض اوقات طیاروں کو اتنا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے جس کا ہم خواب میں بھی خیال نہیں کر سکتے سنہ ۱۹۳۷ء میں ایک طیارہ زمین کھودنے کی مشین لاد کر نیو گنی پہنچا تھا۔ اس مشین کا وزن ۴۲ من تھا۔ اور سمندر میں صاف راستہ نہ ہونے کی وجہ سے طیارے کو سونے کی کان تک ۔۔۔ پہاڑی پر ۔۔۔ لانا پڑی

چار کروڑ ۔۔۔ کی گئی کہ نیو گنی میں سونے کی کان تک سڑک تعمیر کی جائے لیکن راستہ ۔۔۔ اور تخمینہ لگانے پر معلوم ہوا کہ سڑک کی تعمیر پر ۔۔۔ لاکھ پونڈ صرف ہوں گے چنانچہ سڑک کی تعمیر کی سکیم ترک کر دی گئی۔

باپ کے خون کی پہچان

بیٹے کا خون ٹیسٹ کر کے ڈاکٹر یہ بتا سکتا ہے کہ ۔۔۔ باپ کون ہے یہ بات سننے میں یہ کتنا ہی تعجب خیز کیوں نہ معلوم ہوتا ہو لیکن سائنس نے اسے ممکن کر دکھایا ہے انسانی خون کی چار قسمیں ہیں۔ اگر ڈاکٹر بیٹے کا خون دیکھ کر ماں کا خون بھی دیکھ لے تو اس کے لئے اس نتیجہ پر پہنچنا مشکل نہ ہوگا کہ باپ کا خون کس قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ اگرچہ ایک ہی قسم کا خون کئی آدمیوں میں ہو سکتا ہے لیکن مغرب کی عدالتوں میں بعض اوقات اس سلسلہ میں ڈاکٹروں کی شہادت کو مستند تسلیم کیا گیا ہے۔

کتوں کی ڈکشنری

اٹلی کی ایک معمولی شخصیت ہے گبریلی۔ وہ شاعر ہے صحافی ہے افسانہ نگار ہے اور سیاست دان ہے۔ کسی زمانہ میں اس بات کا امکان تھا کہ وہ سیاسی میدان میں مسولینی کا رقیب ثابت ہوگا لیکن اب اس نے ایک نیا شغل اختیار کر لیا ہے وہ جانوروں کی زبان کو سمجھنے اور اس کا ترجمہ انسانی زبان میں کرنے کی کوشش کر رہا ہے اس نے کتوں کی زبان کی ایک چھوٹی سی ڈکشنری مرتب کر لی ہے ابھی تک بھیڑیوں کی زبان کے چند الفاظ اور مرغیوں کی زبان کے بعض الفاظ کے معانی سمجھنے میں اسے کامیابی حاصل ہوئی ہے کتوں کی ڈکشنری چھپ جانے پر شکاریوں اور کتے پالنے والوں کو اس



قیمت بڑی ڈبی ۱۲ نمونہ ۸ ڈاک خرچ ۔۔۔
اپنے یہاں کے دوکانداروں سے طلب فرمائیں
سول ڈسٹری بیوٹرس ۔ دی انڈیا کیمیکل کمپنی کھاری باؤلی دہلی

ہندوستانی مٹھائیاں!

نصف صدی سے زائد عرصہ سے ہم نہایت ساتھ صاحب اختیار لوگوں کو مال بہم پہنچا کر خراج تحسین حاصل کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہماری مٹھائیوں اور حلووں میں صرف چیدہ ترین اجزا ہی استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور ان کا تناسب ایسا جانچ تول کر رکھا جاتا ہے کہ ہماری مٹھائیاں اور حلوے دلکش مہک اور ذائقہ کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہیں۔ ہمارا تمام مال از حد صاف حالات میں تیار کیا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے ۔۔۔ ہمارے مال کو صرف اس ملک میں ہی نہیں بلکہ سمندر پار ممالک میں بھی لاثانی شہرت حاصل ہے ۔۔۔ اقسام کے علاوہ اور مٹھائیاں از حد دلکش اور خوبصورت تحفہ کے طور پر دینے والے بکسوں میں ۔۔۔ سکتی ہیں۔

قیمتیں ایک روپیہ سے چھ روپیہ فی بکس

رائل فینسی سویٹ میٹ سیلون

(ہندوستانی حلووں اور مٹھائیوں کی سب سے بڑی دوکان)

باریا مینشن ۔۔۔ کرافورڈ مارکیٹ ۔۔۔ ٹیلیفون نمبر ۔۔۔

واسیال بلڈنگ ۔۔۔ گرانٹ روڈ ۔۔۔ ٹیلیفون نمبر ۔۔۔

آپ کیوں نہ چھریرے بدن کے مالک اور تندرست ہو جائیں

آپ تندرست اور آپ کا بدن پورے طور پر چھریرا ہو سکتا ہے اور اس کے لئے آپ کو فاقہ کرنے کی ضرورت نہیں ۔۔۔ ورزش کی۔ بشرطیکہ آپ ہر شب سونے سے قبل دوا بائیل بینز باقاعدہ استعمال کرنے ۔۔۔ اصول پر عمل پیرا ہوں۔

بائیل بینز کے استعمال سے آپ اگلے روز ہی خود کو بہتر محسوس کرنے لگیں گے۔ بہت جلد آپ کو اپنے بدن میں فرق نظر آنے لگے گا۔ لہذا اگر آپ ایسی صورت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی ہر شخص تعریف کرے تو بائیل بینز کی مدد سے سوتے میں پتلے ہونے کے عمل کا تجربہ کیجئے۔



۔۔۔ بائیل بینز ۔۔۔ تمام دوا فروش بائیل بینز رکھتے ہیں۔ قیمت ایک کی شیشی ۔۔۔ ایک آنہ کی پیکٹ خریدی جا سکتی ہے۔ ایجنٹس ۔۔۔ ایم بی ۔۔۔ اینڈ کمپنی کراچی۔



بائیل بینز اس طرح عمل کرتی ہیں

بائیل بینز خالص نباتاتی اجزا سے تیار کی جاتی ہیں۔ لہذا ہر شخص ان کو استعمال باطمینان کے ساتھ بے خوف کیا جا سکتا ہے۔ یہ نظام کو درست کرتی ہیں۔ خون کو صاف کرتی ہیں۔ اور ۔۔۔ تمام فضلات کو خارج کرتی ہیں۔ اس طرح آپ کی صحت کو بہتر بناتی ہیں۔ اور آپ کو جوان اور ۔۔۔ رکھتی ہیں۔

BILE BEANS

بائیل بینز آپ کو نوجوان اور تندرست رکھتی ہیں

Printed at Jayyed & Ranjit Press Delhi and Published from the "Riyasat" Office Delhi. Printer, Publisher & Editor Mr. Zaffar Ahmad.

ٹیلیفون نمبر ۳۳۲۲

فِلمستان

شاعر ٹیگور کا افسانہ پردہ سیمیں پر

پادر پکچرز نے جو تصویری دنیا میں نوا رد ہے۔ ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور کی ایک کہانی کو پردہ سیمیں پر لانے کا فیصلہ کیا ہے کہانی کے حقوق حاصل کرنے کے لئے مسٹر جی۔ پی۔ پوار ڈاکٹر ٹیگور کے صاحبزادے مسٹر آر۔ این ٹیگور سے خط و کتابت کر رہے ہیں معلوم ہوا ہے کہ مسٹر پولنکی پہلی تصویر میں کام کا مدی۔ پی۔ سندریکو۔ ساہو موڈک۔ رجنی۔ جیلو۔ صادق اور میرا کام کریں گے تصویر کے نام کا ہنوز اعلان نہیں کیا گیا۔

نیس اور مہتاب "چورنگی" میں

"معصوم" کے ساتھ ساتھ فضلی برادران لمیٹڈ کے ڈائرکٹر جو نہار جوان سال ڈائرکٹر مسٹر سبطین فضلی نے بھی اپنے دوسرے شاہکار "چورنگی" کی تصویر کشی باقاعدہ شروع کر دی ہے۔ جس کی رفتار تقسیم کی اب تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے۔ "چورنگی" ایک مزاحیہ خلاق تصویر ہوگی جو بیک وقت اردو اور بنگالہ زبانوں میں تیار کی جا رہی ہے۔ "چورنگی" (اردو) کے اداکاروں میں انیس۔ مہتاب۔ امجد اور خواجہ صابر کا نام لیا جاتا ہے۔

"یادگار مشاعرہ"

ایک مختصر ادبی ... مسٹر فضلی چورنگی کے ساتھ ساتھ ڈائرکٹ کر رہے ہیں۔ اس مختصر ادبی فلم میں شعرائے متقدمین سے لیکر شعرائے متاخرین تک کی شعر و سخن کی ایک مختصر صحبت دکھائی جائے گی۔ تمام کردار اپنے مخصوص وضع قطع اور لباس میں نظر آئیں گے۔

کوشش اس امر کی بھی انتہائی کی گئی ہے کہ ہر تمثیل نگار کردار کی شکل و صورت کے مطابق پورا پورا اترے۔ اس فلم کی ایک امتیازی خصوصیت اور ہے جس کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

"اجالا" میں مس نسیم

تاج محل پکچرز لمیٹڈ کے ارباب بست و کشاد فلم "اجالا" کو ہر اعتبار سے شاندار بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نسیم، پرتھوی راج۔ رتن بائی۔ مبارک۔ اور مرزا مشرف جیسے فلمی ستاروں کی بہترین اداکاری۔ کمال امروہوی کے پر زور مکالمے پروفیسر بشیر دہلوی کی پر اثر موسیقی ایسی خوبیاں ہیں جو فلم "اجالا" میں لازمی طور پر ایک امتیازی شان پیدا کر دیں گی۔

"معصوم" کی نمائش قریب ہے

"قیدی" کے ڈائرکٹر مسٹر حسنین آج کل شب و روز "معصوم" کی قطع و برید میں نہایت تندہی کے ساتھ مصروف ہیں۔ اور ذوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ "معصوم" ایک عدیم المثال تصویر ہوگی۔

"معصوم" میں جہاں اور خوبیاں ہیں وہاں رمولا، منور خان، نیس، مہتاب، امجد، اور خواجہ صابر جیسے بہترین فلمی ستاروں کی موجودگی نے فلم کے حسن کو اور بھی چار چاند لگا دیئے ہیں۔

"معصوم" کا منظر نامہ و مکالمہ مسٹر فضل احمد کریم فضلی بی۔ اے۔ (آکسن)، آئی۔ سی۔ ایس کے قلم کا ایک ادبی شاہکار ہے "معصوم" دسمبر کے وسط میں بیک وقت کئی شہروں میں نمائش کے لئے پیش کر دیا جائے گا۔

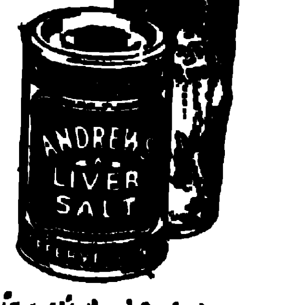
حب الوطن کا متحرک "سکندر"

"سکندر" کے سلسلے میں مختلف مقامات سے دلچسپ خبریں موصول ہو رہی ہیں دہلی میں جمعہ کے روز دوسرے شو میں "سکندر" دیکھ کر ایک غیر ملکی سیاح نے کہا کہ زمانہ سلف میں سکندر اعظم نے آئینہ ایجاد کیا تھا جس میں اسے اپنا عکس نظر آتا تھا مگر سہراب مودی نے جو آئینہ تیار کیا ہے اس میں ماضی کی تصاویر بھی نظر آتی ہیں۔

میرٹھ میں سینما کے پردہ سیمیں پر دو فوجیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں آکر ٹھہر گئیں۔ ایک غریب کسان کو جو اپنے کندھے کے سہارے ایک لکڑی رکھے ہوئے تھرڈ کلاس میں بیٹھا تھا آس پاس کے آدمیوں کی مدد سے معلوم ہوا کہ یونانی فوج نے ہندوستان پر چڑھائی کر دی ہے جوں جوں فوجیں ایک دوسرے کے قریب ہوتی جاتی تھیں کسان کے جذبات بھی اسی رفتار سے برانگیختہ ہوتے جاتے تھے۔

آخر اس سے رہا نہ گیا وہ ایک دفعہ نہایت جوش کے عالم میں بڑبڑاتا ہوا لکڑی ہاتھ میں لے کر اپنی جگہ سے اٹھا









لوگوں نے اس کو پکڑ لیا اور بٹھانے کی کوشش کی مگر وہ چیخ چیخ کر کہتا تھا: "مجھے چھوڑ دو میں دیش کی خاطر اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دونگا۔ میں چپ نہیں بیٹھ سکتا۔"
غالباً اس کا یہ ارادہ تھا کہ سینما کے پردہ پر جس طرف ...... نظر آ رہی تھیں اپنی لکڑی کا ایک بھرپور وار کرے گویا

سکندر وطن پرستی کے حقیقی جذبات کا محرک بھی ہے۔
وہاں تو اور کو سینکڑوں دو کاندار وں نے ہڑتال منائی اور اپنی اپنی دکان پر اس مضمون کی چٹیں چسپاں کر دیں کہ "آج دکان بند رہیگی ہم "سکندر" دیکھنے جا رہے ہیں۔"



طاقت وتندرستی کے لئے بچوں کو
ڈونگرے کا بال امرت
دینا چاہیئے

منروا موؤی ٹون کا زندہ جاوید شاہکار
ہندوستان کی فلمی دنیا کا نوخیز آفتاب

سکندر

ڈائرکٹر ——— سہراب مودی

جس کے دامن میں وہ سب کچھ موجود ہے جو گزرے ہوئے جانباز دلاور اور وطن پرست ہندوستانیوں نے اپنی رگوں سے خون اور اپنے گوشت کے ریشوں سے رنگ کھینچ کر ہمارے لئے تاریخ کے خزانے میں جمع کیا تھا

منروا ٹاکیز ——— رٹز تھیٹر ——— منروا ٹاکیز
(لیمنگٹن روڈ) ——— (میکلوڈ روڈ) ——— (کشمیری گیٹ)
بمبئی ——— لاہور ——— دہلی
گیارہواں ہفتہ ——— چھٹا ہفتہ ——— چھٹا ہفتہ

مظہر خان کو صدمہ

۱۰ نومبر ۱۹۴۱ء اتوار کو مشہور ایکٹر مظہر خان کے والد بزرگوار عارف اللہ خان قلیل علالت کے بعد اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ مرحوم ریاست دھار میں سپرنٹنڈنٹ پولیس کے عہدہ پر رہ چکے تھے بعد میں کچھ عرصہ دھار کے ہوم ممبر بھی رہ چکے تھے۔

طبی مشورہ

آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ پنجاب کے مشہور معالج خاندانی طبیب جناب کوی راج حکیم ستیہ پال صاحب فاضل الاطباء، گولڈ میڈلسٹ، ایڈیٹر طبی میگزین سورج پرکاش امرتسر وسیکرٹری پنجاب پراونشل آیوریدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس نے عورتوں، مردوں اور نوجوانوں کی بربادی کو مدنظر رکھتے ہوئے پوشیدہ اور پیچیدہ امراض مثلاً ماہواری کی بیقاعدگی، ہسٹیریا، سیلان الرحم (لیکوریا)، اسقاط، اولاد کا نہ ہونا یا کمزور ہونا، مردوں کی کمزوری اور اس سے پیدا ہونے والے امراض، سل و دق، ذیابیطس، پتھری، سنگرہنی، آتشک، سوزاک، جذام صحبت بد کے پیدا ہونے والے امراض وغیرہ خطرناک امراض کا مشورہ مفت دینا منظور کیا ہے۔ خط وکتابت کے لئے جوابی کارڈ یا ایک آنہ کا ٹکٹ آنا لازمی ہے۔
ادویات کے لئے فہرست مفت طلب کریں
المشتہر: ——— منیجر کارخانہ سورج پرکاش امرتسر

ہوشیار!
پاسنگ شو مین کی بات سنو



SMOKE
PASSING SHOW
& ENJOY GOOD HEALTH

یہ کوئی بے معنی جملہ نہیں۔ حفظان صحت کے جس قسم کے انتظامات کے ماتحت پاسنگ شو سگرٹ تیار ہوتے ہیں اور ان سے پاسنگ شو پینے والوں کی

صحت کی
حفاظت
ہوتی ہے

کثرت
نقال پیدا کرتی ہے
اگر آپ اپنی صحت کی قدر کرتے ہیں تو اس بات کا خیال رکھیں خصوصاً جب آپ ایک سگرٹ خریدتے ہیں کہ ہر سگرٹ پر

پاسنگ شو
لکھا ہے اور اس کے ساتھ ہی
گولڈن ورجینیا کے الفاظ بھی
اپنی صحت کی خاطر
پاسنگ شو طلب کیجئے
اور پاسنگ شو خریدنے پر اصرار کیجئے



دس
آنہ میں
بیس

مراسِتلو

مسٹر خلیل کا انتقال

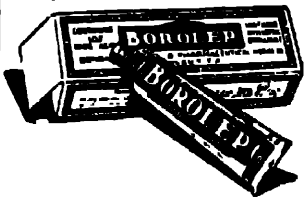
نامور فلم ساز مسٹر خلیل جو بمبئی کی کمپنی کی زیرِ تکمیل فلم "تاج محل" میں کام کرنے کے دوران ہی میں علیل ہو کر کلکتہ تشریف لے گئے تھے۔ افسوس ہے کہ آپ دو ماہ کی علالت کے بعد اپنے تمام احباب کو داغ مفارقت دے گئے۔

ریاست ہائے شملہ کی مشترکہ ہائی کورٹ

چند سال پیشتر ریاست ہائے شملہ کے حکمرانوں نے ایک مشترکہ ہائی کورٹ کے قیام کی تجویز پر غور کیا تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب اس تجویز کو مکمل طور پر ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ مدت سے اس کا ذکر سننے میں نہیں آیا۔ ان ریاستوں میں انتظامی حکام کا بول بالا ہے۔ اگر کوئی ریاستی ... رہنے سے انکار کرے تو اسے ... جیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ... اور خاندانی تعارف ... خالص ... جیسی جماعت کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ عدالتوں میں قانونی قاعدے کے مطابق کام نہیں ہوتا اس لئے ایک مشترکہ ہائی کورٹ کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ کیا شملہ کے چھوٹے فرمانروا اس طرف متوجہ ہوں گے۔ (نامہ نگار)

حیدرآباد کی ہندو درسگاہوں کا بیرونی یونیورسٹیوں سے الحاق

حیدرآباد ہندو پرجا منڈل نے ... کو ایک عرضداشت پیش کی جس میں درخواست کی گئی ہے کہ حیدرآباد کے ہندوؤں کو اپنے سکول اور کالج ... کسی یونیورسٹی کے ساتھ ملحق کرنے کی اجازت دی جائے۔ منڈل نے لکھا ہے کہ حیدرآباد کی ڈیڑھ کروڑ ... ہے۔ لیکن سرکاری زبان مرہٹی، تلنگی اور کنڑی کے مقابلہ ...













اردو زبان کو ذریعہ تعلیم بنا دیا گیا ہے تاکہ لڑکیوں کے لئے بھی اردو لازمی ہے۔ پرائیویٹ سکول قائم کرنے کی اجازت بہت کم دی جاتی ہے لہذا ڈائرکٹر سے درخواست کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ (جسونت راؤ جوشی)

گوالیار کی نئی اصلاحات

سنٹرل انڈیا کی ریاستوں میں جمہوریت کے لحاظ سے جو پانی سب سے پیچھے ہے تو گوالیار کے سب سے آگے ہونے پر شبہ نہیں۔ مرحوم مہاراجہ نے پچاس سال سے مکمل سنٹرل گورنمنٹ کا … قائم کر دیا تھا اب موجودہ راجہ نے … کے … ایوان قائم کر دیئے ہیں لیکن ان ایوانوں کے اختیارات پر اس قدر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں کہ عملی طور پر ان کے پاس کوئی اختیار ہی باقی نہیں رہا۔ عملی وائسرائے ریاست اور اس کے اخراجات … اس کے بجٹ … ریاست کے مذہبی اوقاف۔ ریاست کے حکومت ہند یا دیگر ریاستوں سے معاہدات وغیرہ اور دیگر بہت سی باتوں کو معرض بحث میں نہیں لا سکتی۔ وہ بجٹ پر بحث ضرور کر سکتی ہے۔ لیکن اسے بھی منظور یا مسترد کرنے کا اختیار نہیں۔ اس کے فیصلوں یا قراردادوں کی نوعیت محض سفارشی ہوگی۔ گویا گوالیار کی اصلاحات میں ان … اس آئین کی خوبیاں مفقود ہیں جس کی رو سے راجہ صاحب ریاست کے … خادم ہوں گے اور نصف آمدنی راجہ صاحب کے جیب خرچ اور گورنمنٹ کے تمام اخراجات کے لئے کافی سمجھی جائے گی۔ لہذا گوالیار کی نئی اصلاحات حوصلہ شکن ہیں۔

(جنرل سکرٹری)

سنٹرل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس

غنڈوں کیساتھ اخبار نویس بھی گرفتار

سر … ڈی۔ ایس پی نے جھانسی میں آتے ہی دیوالی کے موقعہ پر غنڈا ایکٹ کے ماتحت کارروائی شروع کر دی تھی۔ غنڈوں اور قمار بازوں کی فہرست ہر ایک پولیس چوکی سے مانگی گئی۔ مگر بعض افسروں نے اپنے دشمنوں کے نام بھی لکھکر دیئے۔

چنانچہ جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں اخبار "دیس راج" کا منیجر اور بعض وہ لوگ بھی شامل ہیں جو جنگ میں برطانیہ کو امداد دے رہے ہیں سابقہ اصحاب سے … ضمانتیں لی گئی ہیں۔ (نامہ نگار)

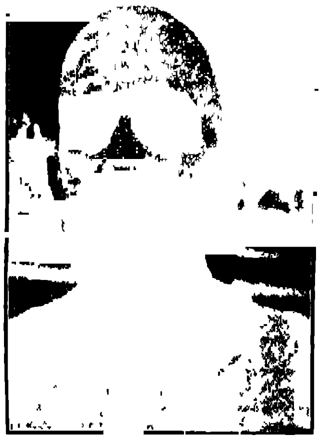
اخبار "اقبال" کا خاص نمبر

اخبار "اقبال" ملتان کی تیرھویں سالگرہ کی تقریب میں "اقبال" کا باتصویر سالنامہ جنوری ۱۹۴۲ء میں شائع ہوگا۔ اس خاص نمبر میں نہایت دلچسپ و دلآویز مضامین پرلطف و دلکش افسانے۔ روح پرور و ہنگامی نظمیں۔ علمی مضامین نظم و نثر سیر و سیاحت ظریفانہ و دیگر مفید مضامین و خبریں درج ہونگی۔ نیز تصاویر کا بھی خاص اہتمام کیا جاوے گا۔

اہل قلم حضرات سے استدعا ہے کہ اپنے مضامین افسانے و نظمیں ۱۰ دسمبر ۱۹۴۱ء تک بھیجدیں۔

سالانہ چندہ … ہے۔ مستقل خریداروں کو یہ نمبر مفت دیا جائے گا۔ تجارت پیشہ اصحاب کیلئے اس سالنامہ میں اپنے اشتہارات شائع کرا کر اپنی تجارت کو فروغ دینے کا نادر موقع ہے۔ (منیجر "اقبال" ملتان)

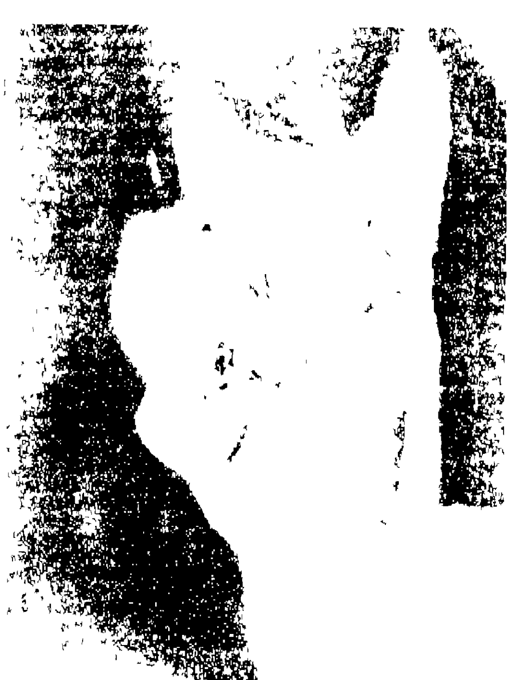
رائے بہادر ڈاکٹر متھرا داس

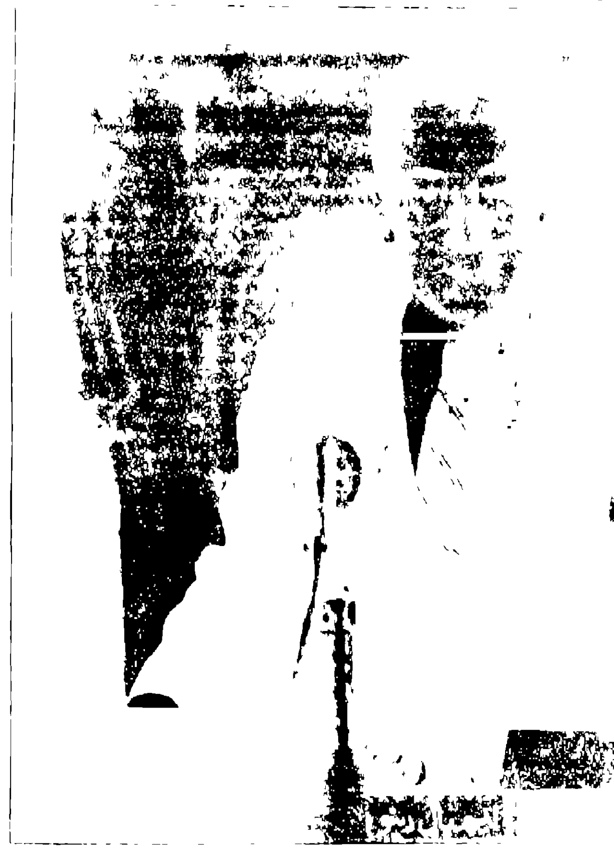


جنکو حکومت حیدرآباد (دکن) نے سرکاری
خرچ پر اپنی رعایا کی آنکھوں کے آپریشن
کرنے کے لئے مدعو کیا ہے



(دائیں طرف اور اوپر) سابق وزرائے اعظم فرانس
جنکو مارشل پیتاں کی حکومت نے ہٹلر کے اشارے پر
ایک غیر معینہ مدت کے لئے نظر بند کردیا ہے

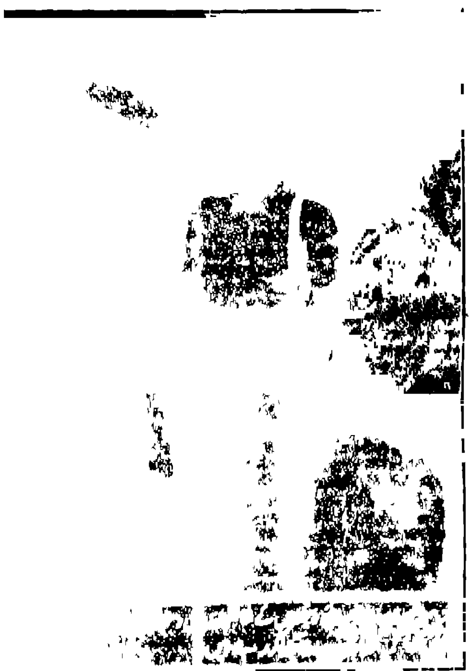




ریڈیو اناؤنسر

Registered No. L. 1722.

جنرل فنگ یو سیانگ



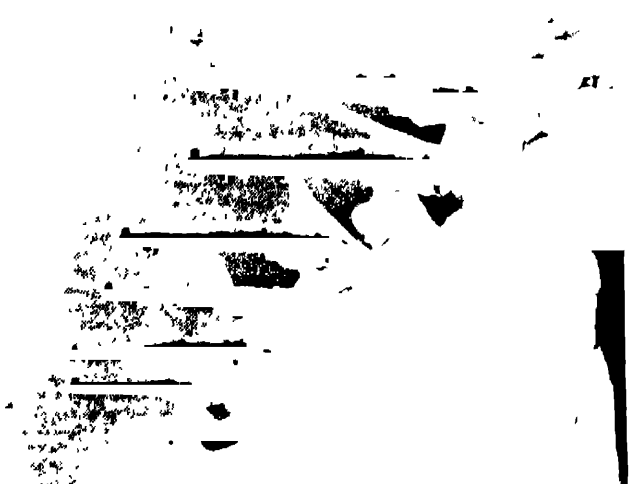


مشہور چینی جرنیل جو چینی کمیونسٹوں اور
چیانگ کئی شک کی حکومت میں
مفاہمت کرا رہے ہیں

دیوان بہادر کرشنم چاری



دیوان بہادر جنکی صدارت اس ہفتہ دہلی
میں ریاستی وزرا کی کانفرنس منعقد ہوئی



فلم ایڈوائزری بورڈ کے "نازی حکومت" کا ایک سین